



Kiran Digest July 2018

چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز













زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

subscriptions@khawateendigest.com








خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

جولائی 2018

جلد 41 شمارہ 4

قیمت 70 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

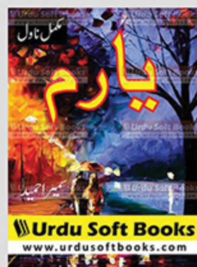
پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

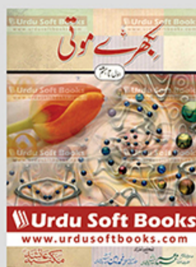
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

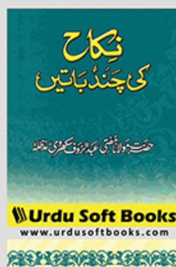
Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

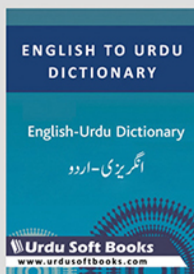






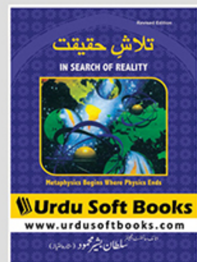


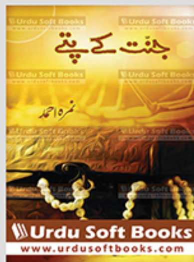
























مدیرہ



دکھ سکھ، خوشی و غم، عروج و زوال زندگی کا حصہ ہیں۔ شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جسے زندگی میں اچھے برے حالات سے نہ گزرنا پڑا ہو۔ فرق یہ ہے کہ کچھ لوگ ناکامی پر دل برداشتہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ وہ حالات کا مقابلہ نہیں کر پاتے ہیں اور زندگی کے اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس کچھ لوگ حالات کے سامنے سر ڈالنے کے بجائے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی لوگ زندگی کے میدان میں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔

زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے دو باتیں بہت اہم ہیں۔ مثبت سوچ اور صحیح وقت پر صحیح فیصلہ مثبت سوچ ہماری شخصیت کو نکھارتی ہے اور خود اعتمادی پیدا کرتی ہے اور صحیح وقت پر صحیح فیصلے ہمیں زندگی میں آگے بڑھاتے ہیں۔ ہمارے لیے کامیابی کے دروازے کھولتے ہیں۔

کچھ فیصلے ہماری ذاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا اثر محدود ہوتا ہے لیکن کچھ فیصلے انفرادی ہونے کے باوجود پوری قوم کی زندگی کو بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ان میں ایک فیصلہ پانچ سال کے لیے ملک کے سربراہ اور اس کے وزیروں مشیروں کا انتخاب ہے۔

آپ کو آئندہ پانچ سال کے لیے اپنے ملک کی بہتری اور استحکام کے لیے فیصلہ کرنا ہے۔ اپنا حق رائے دہی ضرور استعمال کریں۔ اپنا رہنما اسے منتخب کریں جو باکردار ہو، جس کا عمل اس کے دعووں کی تصدیق کرتا ہو۔ اچھا کردار اچھے عمل کا نام ہے نہ کہ بلند بانگ دعووں کا۔

دعا ہے کہ آنے والا وقت ملک کے لیے استحکام اور خوش حالی لے کر آئے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- فنکارہ "رمشا خان" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- فنکارہ "وہاج علی" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "سعدیہ وحید سعدی" کے مقابل ہے آئینہ"،
- آواز کی دنیا سے "آر جے سہیل خان" اس ماہ مہمان ہیں،
- "شب غم کی سحر" رخ چوہدری کا نیا سلسلہ وار ناول،
- "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت عبداللہ کا سلسلہ وار ناول،
- "لذت غم عشق" صائمہ قریشی کا مکمل ناول،
- "ابا جی، میں اور تم" ام ایمان قاضی کا مکمل ناول،
- "غم ہے یا خوشی ہے تو" تنزیلہ ریاض کا ناولٹ،
- "چھوٹی سی خطا" نادیہ احمد کا ناولٹ،
- "سویرا" تطہیر فاطمہ کا ناولٹ،
- ایمل رضا، فرح بھٹو، حمادہ خان، کشف بلوچ، عمارہ امداد اور رضوانہ اسحاق کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "کرن کا دسترخوان" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت حاصل کریں۔



محفل محفل، جلوہ جلوہ، گلشن گلشن تیرا ظہور
برگ و گل میں، نجم و شجر میں، شمس و قمر میں تیرا نور

ذرّہ ذرّہ کل عالم کا ذکر میں تیرے ہے مشغول
کون سی جا ہے کون سا دل ہے جہاں نہیں ہے تُو معمور

تیرا وجود اور تیری وحدت، ہر شے سے ظاہر ہے مگر
ان کے لیے اندھیر ہے دُنیا جن کو نہیں ہے عقل و شعور

ایک میں مخفی تیرا جلال اور ایک میں مخفی تیرا جمال
بے شک تیری ہی تخلیق کا مظہر ہیں یہ نار و نور

کافی مجھ کو تیری رحمت دُنیا ہو یا عقبیٰ ہو
تیرے بغیر عبث ہے ہر شے جنّت ہو یا حور و قصور

تیرے در کا ادنیٰ گدا ہے عاجز ہے محتاج ہے گُل
تُو مالک ہے میں مملوک، اور تُو قادر میں مجبور

سیّد ناظر حسین گل چاندپوری



ہے ذکر فرشتوں میں جمالِ بشری کا
اللہ رے یہ اوج تری جلوہ گری کا

ہے عشقِ محمدؐ میں گریباں کا یہ عالم
فن سر بہ گریباں ہے یہاں بخیہ گری کا

اے جوشِ جنوں آج وہاں تک مجھے لے چل
مل جاتا ہے جس جا پہ صلہ دربدری کا

خوشبوئے ریاضِ نبوی کا جو امیں ہو
آجائے وہ ایک جھونکا نسیمِ سحری کا

تابندہ تیرے نور سے آدم کی جبیں ہے
رکھا ہے بھرم تو نے مقامِ بشری کا

پروفیسر تابش

رمشا خان سے ملاقات

شاہین رشید



''وہ ایک پل''، ''تمہاری مریم'' اور ''ماہ تمام'' تینوں ہی مشہور سیریلز اور تینوں کی ہیروئن ''رمشا خان'' رمشا کے خدوخال تو ہیں ہی بہت معصوم مگر اس کو اب تک ملنے والے کردار بھی بہت معصوم ہیں۔ آج کل آپ ان کا ''ماہ تمام'' دیکھ رہے ہیں ایک معصوم نند کا رول رمشا خان بہت کمال مہارت سے ادا کر رہی ہیں۔ ویسے سچ پوچھیں تو آج کل کے زمانے میں ایسی معصوم ''نندیں'' ہوتی نہیں...... ہاں بھابی کا کردار بالکل فٹ ہے۔

✿ ''کیا حال ہے رمشا خان؟''

☆ ''جی اللہ کا شکر ہے۔''

✿ ''کیا ہو رہا تھا......؟''

☆ ''شوٹ پر ہوں...... مگر ابھی فرصت میں ہوں۔''

✿ ''او...... اچھا...... گڈ...... تمہارا ''ماہ تمام'' دیکھ رہی ہوں۔ واہ بہترین پرفارم کر رہی ہو؟''

☆ ''بہت شکریہ۔''

✿ ''کیا بات ہے کہ یہ مسلسل تیسرا سیریل ہے کہ بے حد معصوم اور مظلوم لڑکی کا رول کر رہی ہو؟''

☆ ہنستے ہوئے ''جی شاید شکل ہی ایسی ہے...... ویسے اتفاق ہے کہ اوپر تلے ایسے سیریل آن ایئر ہو گئے...... ورنہ اور بھی کردار کیے ہیں...... آنے والے سیریلز میں آپ مجھے مختلف اور منفرد رولز میں دیکھیں گی۔''

✿ ''ان شاء اللہ...... اللہ تعالیٰ نے ایک دم سے اتنی شہرت دے دی تو کیسا لگ رہا ہے؟ لیکن تم پہلے اپنے بارے میں بتاؤ؟''

☆ ''جی ٹھیک ہے...... میرا نام جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ''رمشا خان'' ہے اور میں 23 جون 1994ء میں کراچی میں پیدا ہوئی...... والدہ حیات ہیں جبکہ والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ ہم دو ہی بہنیں ہیں، میں بڑی ہوں اور مجھ سے ایک چھوٹی بہن ہے۔ مجھے میری امی ''رمبا'' کہتی ہیں اور میری فرینڈز مجھے ''رامو'' کہتی ہیں اور میں نے ایم بی اے کرنا ہے ان فیوچر...... 5 فٹ ساڑھے سات انچ میرا قد ہے اور...... بس۔''

✿ ''بس نہیں...... بلکہ یہ بتاؤ کہ کیا منگنی ہوئی ہے؟ مطلب بک ہو......؟''

☆ ''نہیں نہیں...... بک نہیں ہوں اور نہ ہی ایسا فی الحال کوئی ارادہ ہے۔ ابھی بہت کام کرنا ہے، بہت آگے جانا ہے ابھی اپنا اچھا سا گھر بنانا ہے...... اور بہت اسٹرونگ وومن بننا ہے مجھے۔''

✿ ''واہ...... بہت اچھے خیالات ہیں؟''

☆"جی ...... میں بہت لبرل ہوں اور جو سوچ مردوں کی ہوتی ہے کہ گھر بنانا ہے، کچھ کمانا ہے...... یہ سوچ میری ہے۔ شاید میری امی کی تربیت کا نتیجہ ہے اور امی کا کہنا ہے کہ سارا انحصار مردوں پہ نہیں کرنا چاہیے۔ خود بھی کچھ کرنا چاہیے۔"

✿"شوبز میں کیسے آئیں؟"

☆"یہ بہت لمبی کہانی ہے، مگر آپ کو مختصراً بتاتی ہوں کہ ایک ٹیلنٹ ایجنسی ہے ان کے تحت میں نے ایک دو کمرشلز کیے۔ پھر مجھے بتایا گیا کہ ایک فلم کے ڈائریکٹر آپ کو فلم میں لینا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں آپ کی شکل بہت اچھی لگی ہے۔ اس فلم میں میں نے کام کیا اور یوں سمجھیں کہ اتنی محنت کی اور اتنا دل لگایا اور اتنے اچھے لوگ ملے کہ میں ایک طرح سے اداکاری میں تھوڑی نکھر گئی اگرچہ فلم فلاپ ہو گئی تھی لیکن میرے لیے اس فلم نے جس کا نام "تھوڑا جی لے" تھا میرے راستے ہموار کر دیے...... فلم میں میرا لیڈنگ رول تھا ایک انڈی پینڈنٹ وومن کا اور بہت اچھا تھا۔ خیر ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔"

✿"فلم فلاپ ہوئی، تم کامیاب، قسمت تھی یا ڈائریکٹر کی محنت؟"

☆"قسمت بھی اچھی تھی اور ڈائریکٹر کو تو میں سلوٹ کروں گی کہ اس نے مجھ پر بہت محنت کی اور مجھے اچھی فنکارہ بنا دیا اور پھر آپ میں لگن ہو۔ ایمان داری ہو تو یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومتی ہے۔"

✿"امی نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟"

☆"نہیں...... میں آپ کو بتاؤں کہ میں نے جس ایجنسی کا ذکر کیا وہاں میں 9-5 کی جاب بھی کر رہی تھی ......تو اسی وقت امی کہتی تھیں کہ تم اداکاری کرو تم میں ٹیلنٹ ہے کیونکہ میں نے بچپن میں تھیٹر میں بہت کام کیا ہے۔ تو امی کا بہت اصرار تھا اور میں انہیں منع کر دیتی تھی...... کہ مجھے 10 بجے نہیں اٹھنا اور نہ ہی مجھے رات کو دس بجے واپس آنا ہے......تو امی کہتی تھیں کہ تم کوشش تو کرو......تو بس میری کوشش، امی کا اصرار مجھے اس فیلڈ میں مکمل طور پر لے آیا...... اس فیلڈ میں ہمارے خاندان کے کچھ لوگ ہیں مگر میں ان کی وجہ سے نہیں آئی بلکہ خالصتاً اپنے ٹیلنٹ کی وجہ سے آئی ہوں...... مجھے بہت عجیب سے لگتا ہے کہ میں کسی کے ساتھ جاؤں اور وہ کہے کہ اس کو اداکاری کا شوق ہے......اللہ کا بہت شکر ہے کہ مجھے خود بخود آفرز آئی ہیں۔"

✿"پہلی فلم "تھوڑا جی لے" اور پہلا ڈرامہ؟"

☆"پہلا ڈرامہ "وہ ایک پل" تھا اور بہت اچھا تھا مگر مجھے لگا کہ میرا کردار عزت والا نہیں ہے کہ



ایسی لڑکی جس کو سب ہی اگنور کر رہے ہیں تو میرے کردار کے حوالے سے میرے ڈائریکٹر نے مجھے سمجھایا کہ جس کے پیار میں تم یہ سب کچھ کر رہی ہے اگر وہ تمہیں چھوڑ کر چلا جائے تو..... کیونکہ انسان کے پاس جو چیز نہیں ہوتی اس کی وہ قدر کرتا ہے۔"

❁ "پریکٹکل لائف میں کم عمری میں آنے کی کیا وجہ تھی؟"

☆ "اصل میں میں اپنی امی کو بچپن سے کام کرتا ہوا دیکھ رہی تھی تو مجھے بھی شوق ہوا کہ میں بھی کام کروں..... امی پی آئی اے میں جاب کرتی تھیں.....تو میں نے بھی ویزا سیکشن میں کام کیا مگر امی نے منع کر دیا کیونکہ پڑھائی بہت متاثر ہو رہی تھی، مگر پھر بھی تھوڑا بہت کرتی رہی "ریڈیل" میں جاب کی، 15 سال کی عمر میں کمرشلز کیے۔ 19 سال کی عمر میں اس فیلڈ میں آ گئی۔"

❁ "کم عمری میں فیلڈ میں آ گئیں تو بہت اچھی لگی ہو گی یہ فیلڈ آپ کو؟"

☆ "جی بہت اچھی اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی، کوئی ایسی برائی بھی نظر نہیں آتی کہ ذکر کروں میرا تجربہ بہت اچھا رہا ہے اور مجھے تو بہت کچھ سیکھنے کو مل رہا ہے..... کسی بھی فیلڈ میں آپ کا اچھا ہونا بہت ضروری ہے۔"

❁ "بالکل.....اداکاری میں تو کافی نکھار آ گیا ہے۔ گھر کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا ہو گا۔ اداکاری کی مصروفیات میں؟"

☆ "سچ بتاؤں اداکاری کی فیلڈ کی ذمہ داریاں تو مجھے قبول ہیں مگر گھر کے کاموں کی نہیں، مجھے شوق ہی نہیں ہے۔ گھر کے کاموں سے.....ہاں میری چھوٹی بہن کو شوق ہے..... اور میں صاف کہہ دیتی ہوں کہ میں تو چلی اب تم سنبھالو گھر کو..... میں بہت لکی ہوں کہ مجھے اتنی پیاری ماں اور بہن ملی.....امی اکثر کہتی ہیں کہ سسرال میں کیا کرو گی، تو میں کہتی ہوں کہ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

❁ "کوکنگ سے بھی لگاؤ نہیں ہے؟"

☆ "کچھ عرصہ قبل کوکنگ کرنے کا شوق ہوا تھا اور میں نے دال پکائی تھی اور وہ بڑے مزے کی بنی تھی، آملیٹ اچھا بنا لیتی ہوں، میرا خیال ہے کہ اگر میں کوکنگ کروں تو اچھی کر لوں گی۔"

❁ "خوش خوراک ہیں.....کیا پسند ہے؟"

☆ "ہاں جی.....میں خوش خوراک ہوں..... اور آپ یقین کریں کہ جب کھانا ٹیبل پہ لگتا ہے تو میں کھانے پہ ٹوٹ پڑتی ہوں اور بھوک برداشت نہیں موڈ خراب ہو جاتا ہے اور کہیں ایسی ویسی جگہ پر ہوں جیسے شوٹ پر تو میں کہتی ہوں کہ مجھ سے پیسے لے لو مگر مجھے کھانا دے دو.....بہت شوقین ہوں کھانے کی۔"

❁ "گھر سے باہر لوگ پہچان لیتے ہیں؟"

☆ "جی ....."جب تمہاری مریم" کر رہی تھی تب اور اب "ماہ تمام" میں لوگ دیکھ رہے ہیں تو آسانی سے پہچان لیتے ہیں اور مجھے تو خیر اچھا لگتا ہی ہے مگر مجھ سے زیادہ میری امی خوش ہوتی ہیں اور مجھے اپنی امی کو ہی خوش دیکھنا ہے ہمیشہ.....اور مجھے بہت بڑی اور اچھی فنکارہ بننا ہے۔"

❁ "اور کس آرٹسٹ کے ساتھ زیادہ کام کرنا چاہتی ہیں؟"

☆ "میں بہت سارے آرٹسٹوں کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں نعمان اعجاز، صبا قمر، ثمینہ پیرزادہ، آمنہ شیخ، عجل علی احسان خان اور بہت سے، لمبی فہرست ہے۔"

❁ "کوئی کردار جس کا انتظار ہے آپ کو؟"

☆ "بہت ہی مختلف قسم کا کردار کرنا چاہتی ہوں۔ کچھ بتا نہیں سکتی، کیونکہ بہت سے کردار کرنا چاہتی ہوں.....تمہاری مریم کا کردار بھی اچھا تھا اور یہ میں نے اس لیے کیا کہ یہ کردار میرے پہلے والے ڈرامہ "وہ ایک پل" سے بالکل الگ تھا اور پھر مجھے لوگوں کو یہ دکھانا تھا کہ میں یہ کردار بھی کر سکتی ہوں اور خود میرے لیے بھی یہ کردار خاصہ چیلنجنگ تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ سب کو پسند آیا۔"

❁ "سیاست سے لگاؤ ہے؟.....اگر کوئی عہدہ مل گیا تو؟"

☆ "سیاست سے ایسا کوئی خاص لگاؤ تو نہیں ہے.....لیکن اگر کوئی عہدہ مل گیا تو اپنے ملک کو سنوارنے کے لیے ہی بہت کچھ کروں گی اور سب سے پہلے تعلیم پہ توجہ دوں گی.....اور سیاست میں اگر

آئی تو پھر "عمران خان" کو فالو کروں گی۔ان جیسا تعلیم یافتہ اسمارٹ اور پاکستان کے لیے اچھی سوچ رکھنے والا پاکستان میں کوئی نہیں......بس دعا ہے کہ اللہ کرے۔وہ برسر اقتدار آجائیں۔"

"عموماً لوگوں کی کیا بات بہت ہرٹ کرتی ہے؟"

☆"کہ تم کچھ کر نہیں سکتیں۔تم میں پوٹینشل نہیں ہے، اور میں ان کو پھر بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیتی ہوں کہ میں بہت کچھ کرسکتی ہوں......اور اللہ کا شکر ہے کہ کر بھی رہی ہوں۔"

"کبھی آڈیشن کے لیے ناکامی ہوئی؟"

☆"میں ایک بار ایک پروڈکشن ہاؤس میں آڈیشن دینے گئی تو انہوں نے آڈیشن لینے کے بعد کہا کہ آپ کی اردو کا تلفظ ٹھیک نہیں ہے، تو ہماری انڈسٹری میں ایسی لڑکی کی جگہ نہیں ہے...... مجھے ان کے الفاظ اچھی طرح یاد ہیں، اب وہ ہی مجھے بار بار بلاتے ہیں مگر میں نہیں جاتی۔ وہ ایک چینل کی سی ای او تھیں۔ یہ الفاظ تھے کہ "ہمارے چینل کے لیے "کترینہ کیف" کی جگہ نہیں ہے۔"

"وقت کی پابندی کرتی ہیں؟"

☆"نہیں...... بڑی خامی ہے مجھ میں ......میں ہر کام میں ہمیشہ لیٹ ہوجاتی ہوں۔بس یہ خامی دور ہوجائے تو کیا ہی بات ہے۔"

"فضول خرچ ہیں؟"

☆"جی......ہوں تو سہی......اور زیادہ تر اپنی دوستوں پہ خرچ کرتی ہوں...... مجھے بچت بھی کرنی چاہیے۔کیونکہ کمانا کوئی آسان کام تو ہے نہیں۔"

"فیوچر پلاننگ کرتی ہیں؟"

☆"ہاں کرتی تو ہوں......مگر زیادہ نہیں، ابھی تو یہی سوچا ہے کہ ساری توجہ اس فیلڈ کو دینی ہے اور اس وقت تک کام کرتے رہنا ہے۔ جب تک میں تھک نہ جاؤں......جس دن تھک گئی اس دن کام چھوڑ دوں گی۔"

"ابھی تو ابتدا ہے۔ابھی سے تھکن کی بات کیوں کررہی ہیں......؟"



☆"نہیں......ایک بات کررہی ہوں۔کہ اگر ایسا ہوا تو پھر چھوڑ دوں گی۔"

"عورت میں زیادہ خوبیاں ہوتی ہیں یا مردوں میں؟"

☆"یہ کچھ نہیں کہہ سکتے، جو خوبیاں عورت میں ہوتی ہیں وہی مردوں میں بھی ہوتی ہیں ایسا نہیں کہ عورت سخت دل ہے تو مرد نہیں یا عورت دھوکے باز ہے تو مرد نہیں......اس کے لیے کوئی پیمائش کا پیمانہ نہیں ہے۔"

"شوبز میں کس سے ملنے کی بہت خواہش ہے؟"

☆"شاہ رخ خان، اپنی فلم انڈسٹری کی صائمہ نور سے ہیں ان کی بہت بڑی فین ہوں اور صبا قمر سے بھی ملنا چاہتی ہوں۔"

"ڈراموں کی طرح کبھی چھپ چھپ کر باتیں سنیں؟"

☆"جی......جی بالکل......جان بوجھ کر نہیں اگر اتفاق ہوجائے ڈراموں کی طرح تو پھر سن لیتی ہوں۔ ویسے جو ڈراموں میں ہوتا ہے وہ اصل زندگی میں نہیں ہوتا۔"

"بہت شکریہ رمشا خان۔ پھر بات کریں گے۔ان شاءاللہ۔"

☆☆

میری بھی سنئے

وہاج علی

شاہین رشید



1 ''میرا نام؟''
''وہاج علی۔''
2 ''پکارا جاتا ہوں؟''
''وہاج...... کسی نے نام بگاڑا ہی نہیں۔''
3 ''سالگرہ مناتا ہوں......(اپنی)؟''
''یکم دسمبر......سن بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ تو گزر گیا۔ 1985ء نے کون سا واپس آنا ہے......ہاہاہاہا......''
4 ''میری فیملی؟''
''ہائے بہت ہی مختصر ہے......اماں ابا اور میں۔''
5 ''میری لمبائی......مطلب قد؟''
''5 فٹ 10 انچ......اچھا قد ہے نا۔''

6 ''کیا بننے کے لیے تعلیم حاصل کی؟''
''میں اچھا انسان بننے کے ساتھ ساتھ اچھا اداکار بننا چاہتا تھا بلکہ چاہتا ہوں۔ اس لیے NCA سے ماسٹران ملٹی میڈیا کی ڈگری حاصل کی۔''
7 ''شادی؟''
''الحمدللہ شادی شدہ ہوں اور تقریباً ایک سال کی بیٹی بھی ہے اور ''ایرہ'' نام ہے بیٹی کا۔''
8 ''انڈر پروڈکشن/آن ایر ڈرامہ؟''
''آج کل جو سیریل آن ایئر ہے اس کا نام ''ماہ تمام'' ہے جبکہ آنے والے سیریل میں ''حیوان'' ہے جوان شاءاللہ ''اے آر وائی'' سے ٹیلی کاسٹ ہو گا۔''
9 ''اداکاری سے گھر والے خوش ہوئے؟''
''انہیں بتایا ہی اس وقت جب دو چار سیریل آن ایئر آ چکے تھے......تو بس کچھ نہیں کیا......نہ خوش ہوئے نہ ناراض۔''
10 ''گھر والوں کا اصرار تھا کہ؟''
''میں جاب کروں......اور جب پتا چلا کہ اس فیلڈ میں آ گیا ہوں تو والد صاحب کے کمنٹ تھے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ نوکری نہیں کر سکتا۔''
11 ''شوبز میں کس بات نے ڈسٹرب کیا؟''
''کہ اپنی کوئی سوشل لائف نہیں رہتی، پرائیویٹ لائف بھی تھوڑی ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔''
12 ''والد کی نصیحت جو گرہ سے باندھی ہے؟''
''ڈو گڈ اینڈ ہیو گڈ۔''
13 ''نیند نہیں آتی؟''

''جب تک تکیے کا کونہ پکڑ کر نہ سوؤں۔
ہاہاہاہا..... ہے نا عجیب بات۔''

14 ''میں تنگ ہوں؟''
''اپنی حساس طبیعت سے .....تھوڑا کم ہونا چاہتا ہوں۔حساس ہو بندہ مگر زیادہ نہیں۔''

15 ''مجھے شوق ہے؟''
''گھر کو سنوارنے کا .....نت نئے پودے لگانے کا، تب ہی جب پہلی کمائی کے 2 لاکھ 20 ہزار ملے تو سب پودوں پہ لگادیے سب سے مراد زیادہ تر.....باقی اپنے لیے شاپنگ کی۔''

16 ''کس چیز کی کمی ہو تو کھانے میں مزا نہیں آتا؟''

''سب اچھی لڑکیوں کے ساتھ..... ہاہاہا۔''

20 ''میری تعریف کا انداز؟''
''واہ کمال کر دیا آپ نے .....مگر حیران نہیں کیا۔''

21 ''میری کمزوری.....؟''
''میری فیملی ..... جب تک اپنی ماں، بیگم اور بیٹی کو نہ دیکھ لوں، ان کے ساتھ تھوڑا وقت نہ گزار لوں، مجھے نیند نہیں آتی ہے۔''

22 ''قسمت پہ یقین.....؟''
''کچھ عرصہ پہلے تو اتنا خاص نہیں تھا بلکہ جب تک والد حیات تھے تب تک .....مگر ان کی وفات کے بعد اندازہ ہوا کہ ہوتا وہی ہے جو قسمت میں لکھا



''پودینے کی چٹنی .....اور یہ گھر کے کھانے کے ساتھ ہی مل سکتی ہے۔باہر کہیں نہیں۔''

17 ''وقت کے ساتھ ساتھ کیا تبدیلی آئی مجھ میں؟''
''پہلے بہت غصہ آتا تھا.....فوری ری ایکشن بھی دیتا تھا.....مگر اب اتنی کمی آ گئی ہے کہ غصے میں مسکرا دیتا ہوں۔''

18 ''یہ تبدیلی تب آئی.....؟''
''جب والد صاحب اس دنیا سے رخصت ہوئے۔''

19 ''رومانٹک سین کرنا چاہتا ہوں؟''

ہوتا ہے۔''

23 ''نیند پکی آتی ہے یا کچی؟''
''پکی والی .....بستر پر لیٹتے ہی سو جاتا ہوں گہری نیند۔''

24 ''دل مشورہ صحیح دیتا ہے یا دماغ؟''
''میرے خیال میں دونوں ہی اچھا مشورہ دیتے ہیں اس لیے دونوں کے مشورے پہ غور کرتا ہوں۔''

25 ''ماں کے لیے ایک لفظ؟''
''خدا کی حسین، بہترین تخلیق ''ماں'' ہے۔''

26 ''میرے پاس محفوظ ہیں؟''

''میری اچھی یادیں۔''

27 ''تہوار انجوائے کرتا ہوں؟''

''بقرہ عید کا تہوار...... بہت مزا آتا ہے۔''

28 ''افسردہ ہو جاتا ہوں؟''

''جب کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''

29 ''لازمی لے کر گھر سے نکلتا ہوں؟''

''موبائل اور کچھ نہیں...... اب اس کے بغیر گزارہ ممکن نہیں رہا۔''

30 ''میری اچھی بات؟''

''کہ میں دوسروں کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا اور نہ ہی ٹوہ لیتا ہوں۔''

31 ''اور بری بات؟''

''کہ میں لوگوں سے زیادہ فری نہیں ہوتا...... زیادہ سوشل نہیں ہوتا...... لوگوں سے زیادہ ملتا نہیں ہوں۔''

32 ''ماں اور بیگم میں بیلنس کس طرح رکھتا ہوں؟''

''ہاہاہا...... ناشتا بیگم کے ہاتھ کا پسند ہے اور کھانا ماں کے ہاتھ کا۔''

33 ''لمبا سانس لیتا ہوں؟''

''جب سین اچھا بھی ہو جاتا ہے اور او کے بھی ہو جاتا ہے۔''

34 ''پہلی اور آخری محبت؟''

''ایک ہی لڑکی سے کی محبت اور پھر اسے اپنا ہم سفر بنا لیا...... تو یہ ہی پہلی اور آخری محبت ہے۔''

35 ''وقت کی اہمیت؟''

''بہت زیادہ ہے...... میری نظر میں اور بہت پابندی کرتا ہوں وقت کی۔''

36 ''ایک ملک جو بہت پسند ہے؟''

''مالدیپ...... گھومنا چاہتا ہوں بہت سارا۔''

37 ''کیا اب بھی سچی محبت ہوتی ہے؟''

''جی...... جی ہوتی ہے۔ اپنی بیگم سے کی، پہلے محبت کی پھر شادی کی...... ویسے سچی بات تو یہ ہے کہ اب سچی محبت فلموں اور ڈراموں میں ہی نظر آتی ہے...... مگر کم۔''

38 ''لوگوں کی ایک بات جو بری لگتی ہے؟''

''کہ اپنے والدین سے محبت کرو...... تو کیا اب لوگوں سے پوچھ کر یا بتا کر محبت کروں گا......؟ کون ہے جو اپنے والدین سے محبت نہیں کرتا......''

39 ''گھر میں کس کے ساتھ وقت گزارتا ہوں؟''

''(چائے) Tea اور ٹی وی (T.V) اور گھر آتے ہی پہلا کام ہاتھ میں ریموٹ پکڑنا ہوتا ہے۔''

40 ''گھر میں کھانا کھاتا ہوں؟''

''اپنے بیڈ پہ...... بہترین جگہ ہوتی ہے کھانے کے لیے۔''

41 ''پسندیدہ ترین کھانا جو ہمیشہ کھا سکتا ہوں؟''

''بوائلڈ چکن۔''

42 ''آج کل کی لڑکیوں کو کہنا چاہوں گا کہ؟''

''کہ اپنے دماغ سے یا اپنے والدین کے دماغ سے سوچا کریں۔ دل کی باتوں میں نہ آیا کریں۔''

43 ''میری خواہش ہے کہ؟''

''میرے ہاتھ میں اتنی دولت آ جائے کہ میں اپنے ملک کا قرض اتار دوں...... تاکہ پاکستان کسی کے دباؤ میں آ کر کوئی کام نہ کرے۔''

44 ''میرے لیے ایک یادگار تاریخ؟''

''جب میری بیٹی اس دنیا میں آئی...... کبھی نہیں بھول سکتا۔''

45 ''اب تک کے ڈراموں میں میرا پسندیدہ رول؟''

''ماہ تمام'' میں ''تقی'' کا رول اور ایک ڈرامہ ''گلہ'' ہوا تھا اس میں میں نے ''سانول'' کا رول کیا تھا...... یہ دونوں ہی رول مجھے بہت پسند ہیں۔''



46 ''فیوچر؟''

''جب سے والد صاحب رخصت ہوئے ہیں۔ ہر چیز پہ اعتبار ختم ہو گیا ہے۔ اس لیے کوئی فیوچر پلاننگ نہیں کرتا۔''

47 ''ایک خواہش جو حسرت بن گئی ہے؟''

''والد سے ملنے کی خواہش اب حسرت بن گئی ہے میرا دل چاہتا ہے ان سے ملوں ان کے گلے لگوں۔ ڈھیر سارا پیار کروں اور ان کے پاس ہی رہ جاؤں۔''

48 ''رول جو کرنا چاہتا ہوں؟''

''مجھے مشکل، ٹف اور چیلنجنگ ٹائپ کے رول بہت پسند ہیں اور ایسے ہی رول کرنا چاہتا ہوں جو لوگ یاد رکھیں۔''

49 ''ایک انوکھی خواہش؟''

''میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی زندگی کا حصہ جنگل میں گزاروں۔''

50 ''مجھے ڈر لگتا ہے؟''

''گہرے پانی سے۔''

51 ''محاورہ ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے..... کیا یہ سچ ہے؟''

''نہیں، بالکل جھوٹ ہے......انسان بہت خود غرض فطرت کا مالک ہوتا ہے۔ یہ سب کتابی باتیں ہیں......کم سے کم آج کل کے دور میں محبت اندھی نہیں ہوتی کہ سب کچھ لٹادو۔''

52 ''بستر چھوڑنا آسان ہے یا مشکل؟''

''میرے خیال میں بہت مشکل ......اس لیے اٹھنے کے بعد بستر چھوڑنا مجھے بہت مشکل لگتا ہے۔''

53 ''سکھاتا کون ہے، وقت، اپنا تجربہ یا دوسروں کا تجربہ؟''

''میں تو سمجھتا ہوں کہ انسان اگر سمجھنے والا ہو تو تینوں چیزیں سکھاتی ہوں۔ وقت، تجربہ اور دوسروں کا تجربہ انسان کے استاد ہیں۔''

54 ''اپنی کمائی سے کیا خریدا؟''

''ویسے تو بہت کچھ خریدا۔ مگر اپنی ذاتی کار خرید کر بہت سکون ملا۔''

55 ''تھکن میں کہاں جانا برا نہیں لگتا؟''

''برا کہاں نہیں لگتا؟......ہر جگہ جانا برا لگتا ہے......بس تھکن میں تو دل چاہتا ہے کہ میں ہوں اور میرا نرم و گداز بستر ہو۔''

☆☆

آواز کی دنیا سے

آر جے سہیل خان

شاہین رشید



ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد جب دنیا میں آئے تو پورے جسمانی اعضاء کے ساتھ، یعنی وہ سنتا بھی ہو، بولتا بھی ہو، دیکھتا بھی ہو وہ دماغی طور پر فٹ ہو، ہاتھ پاؤں سلامت ہوں اور جب وہ بڑا ہو تو اپنے پورے قد کاٹھ کے ساتھ...... اب خدا جانے کہ یہ مینوفیکچرنگ فالٹ ہوتا ہے یا کہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت کہ کچھ افراد میں کچھ نہ کچھ کمی رہ جاتی ہے کوئی قوت سماعت و گویائی سے محروم ہوتا ہے تو کوئی بصارت سے کوئی دماغی طور پر ان فٹ، کوئی بہت لمبا تو کوئی انتہائی کوتاہ قد ...... بہرحال جب انسان کسی نہ کسی کمی کے تحت اس دنیا میں آتا ہے تو پھر "جینے" کے عادت واطوار بھی سیکھ جاتا ہے اور اس دنیا میں بہت سے لوگ اس کے سچے اور مخلص دوست بھی بن جاتے ہیں...... مگر وہ خود کس طرح زندگی جیتا ہے یہ وہ خود ہی جانتا ہے...... "سہیل خان آر جے"

آواز کی دنیا کا ایک معتبر نام...... بصارت سے محروم مگر ہر دل عزیز آر جے، ملاقات کیجیے۔

🔸"کیسے ہیں...... کیا حال ہے؟"

☆"جی الحمدللہ آپ ٹھیک ہیں۔"

🔸"جی بالکل...... ریڈیو کیسا جا رہا ہے؟"

☆"جی آپ کی دعا سے بہترین۔"

🔸"ریڈیو کے بارے میں بات بعد میں کریں گے پہلے آپ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیے؟"

☆"11 فروری کو کراچی میں پیدا ہوا، میرا تعلق بھی کراچی سے ہی ہے۔ میں گھر کا بڑا ہوں اور مجھ سے چھوٹی تین بہنیں ہیں والد صاحب نے ساری زندگی جاب کی اور والدہ ہاؤس وائف رہیں...... نابینا ہونے کی وجہ سے تعلیم میں بہت پیچھے رہ گیا۔ کیونکہ گھر والوں نے بھی زیادہ سپورٹ نہیں کیا۔ وہ میرا ساتھ دیتے تو شاید آج میں بھی ایک تعلیم یافتہ انسان ہوتا۔ جب میرا پڑھنے اور آگے بڑھنے کا ٹائم تھا میری حوصلہ افزائی کرنے والا کوئی نہیں تھا...... میں صرف آٹھویں جماعت تک ہی تعلیم حاصل کر سکا...... اس زمانے میں یعنی بچپن میں ایک ہی مشغلہ تھا ریڈیو سننا...... اور ریڈیو سن کر میں نے بہت کچھ سیکھا اور وقت نے مجھے میری عمر سے پہلے ہی میچور کر دیا۔"

🔸"جن لوگوں میں قدرتی طور پر یا پیدائشی طور پر کچھ کمی ہوتی ہے اللہ انہیں ایکسٹرا خوبیوں سے نوازتا ہے...... آپ کو بھی نوازا ہوگا کچھ بتائیں اس بارے میں؟"

☆"جی جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں ایف ایم 101 سے وابستہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بہترین یادداشت سے نوازہ ہے تو میں نہ صرف

101 سے وابستہ ہوں بلکہ مختلف ویب سائیڈز اور مختلف چینلز کے لیے بھی کام کرتا ہوں۔ میں کرکٹ statistical ہوں۔ جب انٹرنیشنل میچز ہوتے ہیں تو میں انہیں کور کرتا ہوں اور اس کام میں مجھے بہت مہارت حاصل ہو گئی ہے......تو میرے کام کو دیکھ کر اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اگر تمہاری فیملی تمہیں سپورٹ کرتی اور تم اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیتے تو آج پتا نہیں کہاں ہوتے۔''

''تو جب آپ کو اس چیز کا احساس ہو گیا کہ تعلیم میں کمی رہ گئی ہے تو آپ نے دوبارہ کیوں نہ شروع کی؟''

☆''میں دوبارہ شروع کر سکتا تھا اور کر سکتا ہوں اور میرا ارادہ بھی ہے مگر اب ریگولر طالب علم والی ایج نہیں ہے۔ تو ایج کا ایشو ہے مگر میں پرائیویٹ اپنی تعلیم ضرور شروع کروں گا۔ تاکہ ایک سرٹیفکیٹ ایک ڈگری تو ضرور ہی ہونی چاہیے۔''

''اپنا علاج کروایا تھا۔ مطلب فیملی نے؟ اور کیا احساسات تھے جب دنیا اندھیری نظر آئی؟''

☆''جی......جو پیدائشی طور پر نابینا ہوتے ہیں ان کا کوئی علاج نہیں ہے تو ڈاکٹرز نے تو بچپن میں ہی مایوس کر دیا تھا اور دنیا اندھیری تو کبھی بھی نظر نہیں آئی...... ہاں دنیا کو دیکھنے میں اور دنیا کو سمجھنے میں مجھے کافی وقت لگ گیا...... جب چھوٹا تھا تو میرے گھر والے ٹی وی لگا کر اور ریڈیو لگا کر چلے جاتے تھے تو میں گھر میں اکیلا ریڈیو سنتا رہتا تھا اور ریڈیو سن سن کر اتنا میچور ہو گیا تھا کہ مجھ میں کبھی یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ مجھ میں کوئی کمی ہے۔ ہاں...... کافی وقت لگ گیا مجھے دنیا دیکھنے میں......اور اللہ کا شکر ہے کہ میری یادداشت بہت اچھی ہے جس کی وجہ سے لوگ حیران ہوتے ہیں کہ تمہیں ساری باتیں یاد کیسے رہ جاتی ہیں۔''

''گھر والوں کو آپ کی پرورش میں مشکلات پیش آئیں؟''

☆''نہیں میرے خیال میں تو نہیں ہوئی...... کیونکہ گھر میں ہی زیادہ ہوتا تھا اور جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی وہ حاضر کر دی جاتی تھی...... ہاں جو ''خود اعتمادی'' مجھے گھر والوں کی طرف سے ملنی چاہیے تھیں وہ نہیں ملی...... مجھے جنہوں نے خود اعتمادی دی اور جنہوں نے مجھے آگے بڑھنے میں میری مدد کی، میرا ساتھ دیا ان کا نام میں ضرور لینا چاہوں گا۔ ان کا نام ''عظمیٰ بیگ'' ہے وہ میری سگی بہن نہیں ہیں مگر سگی سے بڑھ کر ہیں۔ انہوں نے مجھے دنیا دکھائی، ہر قدم پر میرا ساتھ دیا۔ ریڈیو جانا ہو......ایم ایف جانا ہو یا کہیں بھی۔ وہ میرے ساتھ ہوتی تھیں، انہوں نے ہی مجھے خود اعتمادی دی، انہوں نے ہی مجھے بتایا کہ دنیا ہے کیا، پہلے تو میں اکیلا ٹریول بھی نہیں کر سکتا تھا......مگر اب آپ جہاں کہیں میں با آسانی چلا جاتا ہوں۔ عظمیٰ بیگ صاحبہ نے ہی میرا بہت ساتھ دیا۔ بہت اعتماد دیا۔ مشکور ہوں ان کا۔''

''ریڈیو پہ کیسے آئے؟ وہ ہی لے کر آئی آپ کو؟''

☆''میں ریڈیو نہ صرف باقاعدگی سے سنتا تھا بلکہ باقاعدگی کے ساتھ فون بھی کیا کرتا تھا۔ بچپن سے ہی ریڈیو کا ریگولر کالر بن گیا تھا......میری یادداشت



بہت اچھی تھی تو لوگ میری اس خوبی سے بھی بہت متاثر ہوتے تھے.....تو بھی ریڈیو والے مجھے بلاتے تھے تو سارا وقت وہی میرے ساتھ رہتی تھیں.....اور آج تک لوگ اگر مجھے سپورٹ کرتے ہیں تو میری اچھی یادداشت کی بدولت مجھے یاد ہے کہ ایک آر جے کے ساتھ میں نے پروگرام کیا اور پھر اسی آر جے کے ساتھ کافی ٹائم کے بعد پروگرام کرنے کو ملا تو میں نے ان سے کہا کہ آپ کو یاد ہے کہ 19 ستمبر کو بھی ہم ملے تھے، تو وہ بے ساختہ بولیں ''اچھا تمہیں یاد ہے'' تو مجھے ڈیٹ کے ساتھ ساری باتیں یاد رہتی ہیں۔''

''ریڈیو جوائن کیے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

☆''میں ریڈیو سنتا تھا، کال کرتا تھا۔ وقت یونہی آگے بڑھتا رہا۔ 2008ء وہ سال تھا جب میں ایف ایم جوائن کرنے کے ارادے سے تو نہیں مگر پہلی بار اسٹوڈیو گیا تھا اور چونکہ ریڈیو کے لوگ مجھ سے واقف تھے اور مجھ سے متاثر بھی تھے تو وہ بھی کبھار مجھے ریڈیو پروگرام کرنے کے لیے بلا لیا کرتے تھے..... مجھے یاد ہے کہ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا جب میری ضرورت پڑی مجھے بلا لیتے تھے۔ پھر 2016ء میں کرکٹ کا ''ایشیا کپ'' ہوا، تو ہماری پروگرام منیجر ربیعہ اکرم اور فرح سلیم نے آپس میں طے کیا کہ یہ بندہ اتنا زیادہ آتا ہے اور اپنے کام کو محنت و مشقت کے ساتھ کرتا ہے تو ہم کیوں نہ اسے مستقل رکھ لیں.....تو میں سمجھتا ہوں کہ ربیعہ اکرم صاحبہ نے ایک لحاظ سے مجھے ہائر کر کے رسک ہی لیا کہ نابینا ہے پتا نہیں کام ٹھیک طور پر کر بھی سکے گا کہ نہیں.....مگر میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ کچھ کر کے ہی دکھاؤں گا۔ چنانچہ 24 فروری 2016ء کو میرا پہلا پروگرام آن ایئر ہوا۔ شروع شروع میں میں سنگل پروگرام ہی کرتا تھا آہستہ آہستہ کمبائن بھی دینا شروع کر دیئے.....تو مکس کرتا تھا کبھی اکیلا تو کبھی ساتھی کے ساتھ.....چونکہ مجھے موسیقی میں بھی بہت ناج ہے تو پھر آہستہ آہستہ مجھے دیگر پروگرام بھی ملنا شروع ہو گئے جن میں میوزک کے پروگرام بھی شامل تھے۔ پاکستانی میوزک کی تقریباً ساری تاریخ مجھے یاد ہے۔ تو یوں 2016ء سے باقاعدہ بہ حیثیت آر جے کے کام کر رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میڈم ربیعہ اکرم کو میں نے اپنے کام سے کبھی مایوس نہیں کیا۔''

''لوگ کتابیں پڑھ کر نالج حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے کس طرح سب کچھ حاصل کیا؟''

☆''بچپن سے ہی ریڈیو میرا شوق اور میرا جنون رہا ہے اور جب آپ کو کسی کام سے لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے بارے میں کچھ جاننا مشکل نہیں رہتا..... مجھے تو ریڈیو پہ کام کرنے والے آر جیز کی بھی پوری ہسٹری معلوم ہوتی تھی کہ کب جوائن کیا، کب پہلا پروگرام کیا۔ کس کس طرح کے پروگرام کیے.....تو بس یہ ایک قدرتی صلاحیت تھی جس کی وجہ سے میں آگے آگے بڑھتا چلا گیا.....میرا شوق میرا جنون میرے کام آیا اور میں ریڈیو کا ہی ہو کے رہ گیا۔''

''اللہ نے بہترین یادداشت دے کر اور بہترین آواز دے کر آپ کے لیے ذریعہ روزگار بنایا ۔ تو شکر کرتے ہیں یا کبھی اللہ سے ناراضی کا اظہار بھی کرتے ہیں؟''

☆سوچتے ہوئے.....''میں بہت اچھی زندگی گزار رہا ہوں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے لوگ بہت اچھے ملے۔ خواہ میرے دوست ہوں۔ خواہ ایف ایم کے لوگ ہوں یا میرے جاننے والے ہوں جو مجھے سنتے ہیں میرے سپورٹر.....مگر پھر بھی کبھی کبھی اپنی اس کمی کا احساس بھی بہت زیادہ ہوتا ہے.....مگر پھر سوچتا ہوں کہ ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی اتار چڑھاؤ تو ہوتا ہی ہے۔ تو میں سچ پوچھیں تو لائف کو بہت انجوائے کرنے والا بندہ ہوں۔''

''وہ لوگ جنہوں نے آپ کا دل دکھایا، آپ کا ساتھ نہیں دیا، آپ کی تعلیم اور آپ کی پرورش پہ.....اب ان کا رویہ کیسا ہے؟''

☆''میں کچھ نہیں کہوں گا ان کے بارے میں سوائے اس کے کہ ''چڑھتے سورج کی سب ہی پوجا

کرتے ہیں۔''میں صاف گو بندہ ہوں۔منہ پر بات کر دیتا ہوں۔میری بہنیں بہت اچھی ہیں۔بہت سپورٹ کرتی ہیں۔خیال رکھتی ہیں۔سب ہی بہت خیال رکھتے ہیں۔''

❁''اپنے پروگراموں کے بارے میں کچھ بتائیں؟''

☆''بنیادی طور پر چونکہ میں اسپورٹس کا بندہ ہوں تو میرا پروگرام بھی اسپورٹس پہ ہوتا ہے۔میرے پروگرام میں کھیلوں کی خبریں ہوتی ہیں، کھلاڑیوں کو اپنے پروگرام میں مدعو کرتا ہوں۔اس کے علاوہ میوزک کا پروگرام کرتا ہوں''جسٹ فار یو''اس میں گانے ہوتے ہیں، میوزک کے حوالے سے ریسرچز ہوتی ہیں......گانے میں زیادہ تر اپنی ہی پسند کے لگاتا ہوں۔کبھی کبھار لائیو کالز بھی لے لیتا ہوں......مختلف ادوار کے میوزک مجھے پسند ہے۔''

❁''کس طرح کا میوزک پسند ہے؟''

☆''مجھے 90's کی پاپ میوزک بہت پسند ہے۔اور میں اسے دوبارہ زندہ کر رہا ہوں۔یعنی جو بھول چکے ہیں انہیں یاد دلا رہا ہوں اور اپنے پروگرام میں پوری تیاری کے ساتھ آتا ہوں۔''

❁''ہفتے میں کتنے دن پروگرام کرتے ہیں اور پروگرام کی تیاری کس طرح کرتے ہیں؟''

☆''آج کل ہفتے میں 3 دن پروگرام کرتا ہوں۔پیر اور جمعرات کو اسپورٹس کا پروگرام کرتا ہوں اور منگل کی صبح''Just for you''کرتا ہوں اور پروگرام کی تیاری اس طرح کرتا ہوں کہ میرے موبائل پہ Talking سوفٹ ویر ہے......اس کے ذریعے دنیا جہاں کی معلومات حاصل کر لیتا ہوں۔''

❁''زندگی میں بہت سے اچھے لوگ بھی ملتے ہیں اور برے بھی۔بچے من کے سچے ہوتے ہیں۔برے لوگوں سے اور بچوں سے ڈر لگا کبھی؟ کیونکہ وہ جملے بازی ضرور کرتے ہیں؟''

☆''نہیں......ایسا کوئی سین تو نہیں ہوا اور نہ ہی مجھے کچھ ایسی باتیں یاد آ رہی ہیں۔اصل میں مجھے سپورٹ کرنے والے لوگ زیادہ تعداد میں ملے ہیں اور کسی نے کچھ کہہ بھی دیا تو اگنور ہی کیا اور زندگی کبھی بھی بری نہیں لگی۔اللہ کا تحفہ ہے انسان کے لیے۔زندگی انجوائے کرنے کے لیے ہوتی ہے۔''

❁''اپنی زندگی کے لیے کیا سیکھا؟''

☆''یہ سیکھا کہ جن لوگوں نے آپ کو سپورٹ کیا۔جنہوں نے آپ کو آگے بڑھنے میں مدد دی ہے۔ان لوگوں کو کبھی کھونا نہیں، اگر آپ کھو دیں گے تو پھر زندگی بے سکون ہو جائے گی اور آپ افسوس کریں گے۔اچھے لوگوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں۔''

❁''محبت کی کسی سے؟ یا کسی نے آپ سے؟''

☆ہنستے ہوئے......''نہیں......ابھی تک زندگی میں ایسی کوئی نہیں آئی کہ جس سے محبت ہوئی ہو اور ہاں مجھ سے کسی نے......اور وہ وقت میرے لیے بہت حیران کن تھا......مگر بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ درمیان میں کچھ اور مسئلے مسائل آ گئے تھے......بہت کھل کر کسی نے اظہار کیا تھا......خیر......بہت عزت کے ساتھ بہت کھل کر، کبھی بھول نہیں پاؤں گا۔''

❁''وقت کی پابندی کرتے ہیں؟ دیگر آر جے سے دوستی ہے اور مزاجاً کیسے ہو؟''

☆''میں وہ بندہ ہوں جو دیئے ہوئے ٹائم سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی پہنچ جاتا ہوں......اور پہلے پہنچنا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ یہاں موجود لوگوں سے تھوڑی سی ڈسکشن بھی ہو جائے۔اور پروگرام کے بعد بھی میں تھوڑی جولی اور تھوڑا ہنس مکھ مزاج بندہ ہوں۔ریلیکس ہو کے کام کرتا ہوں۔تحمل مزاج بہت ہوں۔''

❁''دیگر چینلو نے رابطہ کیا آپ سے؟''

☆''جی......بالکل دیگر چینلز سے آفرز ہوئیں مگر ایف ایم 101 سے ایسی انسیت ہو گئی ہے کہ اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا......یہاں کا ماحول بہت اچھا ہے۔یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں اور میری نظر میں لوگوں کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی بہت معنی

رکھتی ہے اور یہاں سب کچھ ہے......اور پھر ایسی کوئی نوبت بھی نہیں آئی کہ اس چینل کو چھوڑ دوں۔"

"ریڈیو کو پروفشنل بنانا آسان ہے یا بنایا جا سکتا ہے؟"

☆"میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ ریڈیو کو پروفیشن بنانا ایک مشکل کام ہے...... یہ تو جنون کا دوسرا نام ہے۔ ریڈیو پہ کام کرکے عجیب ہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اس سے گھر کا ہانڈی چولہا نہیں چل سکتا، تو میں دیگر کام کر لیتا ہوں...... میں پیسوں کی خاطر کہیں چلا بھی جاؤں تو میرا دل نہیں لگے گا۔"

"وائس اوور کی کبھی کمرشلز کے لیے یا ڈراموں کے لیے آپ نے؟"

☆"نہیں جی...... کیونکہ ابھی ایسا کوئی موقعہ نہیں ملا اور ان شاء اللہ کبھی موقعہ ملا تو ضرور کروں گا۔"

"ریڈیو کے علاوہ کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"

☆"میرا بنیادی کام کرکٹ سے متعلق ہے اور میں کرکٹ کے اعداد و شمار میں ماہر سمجھا جاتا ہوں۔ میں بنیادی طور پر اسپورٹس statistician ہوں...... میرا کام اعداد و شمار کو دیکھنا ہوتا ہے......مثلاً اگر کسی کھلاڑی نے 100 رنز کیے ہیں تو اس سے پہلے وہ کتنے 100 کر چکا کس کس کے خلاف کر چکا ہے یہ سب اعداد و شمار رکھنا میرا کام ہے ریکارڈر رکھنا میرا کام ہے...... یہ میرا شوق بھی ہے اور یہ میری فیلڈ بھی ہے اور آئندہ فیوچر میں بھی اس کام کو آگے لے جانے کا پلان بھی ہے کیونکہ اس فیلڈ میں بہت کم لوگ آتے ہیں......اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تم بہت مختلف فیلڈ میں آئے ہیں...... تو میں یہی کہتا ہوں کہ میں زندگی میں مختلف کام ہی کرتا ہوں......اپنی ایک پہچان ایک انفرادیت ہونی چاہیے۔"

"مزاجاً تو آپ ہنس مکھ اور جولی ہیں۔ جذباتی بھی ہیں؟"

☆"بہت زیادہ جذباتی ہوں۔ اپنے جذبات کو کنٹرول نہیں کر سکتا، وہ رونے والا جذباتی نہیں ہوں۔ غصہ آتا ہے اور غصے کے معاملے میں جذباتی ہوں۔ بہت کچھ کہہ جاتا ہوں اور بعد میں افسوس ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ وہ بندہ کیا سوچے گا......وغیرہ وغیرہ......اور دوسروں کے دفاع کے لیے بھی بہت جذباتی ہوں......اس طرح کوئی کلوز فرینڈ ہے اس کے ساتھ کچھ غلط ہو رہا ہو تو میں رہ نہیں پاتا......اور اس کا دفاع کرتا ہوں۔"

"رونا آتا ہے؟"

☆"پتھر دل آدمی ہوں۔ بہت مشکل سے رونا آتا ہے اور کبھی رونا بھی آتا ہے تو اکیلے میں روتا ہوں...... مجھے لوگ کہتے ہیں کہ تم پتھر دل انسان ہو تو میں کہتا ہوں کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں۔"

"کھانے پینے میں کیا پسند ہے۔ گھر کا پسند ہے یا باہر کا؟"

☆"میں کھانے پینے کا بہت شوقین ہوں۔ گھر کا بھی بہت شوق سے کھاتا ہوں اور باہر جا کر کھانے کا تو اپنا ہی مزا ہے۔ ریسٹورنٹ میں جا کر کھانا...... کوئی نئی جگہ پتا چلتی ہے تو وہاں بھی جا کر ضرور ٹرائی کرتا ہوں کہ کھانا کیسا ہے......اور گھومنے پھرنے کا شوق ہے۔ اپنے ہم عصر کے ساتھ گھومنا پھرنا اچھا لگتا ہے۔ اپنے سینئرز کے ساتھ بات کرنا ان سے کچھ سیکھنا بہت اچھا لگتا ہے اور غصہ آئے تو لڑنے کا بھی بہت شوق ہے۔"

"کچھ پکانے کا بھی شوق ہے؟"

☆"لوگ کہتے ہیں کہ تم بہت "پکاتے" ہو...... تو کھانا پکانے کا شوق نہیں ہے بس دوسرا والا "پکانے" کا شوق ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے سہیل خان سے اجازت چاہی کہ انہوں نے اپنی مصروفیات سے ٹائم دیا۔

☆☆

مقابل ہے آئینہ

سعدیہ وکیل سعدی

ادارہ

س ''اصلی نام کیا ہے؟ گھر والے پیار سے کیا کہتے ہیں؟''

ج ''اصلی نام سعدیہ ہی ہے۔ گھر والے بھی سعدیہ ہی کہتے ہیں البتہ میرے پیارے ابو جان کو جب زیادہ لاڈ آتا ہے مجھ پر تو ''سادو'' کہتے ہیں امی جان بھی پیار میں یہ ہی کہتی ہیں۔ دوستیں ''سعدی'' کہتی ہیں۔''

س ''آئینہ آپ سے کیا کہتا ہے؟''

ج ''یہی کہ اللہ تعالیٰ نے پرفیکٹ بنایا ہے۔ الحمدللہ۔''

س ''حسین صورتیں دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟''

ج ''کہ ان کو بنانے والا کیسا ہوگا۔''

س ''اگر آپ کے پرس کی تلاشی لی جائے تو؟''

ج ''تو لے لیں بھئی میں نے کون سا آف شور کمپنیوں کے ریکارڈ رکھے ہیں۔ ہاہاہا موبائل، وائلٹ، ڈائری، پین، ایک دولپ اسٹک مل جائے گی۔''

س ''بھوتوں سے ڈرتی ہیں؟''

ج ''یقیناً بھئی۔ کبھی واسطہ تو نہیں پڑا۔ پر نام سے ہی ڈر لگتا ہے۔''

س ''مہمان کیسے اچھے لگتے ہیں؟''

ج ''سب ہی اچھے لگتے ہیں۔ دل کرتا ہے اپنی حیثیت سے بڑھ کر میزبانی کروں۔''

س ''کھانے میں کیا پسند ہے؟''

ج ''بریانی، ٹھنڈے گوشت امی کے ہاتھ کی کڑھی، ساگ، بھنڈی کلیجی۔''

س ''اگر آپ کو ایک دن کی حکومت مل جائے تو کیا کریں گی؟''

ج ''اسلامی قوانین نافذ کروں گی۔ لڑکیوں سے زیادتی کے مجرموں کو سزائیں دوں گی۔ بے روزگاروں کو نوکریاں دوں گی۔''

س ''پسندیدہ شاعر؟''

ج ''کوئی ایک نہیں ہے جس کی دل کو بھائے پسند آجاتی ہے۔''

س ''مزاجاً لڑاکا ہیں؟''

ج ''بالکل بھی نہیں۔ بہت فرینڈلی ہوں۔ غلط بات پر غصہ آجاتا ہے کبھی کبھی۔''

س ''کس مزاج کے لوگ پسند ہیں؟''

ج ''اپنے جیسے جلدی گھلنے ملنے والے۔ ہنسی مذاق والے۔''

س ''اگر لوڈشیڈنگ نہ ہوتی تو؟''

ج ''مذاق تو نہ کریں جی۔''

س ''اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا بہترین وقت؟''

ج ''تہجد کا جب ہر طرف خاموشی ہو سکون ہو۔ آپ یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔''

س ''آپ کفایت شعار ہیں یا فضول خرچ؟''

ج ''کفایت شعار ہوں۔''

س ''کیا نام شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے؟''

ج ''بالکل بھی نہیں۔ لیکن اچھے نام رکھنے چاہئیں۔''

س ''آپ کسی سنسان راستے سے گزر رہی ہوں اور کتا پیچھے لگ جائے تو؟''

ج ''بھئی سچی بات ہے کتا چار ٹانگوں والا ہو یا

دو والا۔ پیچھے لگے گا تو ڈر تو لگتا ہی ہے نا۔"
س "کن لوگوں کی احسان مند ہیں؟"
ج "اللہ تعالیٰ کی...... اور ہر اس انسان کی جس نے مجھے میرے عیب بتائے۔"
س "ڈرامے دیکھتی ہیں؟"
ج "کون سے ؟؟؟ ٹی وی والے ؟؟ نا بھئی آس پاس اتنے ڈرامے ہیں کہ ٹی وی والے دیکھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔"
س "حقیقی خوشی کب ہوتی ہے؟"
ج "کسی بھوکے کو کھانا کھلا کر۔ لڑے ہوئے کی صلح کروا کر ضرورت مند کی مدد کر کے۔ آپ بھی آزما کر دیکھیں روح تک سرشار ہو جاتی ہے۔"
س "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"
ج "میری فیملی۔ امی، ابو، میری بہنیں، بھائی میرے شوہر۔"
س "وہ کون سے کام ہیں جن کو کرتے ہوئے خیال آتا ہے کہ دنیا کیا کہے گی؟"
ج "شادیوں پر جب سر پر دوپٹا لیتی ہوں تب۔ لوگ عجیب انداز میں دیکھتے ہیں۔ لیکن اب پکی نیت کی ہے کبھی دوپٹا نہیں اتارنا ان شاء اللہ۔"
س "کوئی ایسی بات جو ہمیشہ ذہن میں رہتی ہو؟"
ج "قبر کا اندھیرا، حشر کا دن۔ گناہوں پر شرمندگی۔ کہ دو دن کی دنیا میں ہم کیسے دل لگا کر بیٹھے ہیں جیسے مرنا ہی نہیں ہے۔ ہم کیوں بھول گئے کہ یہ امتحان گاہ ہے۔"
س "کوئی آخری بات؟"
ج "اللہ پر یقین رکھیں۔ مثبت سوچیں۔ رشتوں کو جوڑنے والے بنیں۔ سلام میں پہل کریں۔ نماز کی پابندی۔ بڑوں کی عزت۔ چھوٹوں سے پیار، شوہر کی شکر گزار بنیں۔ صرف اللہ سے مانگیں۔ لوگوں کو معاف کرنا سیکھیں۔ دل کھلا کریں مہمانوں کی عزت کریں۔ دعاؤں میں سب کو یاد رکھیں۔"

☆☆

رخ چوہدری

شبِ غم کی سحر

لندن کے انتہائی سرد موسم میں بڑھیا نائٹ کلب کی عمارت کے نیچے بیٹھی ہر آتے جاتے بندے کے آگے ہیٹ کر کے اپنے بیمار شوہر کی دوا اور کھانے کے لیے پیسے مانگ رہی تھی کہ اچانک ٹمی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ وہاں سے گزرتے ہوئے بڑھیا کی جمع شدہ رقم لے کر بھاگ جاتی ہے۔

''سلیم منزل'' کے اکلوتے چشم و چراغ سلیم الدین جن کی والدہ حمیدہ خاتون ان کی شادی اپنی برادری یعنی نوابی رسم ورواج والی لڑکی سے کرنا چاہتی ہیں اور ان کے شوہر نواب علیم الدین اپنے دیرینہ دوست ملک غیاث کی بہن شگفتہ کو بطور بہو پسند کر آتے ہیں اور اس پسند میں سلیم الدین اور دونوں بہنوں کی پسند شامل ہوتی ہے مگر حمیدہ خاتون مختلف زبان، مختلف ثقافت اور کم تعلیم یافتہ بہو کو دل سے قبول نہیں کرتیں اور دن رات کڑھا کرتیں۔

ظہیر احمد ایک سرکاری افسر ہیں مزاجاً انتہا بدمزاج، اکھڑ، بات بات پر بیوی کی بے عزتی اور اس پر ہاتھ اٹھانا اپنی شان سمجھتے ہیں۔ ظہیر احمد اور رقیہ کے دو بیٹے، دو بیٹیاں ہیں اسما، ثمینہ، شکیل اور جمیل۔ ظہیر احمد کے بڑے بھائی کبیر احمد سخت ضرور تھے مگر بیوی پر ہاتھ اٹھانے کو مرد کی بزدلی اور کمزوری سمجھتے ہیں۔ ان کے دو بیٹے عابد اور ساجد جو اسما اور ثمینہ کے منگیتر ہیں اور تین بیٹیاں جن میں دو شکیل اور جمیل کی منگیتر ہیں اور ایک کسی کزن بھانجے کے ساتھ بیاہی جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے:۔

چوتھی قسط



یہ لمحات بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں، جن لمحات کی انسان تمنا کرتا ہے، دعائیں مانگتا ہے۔ جب وہ لمحات انسان کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ تھرتھرا رہا ہوتا ہے' جیسے ابھی ثمینہ لرز رہی تھی۔ اچھی خاصی خنکی تھی مگر وہ سرتاپا پسینے میں شرابور تھی۔ سانس تھا کہ سانس کی نالی میں کہیں پھنس کر رہ گیا تھا۔ عجیب گھٹن ہو رہی تھی۔ کیوں ہو رہا تھا' ایسا اس کو تو وہ سب کچھ مل گیا تھا جو اس نے سوچا جو چاہا، جس کو چاہا۔ وہ اس کے جیون ساتھی کے روپ میں اس کے سامنے تھے۔ اس کی زندگی کے دروازے پر ساجد کے نام کی نیم پلیٹ لگی تھی پھر یہ سب کیوں ہو رہا تھا۔ کتنا سوچا اس شخص کو' جانے کتنا چاہا تھا، کتنے خواب دیکھے تھے۔ اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کے آج اس کے سارے خواب تعبیر بنے ساجد کے روپ میں سامنے تھے اور وہ خوش ہونے کے بجائے، زمین میں گڑی جا رہی تھی۔

دولہا دلہن کی پیاری باتوں اور مستقبل کے سنہرے خواب کی سرگوشیوں کے بجائے، انجانے خدشات کا گمبھیر خوف ناک بھیانک سناٹے کا راج تھا۔ شب عروسی کی اس خوب صورت رات کو کسی انجانے خوف نے اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا، پسینے میں شرابور ثمینہ کو گویا بجلی کے جھٹکے لگ رہے تھے۔

ساجد غم اور غصے کی حالت میں گٹھڑی بنی ثمینہ کو گھور رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی اس نئی نویلی دلہن کو شوٹ کر دے اور پھر وہ قدم جو محبتوں کا پیامبر بن کر دلہن کا گھونگھٹ اٹھانے کے لیے بڑھنے چاہیے تھے۔ وہ اٹھے، آگے بڑھے، ہاتھ میں رونمائی کی رنگ کے بجائے مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ ثمینہ کا دل اس کے کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ اس نے خاموش قدموں کی چاپ سنی اور سمٹ گئی۔

قدموں کی چاپ قریب ہوتی گئی اور پھر جیسے دھماکا ہوا' اس کا گھونگھٹ شوخی سے ناز سے اٹھانے کے بجائے بے دردی سے بے رخی سے نوچا گیا۔ گھونگھٹ ہٹا گیا جیسے خاردار جھاڑی پر سے گھسیٹ کر اتارا گیا ہو۔ ثمینہ ایک نظر اپنے اس خواب، اس خواہش، اس تمنا کو دیکھ کر رہ گئی جو غیض و غضب میں کسی جلاد کا روپ دھارے کھڑا تھا۔ اچھی خاصی شکل کو نفرت اور غصے نے بھیانک بنا دیا تھا۔ ثمینہ نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے خوابوں کا شہزادہ تو ایسا نہیں تھا، اس کا آئیڈیل اس کا محبوب تو بہت خوب صورت تھا' اس کے سامنے یہ کون شخص اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''شادی مبارک ہو، مسز ثمینہ ساجد! شادی بہت بہت مبارک ہو۔ اب ناچو گاؤ، جشن مناؤ کہ تم نے محبت کی سلطنت فتح کرلی ہے۔'' شب عروسی کا سکوت ٹوٹا تو کچھ اس طرح کہ دلہن کے سب ہی خواب چکنا چور ہو کر اس کی آنکھوں میں لہو بن کر اتر آئے۔ وہ ایک حملے سے نہ سنبھلی تھی کہ دوسرا وار ہوا۔

''بہت ارمان تھا ناں تمہارے باپ کو تمہاری شادی کرنے کا۔ ہاں...... ہوگئی شادی...... مرگیا میرا باپ، تمہاری اور تمہارے باپ کی وجہ سے چھن گئی میری محبت۔ تمہاری وجہ سے اور...... اور...... مجھے کیا ملا۔ ایک قبول صورت انٹر پاس، دائمی مریضہ۔ اب مجھ پر لازم ہے کہ ساری زندگی میں اس کا علاج کرواتا رہوں، تو یہ ہے میری زندگی کا مقصد۔ ہاں یہ ہی سوچا تھا ناں تمہارے باپ نے۔'' اب ساجد کے دونوں ہاتھوں میں ثمینہ کا خوب صورت چہرہ تھا جسے اس نے قبول صورت کہہ کر حقارت کا تیر اس کے دل میں اتارا تھا۔

''لیکن میری بات غور سے سنو، اس گھر میں بھلے تمہاری جگہ بن گئی ہو مگر...... مگر ایک بات اپنے دماغ میں فٹ کرلو کہ میری زندگی، میرے دل میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔ میری طرف سے آج یہاں سے دفع ہو جاؤ میرے گھر سے......'' اس کے بالوں کو مٹھیوں میں بھینچ کر جھٹکے سے چھوڑا تھا۔ ثمینہ جو اب تک برداشت کر رہی تھی، رکتے پھنستے سانسوں کے درمیان، التجائیہ انداز میں، اٹک اٹک کر بولی۔

''پا...... پا...... پا...... نی...... پا...... پانی......''

ثمینہ دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا تھامے التجا کر رہی تھی۔ سنگ دل ساجد نے سائڈ ٹیبل پر رکھے پانی کے جگ کو دیکھا اور نخوت سے ثمینہ کو گھورا۔

''میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں تمہیں پانی پلاؤں۔ ہونہہ...... !تمہارے باپ نے مجھے بطور میل نرس تمہارے پلّو سے تو باندھ دیا ہے مگر وہ نہیں جانتے کتنا برا کیا ہے میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ بھی۔'' ترکش کے سارے تیر آزما کر وہ ستم گر تو باہر نکل کر ٹیرس پر ٹہلنے لگا۔ وہ اٹکتی رکتی پھنسی سانسوں کو سنبھالتی، گرتی پڑتی، پانی تک پہنچ گئی۔ اپنا بیگ الٹ کر دیکھ لیا مگر ان ہیلر نہیں ملا، وہ اسی اذیت کے سمندر میں غوطہ زن رہی۔



''مسٹر راہی! آپ کو کچھ تو آئیڈیا ہوگا، کون آپ کا دشمن ہے۔ کون آپ کے جنرل اسٹور میں چوری کر سکتا ہے؟'' پولیس آفیسر معاملے کی تفتیش کر رہا تھا، اس بات پر راہی کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

''آئیڈیا نہیں، یقین ہے۔ آفیسر یقین ہے، چور کوئی اور نہیں میری بیٹی ہے۔''

چور کی نشان دہی کرتے ہوئے راہی نے دانستہ طور پر دھیمی آواز نکالی تھی یا شفقت پدری آڑے آ گئی تھی۔ جو بھی تھا آفیسر کی سماعتوں تک بات نہ پہنچ پائی البتہ ساتھ والی کرسی پر بیٹھی روبیکا نے نہ صرف شوہر کو گھورا بلکہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہلکا سا دبایا۔

''راہی! تم...... تم پاگل ہو گئے ہو، اپنی ہی اکلوتی بیٹی کو چور ثابت کر کے اسے جیل بھیجنا چاہتے ہو۔'' دبی دبی سرگوشی نے آفیسر کو مشکوک نظروں سے دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

''مسٹر راہی! آئی ایم ویٹنگ یور آنسر۔''

راہی تو جانے کیا جواب دیتے، روبیکا اتنی دیر میں سوچ چکی تھی اس کو کیا جواب دینا ہے۔

''نو نو...... سر ہمارا کوئی دشمن نہیں اور نہ ہی ہمیں کسی پر شک ہے۔ اس لیے ہم اپنی کمپلین واپس لیتے ہیں، چلو راہی!''

روبیکا پولیس اسٹیشن سے فرار چاہ رہی تھی۔ نجانے کیوں اسے بھی اسی پر شک تھا، جس پر راہی کو تھا اور وہ اپنے شک کو اپنے دل کی حدود سے نکلنے دینا چاہتی تھی، وہ کھڑی ہو گئی اور راہی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا مگر راہی جمے رہے۔

''مجھے شک ہے......'' راہی کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ آفیسر سمیت سب متوجہ ہو گئے۔ روبیکا کا حلق خشک ہو گیا۔

''راہی پلیز......'' روبیکا نے ملتجی نظروں سے شوہر کو دیکھا۔ درخواستی انداز میں ہاتھ دبا کر چپ رہنے کی درخواست کی کیونکہ اسے یقین تھا کہ راہی ٹمی کے خلاف رپورٹ لکھوا دے گا۔ چاہے بعد میں خود ہی چھڑوانا پڑے، راہی نے سختی سے روبیکا کو دیکھا، ہاتھ چھڑوا کر آفیسر کی طرف مڑا۔

''اسٹریٹ رائیڈرز!'' راہی کے چہرے پر تناؤ تھا، مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ روبیکا نے شدت ضبط سے آنکھیں بھینچ لیں۔ دراصل اسٹریٹ رائیڈرز علاقے کے نوجوان لڑکے لڑکیوں کا شیطانی گروپ تھا، جو دوسروں کو تکلیف اور نقصان پہنچا کر ''چل'' کرنے کو اپنا حق سمجھتے تھے اور ٹمی اسی گروپ کی سرگرم ممبر تھی۔ بدتمیز لوگوں کے اس ٹولے سے لوگ پریشان تھے۔ راہی نے کتنا روکا، ٹوکا تھا اسے اس گروپ میں شریک نہ ہونے کے لیے مگر ٹمی اور روبیکا کے سامنے راہی کی دال کہاں گلتی تھی۔ راہی نے دانت پیس کر کہا تو آفیسر حیرت سے اسے دیکھ کر ہنس پڑا۔

''اسٹریٹ رائیڈرز۔'' آفیسر دوسرے پولیس والوں کو دیکھ کر ہنسا تو وہ بھی ہنس دیے۔

''میرا خیال ہے مسٹر راہی! آپ کی مسز ٹھیک کہتی ہیں، آپ کو اپنی شکایت واپس لے لینا چاہیے۔''

ایک تو آفیسر کی ہنسی راہی کو زہر لگ رہی تھی دوسرا اس نے شکایت واپس لینے کا مشورہ دے کر پاد دیا تھا۔
''آفیسر! آپ ایک پولیس آفیسر ہیں، میں شکایت لے کر آیا ہوں آپ کی ڈیوٹی ہے کہ میری شکایت دور کریں۔ کجا آپ شکایت واپس لینے کا مشورہ دے رہے ہیں۔'' راہی بھی کوئی معمولی آدمی نہیں تھے، مال دار آدمی تھے۔ علاقے میں نام تھا، رکھ رکھاؤ تھا، اسی لیے آفیسر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ روبیکا کو دیکھا، آنکھوں آنکھوں میں بات ہوئی۔ معاملات طے ہوئے اور شکایت درج ہو گئی۔
''او کے مسٹر راہی! آپ کی شکایت درج ہو گئی ہے، اب کارروائی شروع کرتے ہیں۔''



دوسری طرف جینی کی گرینڈ مام نے ان کو پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔
''گیٹ لاسٹ آل آف یو۔'' اسی سالہ بڑھیا کی کمزور آواز میں اتنی سختی تھی کہ بدتمیزی کی حد تک شوخ اور بدتمیز بے باک لوگوں کا یہ گروپ لمحے بھر کو گنگ رہ گیا۔ سب کی تیز نظریں جینی کو گھور رہی تھیں اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگی تھی۔
''وہ بات یہ ہے کہ گرینی کی طبیعت خراب ہے۔''
''ہم سب ویسے ہی خراب ہیں۔ واٹ یو سے۔'' مائیکل نے جونی کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ ساتھ ہی دونوں کے بے باک قہقہوں سے گرینی کا چھوٹا سا اپارٹمنٹ گونج اٹھا تو گرینی کا ہاتھ اٹھا اور ان کو دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ ٹمی شدید غصے میں آ گئی اور گرینی کو دھکا دے کر صوفے پر گرا دیا۔
''اسٹاپ گرینی! مجبوراً پناہ لی تھی یہاں آ کر ورنہ ہمیں بھی تمہارے اس کبوتر خانے میں آنے کا کوئی شوق نہیں، کم آن گائز۔'' ٹمی اپنے دوستوں کے ساتھ دروازے سے باہر نکلی تو گرینی نے غصے سے ان پر تھوک دیا۔
''اسٹوپڈ گرل!'' گرینی ہانپتی کانپتی اٹھیں اور پھیلی ہوئی چیزیں سمیٹنے لگیں۔ اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے ٹمی مسلسل جینی کو کھری کھری سنا رہی تھی۔ وہ کچھ شرمندہ ضرور تھی مگر پھر بھی ڈھٹائی سے چیونگم چباتی آگے آگے چل رہی تھی۔



روبیکا اور راہی پولیس اسٹیشن سے واپس آ چکے تھے۔ راہی کا موڈ سخت آف تھا۔ وہ آتش دان کے قریب بیٹھے لپکتے شعلوں کو دیکھ رہے تھے، چہرے پر جلال تھا۔ روبیکا سب جانتی تھی، سمجھتی تھی کہ وہ اب اتنے غصے میں کیوں ہے، اسی لیے تو وہ نا چاہنے کے باوجود اتنی ٹھنڈ میں اٹھ کر کافی بنا کر لائی تھی۔
''راہی! کافی پی لو۔ دیکھو تمہارے لیے اتنے سر درد کے باوجود بنا کر لائی ہوں۔''
راہی نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور کافی کا مگ سلگتے شعلوں پر اچھال دیا اور خود اٹھ کر صوفہ کم بیڈ پر لیٹ گئے اور کمبل تان لیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس حرکت پر راہی کی جان عذاب میں ڈال دیتی مگر اس وقت غلطی بھی اسی کی تھی کیونکہ اس نے پولیس آفیسر کو بند لفافہ تھما کر معاملہ دبا دیا تھا۔ معلوم جو تھا کہ چور خود بیٹی ہے، اسی بات پر راہی غصے میں تھے اور روبیکا اس کے نخرے اٹھا رہی تھی۔
''پتا نہیں اس باپ بیٹی کی جنگ کا نتیجہ کیا ہو گا، باپ جیتے یا بیٹی...... ہار تو میری ہی ہے۔''
ایک گہری سرد آہ فضا کی سرد ہوا کا حصہ بن گئی، اس نے اب آتش دان میں مزید لکڑیاں ڈال دی تھیں کہ اسی وقت ڈور بیل چیخ اٹھی۔



''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا شہلا بیگم!''

یونیورسٹی میں بنی کی راہ داری پر چلتے ہوئے، زبیر نے تیسری بار اپنی بات دہرائی تو لفافے سے سموسہ نکال کر کھاتے ہوئے شہلا نے قدرے خفگی سے زبیر کو دیکھا اور دائیں طرف مڑتے ہوئے ایک گھنے درخت کی طرف بڑھی۔ بیٹھ کر اطمینان سے بولی تو زبیر اس کے قریب ہی ایک پتھر پر ٹک گیا۔

''تم نے جتنی بار کہا ہے ناں زبیر! میں نے اتنی بار سنا ہے مگر تمہیں ہر بات کی اتنی جلدی کیوں ہوتی ہے کہ بات کا فوراً جواب، رشتے کا فوری اقرار...... ارے بھئی، میں اتنی جلدی شادی کے موڈ میں ہوں نہ ہی تیار ہوں۔'' لفافے سے ایک سموسہ خود نکال کر دوسرا زبیر کی طرف بڑھاتے ہوئے، گویا زبیر پر بم پھینکا۔

''یہ...... یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں شہلا خاتون! یعنی کہ ہم ہیں مشتاق اور آپ بے زار۔ ہم اپنی دادی جان، اپنی والدہ اور اپنی ہمشیرہ کو باقاعدہ آپ کے ہاں رشتہ لے کر بھیجنا چاہتے ہیں اور آپ......'' زبیر کو دلی صدمہ پہنچا تھا۔ شہلا کے انداز، الفاظ سے، اس بات پر شہلا نے سموسہ منہ میں ڈال کر اپنے دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے زبیر کو دیکھا اس کے چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔ ہونی بھی چاہیے تھی، وہ نوابی خاندان کے چشم و چراغ تھے، اپنے سب بھائیوں میں خوبرو تھے، پڑھ رہے تھے تو گھر کی خواتین اب کی شادی کرنا چاہتی تھیں مگر......زبیر کو شاک لگا تھا کہ شہلا کچھ خاص سنجیدہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

''ارے زبیر! اب ہر بات پر اتنا سنجیدہ مت ہو جایا کرو بھئی، جیسے نہ جانے کیا بات ہو گئی ہو۔ معمولی معمولی باتوں پر پریشان ہونا چھوڑ دو زبیر!''

''یہ...... یہ معمولی بات ہے شہلا بیگم! جس بات کو آپ معمولی کہہ رہی ہیں یہ ہمارے ہاں زندگی کی سب سے اہم اور ضروری بات ہوا کرتی ہے۔ اول تو ہمارے ہاں رشتہ بچپن میں ہی طے کر دیے جاتے ہیں لیکن چونکہ ہماری والدہ کا تعلق پنجاب سے ہے تو ہمارے ہاں کافی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ مگر ہماری دادی جان اور ہماری ہمشیرہ بشریٰ اپنی خاندانی روایات اور رکھ رکھاؤ کی گرتی ہوئی دیوار کو ابھی بھی سہارا دیے کھڑی ہیں اور...... اور ہماری تو خوش بختی ہے کہ ہمیں آپ کے لیے گھر میں علم بغاوت بلند نہیں کرنا پڑے گا۔ سب تیار ہو جائیں۔

بولتے بولتے زبیر کے چہرے کا رنگ تو بدلہ ہی تھا۔ لہجے میں بھی اندر چھپا نواب جھانکنے لگا۔ شہلا چونکہ دولت مند رئیس باپ کی بیٹی تھی' اسے نوابی جاہ و جلال سے نہ تو لینا دینا تھا بلکہ سچی بات تو یہ تھی کہ اسے اگر زبیر کی کوئی بات ناپسند تھی تو اس کا نواب ہونا ناپسند تھا۔ اس بات کا برملا اظہار وہ اکثر کیا کرتی کیونکہ وہ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی تھی۔ اوپر سے دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی، دولت کی ریل پیل تھی، نہ کوئی پابندی نہ کوئی روک ٹوک اپنی مرضی اور پسند کی مالک شہلا کو پابندی سے نفرت تھی۔ اب اسے قسمت ہی کہیے کہ اس کو مرد بھی وہ پسند آیا جو رسم و رواج، روایات کی جیل کا باسی تھا اور باسی بھی ایسا جس کو اپنی یہ جیل پسند بھی بہت تھی مگر اس کم بخت دل نے مروا دیا تھا۔ شہلا بیگم کو وہ اپنی محبت کا جھومر لگا۔ اب وہ دائیں بائیں دیکھ رہے تھے۔ شہلا نے زبیر کو دیکھا۔

زبیر وہ پہلا مرد تھا جو اس کے دل کے دروازے پر دستک دیے بغیر اندر براجمان ہو گیا تھا۔ وہ اسے کھونا بھی نہیں چاہتی تھی' پانے کی صورت میں اسے وہ سب خرافات یا دوسرے الفاظ میں پابندیاں یا زبیر کی نظر میں ہماری بہترین روایات کو اپنانا پسند نہیں تھا۔

''زبیر! میرا خیال ہے، ہم دونوں بہت غلط ٹکرائے ہیں ایک دوسرے سے......'' شہلا نے بھی اب سنجیدہ ہو کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''میں...... میں سمجھا نہیں شہلا خاتون۔''

''یہ...... یہ ہی وہ بات ہے زبیر کہ...... کہ......'' شہلا غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ خود پسند، تنک مزاج تو وہ بلا کی تھی۔ زبیر شریف آدمی اس کی اٹھتی جھکتی پلکوں کی جنبش پر گھبرا جایا کرتا۔

''شہلا خاتون! پلیز کھل کر بتایئے آپ کو کیا پسند اور ناپسند ہے۔'' وہ بے بسی سے اس کے پیچھے ہولیا تو چند قدم چل کر وہ مڑی، زبیر کو دیکھا۔

''دیکھو زبیر! میں آزاد ماحول کی آزاد پنچھی ہوں۔ مجھے یہ آپ جناب، بیگم، خاتون...... جوائنٹ فیملی سسٹم خاص کر، گھر کے بزرگوں کا بچوں کے ہر معاملے میں بولنا۔ اپنے فیصلے نہ صرف صادر کرنا پھران کو منوانے کے لیے اپنی چلانا مجھے شدید ناپسند ہے۔''

مناسب لب و لہجے میں شہلا نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کردیا تو زبیر کے اختیار میں ایک دل حزیں تھا جس سے ایک ٹھنڈی آہ برآمد ہوکر فضا کا حصہ بن گئی۔ وہ ایک دم شہلا سے آگے نکل گیا۔

''ان سب باتوں کا تو صاف صاف مطلب یہ ہوا شہلا خاتون! میرا مطلب ہے شہلا بیگم کہ...... کہ آپ نہ تو ہمیں چاہتی ہیں نہ ہی شادی کرنے میں سنجیدہ ہیں۔ اگر...... اگر ایسا ہی ہے تو...... تو آپ کو فیصلے کا اختیار ہے، منع کردیجیے۔ ہم نے آپ سے شدید محبت کی ہے، آپ کو کھونے کا تصور موت ہے ہمارے لیے لیکن آپ کی خاطر ہم آپ سے دست بردار ہوتے ہیں، اللہ حافظ۔''



''میں کہہ دتا اے سلیم جی مینوں اپنے پولے پالے غفولئی، او چنٹ چنڈال گلشن جہاں پسند نہیں آئی۔'' اب یہ بیٹے کی ماں ہونے کا اعتماد تھا، ممتا کا استحقاق تھا کہ عمر کی پختگی کا اظہار کہ شگفتہ خاتون نے کھل کر گلشن جہاں کو اپنی ناپسندیدگی کا نشانہ بناڈالا تھا۔ ان کو اس روپ میں دیکھ کر سلیم میاں مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

''ارے واہ، کل کی بھیگی بلی آج غرارہی ہے۔''

''ہن، اس گل دا کی مطلب ہویا؟''

شگفتہ آنکھوں میں کاجل کی سلائی لگا کر پلٹ کر میاں کو دیکھنے لگیں۔

''بھئی بیگم! مطلب کوئی ڈھکا چھپا نہیں، اب آپ خالصتاً ساس والا کردار ادا کریں تو الگ بات ہے ورنہ گلشن جہاں ٹھیک ٹھاک خوب صورت ہیں اور یوں بھی ان سب باتوں سے کیا حاصل، اب تو آپ کے نہ چاہنے کے باوجود گلشن جہاں آپ کی بہو بن چکی ہیں اور آپ کے ''پولے پالے'' غفو میاں سوجان سے گلشن جہاں پر نثار ہیں اور ایمان داری کی بات ہے۔ بیگم کو چاہنے میں غفیر میاں اپنے والد یعنی ہم پر گئے ہیں۔'' سلیم میاں نے شرارت سے بیگم کو دیکھا جو منہ پھلائے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''اے تے سیاپا اے، جو وی ہے سلیم جی! وہ دیا سلائی جیسی گلشن جہاں مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔''

''تو آپ اس آنکھ سے مت دیکھا کیجیے ناں جس کو وہ نہیں بھاتیں۔ آپ دوسری آنکھ سے دیکھ لیا کیجیے۔''

سلیم نے اپنی محبوب بیگم کو دیکھا جن پر غصہ ہمیشہ ہی سوٹ کیا اس ڈھلتی عمر میں بھی وہ اتنی ہی حسین تھیں جس حسن کے وہ دیوانے تھے۔ مگر شگفتہ بیگم جن کو اپنی ساس صاحبہ کی جو باتیں برا لگا کرتی تھیں اب وہ خود بھی وہی باتیں کرتیں تو سلیم میاں ان کو چھیڑا کرتے۔

''رہنے دو سلیم جی! آپ تو بالکل اباجی بن گئے ہو۔''

''آپ بھی تو اماں جان بن گئی ہیں یعنی کہ حد ہے اماں جان ساس تھیں تو آپ پر اعتراضات کے حملے کیا کرتی تھیں اور اب آپ اپنی بہوؤں پر۔ ویسے برا مت منایئے ہم آپ خواتین کو سمجھ نہیں پائے۔''

''تو نہ آئیں سمجھ میں، آپ ایویں ناں اپنے چند بالوں کو سوچ سوچ کے اڑا دیں۔ میرا غفیر چن دا ٹوٹا، یہ جوان گھبرو لسا چوڑا تے او ماچس دی تیلی۔ آپ نے کبھی اس کو گل کرتے ہوئے دیکھا ہے، سلیم جی اک اک لفظ کو اپنے دانتوں کی گرائنڈر مشین میں ڈال کر اتنا پیستی ہے کہ وچار الفظ بلبلا اٹھتا ہے۔''

شگفتہ بیگم اس وقت صرف ایک روایتی ساس بنی نجانے اور کیا...... کیا ارشاد کرتیں کہ سلیم میاں کا قہقہہ گویا ان کی گفتگو کا فل اسٹاپ ثابت ہوا۔ وہ ایک دم چپ ہو کر میاں کو گھورنے لگیں۔

''ہن کی ہویا اے؟ میں کوئی لطیفہ سنایا اے۔''

''نہیں شگفتہ خاتون! ہمیں تو ہنسی صرف اس بات پر آرہی ہے کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عورت ہی عورت کی دشمن ہوتی ہے۔ بخدا شادی سے پہلے تک تو ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں آئی مگر جب سے آپ کے اور اماں جان کے باہمی تعلقات کو سمجھنا شروع کیا ہے تو ہمارا نظریہ بدل گیا ہے کہ عورت ہی عورت کی دشمن ہوتی ہے بلکہ ہمارا خیال ہے کہ عورت عورت کی بہترین دوست ہے، وہ جس بھی رشتے میں بندھی ہو۔ دوسری عورت کا بھلا ہی کر رہی ہوتی ہے۔''

اب سلیم میاں کا اتنا گہرا فلسفہ شگفتہ خاتون کے اوپر سے گزر گیا تو وہ اپنے پاؤں دبانے لگیں۔

''آپ کو کتنی بار کہا ہے، سلیم جی مشکل باتیں نہ کیا کریں۔ پر آپ پر بھی اماں ہوراں کا اثر آ گیا ہے۔ اب بھلا اس بات کا مطلب کیا ہوا کہ عورت کی عورت دوست ہوتی ہے۔ اب ایک ظالم سس (ساس) اپنی حسین نوہ (بہو) کو ہر وقت کوئلوں پر رکھ کر اس کے تکے بناتی ہے تو وہ اس کی دوست کیسے ہوئی۔''

''ارے ہماری حسین اور عقل سے پیدل بیگم وہ ہمارا مطلب ہے کہ ہمارے دین میں غیبت ممنوع ہے۔...... ہے کہ نہیں۔''

''آہو! ہے فیر۔''

''تو فیر مطلب یہ کہ ہر عورت، ہر عورت کی، ہر وقت غیبت کر کے اس کے گناہ جھاڑتی رہتی ہے تو کیسے عورت عورت کی دوست ہوئی ناں۔ ساس بہو کی' نند بھابھی کی، بھابھی نند کی' ساس کی مطلب ہر عورت، ہر دوسری عورت کی غیبت کر کے اسے گناہوں سے بچاتی رہتی ہے تو......'' سلیم میاں نے معصوم اور حسین بیگم کو چھیڑتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا۔ بات دیر سے سمجھ میں آئی مگر آ گئی۔ شگفتہ نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''ہائے، میں مر گئی۔ مطلب میں نے تو اماں ہوراں کے اور گلشن جہاں کی گناہ جھاڑ دیے ہیں۔ ہن میرا کی ہوئے گا۔'' وہ فکرمندی سے سر جھکا کر بیٹھ گئیں۔

''ایک منٹ سلیم جی! ایک منٹ۔ اگر میں نے ان کے گناہ جھاڑے ہیں تو وہ بھی تو میرے گناہ جھاڑتی ہی ہیں ناں' تے چلو جی گل مکی' حساب برابر۔'' اس سوچ کے آتے ہی کچھ دیر قبل چہرے پر چھا جانے والے پریشانی کے بادل چھٹ گئے۔

''اُف یہ عورت بھی ناں۔'' سلیم میاں نے گہرا سانس لیا، ان کی یہ کوشش کہ اگر وہ اپنی بھولی بیگم کو گناہ و ثواب کے راستے پر ڈالیں گے تو ممکن ہے کہ وہ غیبت سے باز آ جائیں۔ مگر برا ہو اس شیطان کا اس نے جھٹ شگفتہ کو یہ بات سمجھا دی کہ غیبت کا جواب غیبت، حساب برابر۔



''گلشن خاتون! آپ نے والدہ سے میکے جانے کی اجازت لے لی ناں۔'' باتھ روم سے آ کر غفیر میاں نے شوخ رنگ کی ساڑھی میں انتہائی تیز میک اپ میں' شادی کے تمام گہنوں میں تقریباً دلہن بنی گلشن جہاں کو دیکھا جن کی کسی کزن کے بچے کا عقیقہ تھا۔ گلشن جہاں اپنی دادی ساس یعنی حمیدہ خاتون کی لاڈلی بہو تھیں اور اپنے حسن اور ناز و انداز کے، تیر آزما کر شوہر کے دل پر راج کرنے کا فن وہ اپنی والدہ سے سیکھ کر آئی تھیں۔

''دیکھیے غفیر صاحب! ہم نے والدہ سے اجازت لے لی ہے مگر آپ کی والدہ سے نہیں۔ اپنے سسر صاحب کی والدہ مطلب دادی جان سے تو پھر کسی اور سے اجازت لینا ہمیں ضروری نہیں لگا۔ چھوڑیے ان کو

ہماری طرف دیکھیے ناں، ہم کیسے لگ رہے ہیں۔'' گلشن جہاں نے ساڑھی کا پلو لہرایا اور اک ادا سے میاں کے سامنے کھڑی ہو گئیں' وہ تو بے چارے پہلے ہی فدا ہو چکے تھے۔

''بخدا آپ...... آپ بہت حسین ہیں۔ اسی لیے تو ہم نے دل ہارا تھا مگر...... وہ ہم یہ کہہ رہے تھے کہ اگر آپ ہماری والدہ سے اجازت مطلب ان کو بتا دیں تو مناسب رہتا۔''

''اف غفیر صاحب! آپ بھی ناں۔ چلیے آپ کی خاطر ان سے بھی اجازت لے لیتی ہوں، ویسے ہمیں آپ کی اماں کی زبان سمجھ میں نہیں آتی۔''

''یہ بھی اچھا ہے، ورنہ آپ کو اپنے بارے میں خیالات سن کر...... وہ ہمارا مطلب ہے۔ چلیے ہمیں تقریب میں جلدی جانا چاہیے ناں۔'' غفیر صاحب گلشن جہاں کے بارے میں والدہ کے خیالات بہت اچھی طرح جانتے تھے، اسی لیے بات گول کر گئے۔

''جی جی' چلیے وہ جو ہماری چچی ہیں ناں۔ ہماری ساس کی طرح بہت تنگ مزاج ہیں۔ ہر ایک آنے جانے والے پر نظر رکھتی ہیں، لیے دیے پر تو گہری نگاہ رکھتی ہیں۔ مطلب ہماری ساس صاحب کی طرح ہیں۔ ہم ذرا دیر سے پہنچے تو خاندان بھر میں مشہور ہو جائے گا کہ ہمارا سسرال برا ہے۔ ہمارے میاں! توبہ توبہ ہمارے منہ میں خاک جو ہم اپنے میاں کے لیے ایک برا لفظ جو کہیں، چلیے۔''

گلشن جہاں نے اپنا میچنگ کا ہینڈ بیگ بازو میں ڈالا اور لاؤنج میں پہنچیں تو دادی ساس نہال ہو گئیں۔ واری صدقے چلی گئیں، ایک گلشن جہاں اور بشریٰ خاتون ہی تو ان کی ہم مزاج، ہم زبان، روایات کی امین بہو اور بیٹی تھیں۔ سب ہی لاؤنج میں اماں جان کے تخت کے گرد جمع تھے۔

''یہ کدھر جا رہی ہے؟'' شگفتہ بیگم نے باقاعدہ ساسوں ماں کی روایات نباہتے ہوئے گلشن جہاں کو گھورا حالانکہ اچھی لگ رہی تھیں وہ۔

''اماں جان! ہر چند کہ ہم نے گھر کی بزرگ اور بڑی والدہ سے اجازت لے لی ہے، پھر بھی آپ کو بتا رہے ہیں کہ ہم عقیقے کی دعوت پر جا رہے ہیں، چلیں جائیں ہم؟''

''ہاں، پتر جی جاؤ۔ مگر میں کہہ رہی تھی کہ تھوڑا تیار شیار......'' فوراً حمیدہ بیگم بول پڑیں اور شگفتہ بیگم کو بات نہ کرنے دی۔

''آئے، ماشاء اللہ، دلہن! آپ چندے آفتاب و ماہتاب لگ رہی ہیں، جائیں اور اپنی پرنانی سے ہماری معذرت کر لیجیے گا کہ بوجہ طبیعت خراب ہم شرکت نہ کر سکے۔ چلیے جایے، ورنہ جتنی دیر لگائیں گی ہماری بہو بیگم کو اپنی بہو میں کیڑے نظر آتے رہیں گے۔'' یہ جملہ سنتے ہی غفیر نے بیگم کو اشارہ کیا اور نکل گئے۔

''حسد کے کیڑوں کی افزائش نسل کس طرح رک سکتی ہے۔'' علیم الدین نے اخبار کی اوٹ سے بیگم کو گھورا جو اپنی بہو کو گھور رہی تھیں۔



''کیوں؟ کیوں آخر شہلا کے لیے خاندان میں لڑکوں کا کال پڑ گیا تھا کہ آپ باہر کے لڑکے کا رشتہ لے کر آ گئیں۔''

''مکرم صاحب! زبیر اچھا لڑکا ہے، نواب خاندان سے ہے اور سب سے بڑھ کر شہلا اس کو پسند کرتی ہے۔'' ہر چند کہ شہلا کی والدہ آسیہ بیگم بھی اکلوتی بیٹی کا رشتہ خاندان سے باہر کرنے پر تیار نہیں تھیں مگر وہ اپنی اکلوتی نک چڑھی، منہ زور، ہر بات منوا کر دم لینے والی بیٹی کو بھی جانتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے بیٹی کی حمایت کا علم اٹھا لیا تھا۔

''ہونہہ! نواب خاندان ارے بہت دیکھے نام کے نواب، کون جانے کون کہاں کا نواب ہے۔ ہے بھی کہ نہیں اور فرض کر لیجیے کہ ہے بھی تو ہماری صحت پر اثر نہیں پڑتا۔ ہم اپنے خاندان میں میرے بھائیوں کے بچے ڈاکٹر انجینئر، بہنوں کے لڑکے فوجی افسران اور ہم ان سب کو چھوڑ کر ایک غیر لڑکے کو اٹھا کر اپنا داماد بنالیں..... نو، وے۔''

مکرم صاحب نے سختی سے انکار کر دیا

''وہ تو سب ٹھیک ہے مکرم! دیکھیں ناں ہمارے دین نے لڑکی لڑکے کو اجازت دی ہے پسند کا ساتھی منتخب کرنے کی تو.....!'' شوہر سے سو فیصد متفق ہوتے ہوئے بھی آسیہ بیگم نے بیٹی کے جذبات کی جنگ لڑنے کی کوشش کی۔

مکرم صاحب نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا اور غصے میں ان کو گھورتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔
مکرم صاحب کا غصہ اور تیکھی نظر دیکھ کر آسیہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔ ابھی وہ سوچوں میں گم تھیں کہ شہلا کمرے میں داخل ہوئی اس نے مکرم صاحب کی ساری باتیں سن لی تھیں اور غصہ سے کمرے سے باہر جاتے ہوئے بھی دیکھا۔

''کیوں..... کیوں ممی! کیوں ڈیڈ کو اختلاف کیوں ہے؟ زبیر سے ملیں تو سہی، وہ بہت اچھا انسان ہے ممی!''

''آئی نو بیٹا! مگر تمہارے ڈیڈ کہتے ہیں جب تمہارے اپنے کزنز اتنے ہائی فائی ہیں تو تم کیوں ایک انجان گھرانے میں جانا چاہتی ہو۔ تم ہماری اکلوتی بیٹی ہو، تمہارے چچا، پھوپھیاں، خالہ، ماموں سب تمہارے لیے کئی بار کہہ چکے ہیں۔ سب لڑکے اتنے ہینڈسم اور.....''

''جانتی ہوں ممی! سب جانتی ہوں مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آئی لو زبیر اور میں اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' شہلا نے گویا اپنا حتمی فیصلہ سنا ڈالا۔ آسیہ بیگم بیٹی کو دیکھ کر رہ گئیں، وہ کبھی اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹے گی، بات منوا کر ہی دم لے گی، یہ تو وہ جانتی تھیں۔ ضد پوری کرنے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔

''تم نے بتایا تھا کہ وہ بہت بڑی فیملی ہے، ڈھیر سارے لوگ ہیں اور جوائنٹ فیملی سسٹم ہے۔ حکومت ابھی تک دادی کی ہے، وہاں بہو کی کوئی حیثیت نہیں۔'' آسیہ نے ایک اور کمزور سی دینے کی کوشش کی۔ شہلا نے ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے ایک نظر ماں کو دیکھ، گہرا سانس لے کر آئینے میں خود کو دیکھنے لگی۔

''بالکل ایسا ہی ہے۔'' اس نے گہرا سانس فضا میں چھوڑ کر گویا اعتراف کر لیا۔

''تو..... تو بیٹا تم جو زیادہ مہمانوں سے گھبرا جاتی ہو، اپنی مرضی اور پسند سے جینا چاہتی ہو۔ وہاں کی پابندیاں، روایات برداشت کر لو گی؟'' آسیہ بیگم کا خیال تھا ان حقائق کی خوف ناک تصویر دکھا کر وہ بیٹی کو راستہ بدلنے پر تیار کر لیں گی۔ بیٹی بھی رک گئی، ہاتھ میں پکڑا ہیئر برش میز پر رکھا، ماں کی طرف پلٹی۔

''یہ..... یہ ہی وہ پوائنٹ ہے ممی کہ جہاں میں اور زبیر رک گئے ہیں، نہ وہ میری بات مان رہا ہے نہ میں اس کے ساتھ کمپرومائز کر رہی ہوں۔''

''تو..... تو بیٹا پھر کیا ہوگا، اب تمہارا ماسٹرز مکمل ہو گیا ہے۔ تمہیں کوئی فیصلہ کرنا ہوگا ورنہ تمہارے ڈیڈ اپنے کزن کے ڈاکٹر بیٹے عماد کے لیے بات کر لیں گے، عماد مجھے بھی بہت پسند ہے۔''

''لیکن..... مجھے وہ بالکل پسند نہیں۔'' اس نے چڑ کر کہا۔

''اچھا تو بڑی پھوپھو کا کیپٹن نعمان۔''

''اوہ پلیز ممی! میرا موڈ آف نہ کریں۔''

''اتنا تو پسند کرتا ہے وہ تمہیں، کئی بار وہ مجھ سے کہہ چکا ہے۔''

"اور آپ ہر بار سن لیتی ہیں، یہ کیوں نہیں کہتیں۔ میرے دل میں کسی کے لیے کوئی فیلنگز نہیں ہیں۔ دیکھیں مما! میں ایک بات آپ کو صاف صاف بتادوں، شادی کروں گی تو صرف زبیر سے ورنہ کسی سے بھی نہیں اور پلیز ہر روز نئی نئی کہانیاں سنا کر مجھے ڈسٹرب نہ کیا کریں۔"

"تو زبیر کے گھر والوں کی پابندیاں، تہذیب وثقافت، روایات برداشت کرلوگی؟"

اس کاری ضرب پر شہلا نے ماں کو دیکھا۔

"ممی! یہ ساری باتیں زبیر کے سوچنے کی ہیں۔ میں نہ تو ان کے جوائنٹ فیملی سسٹم کا حصہ بنوں گی نہ ان کی روایات اپناؤں گی۔ اپنے انداز میں، اپنے لائف اسٹائل میں رہوں گی اور...... اور جس دن زبیر نے اس ایگریمنٹ پر سائن کردیے اسی دن شادی کا فیصلہ ہوجائے گا۔"



"زبیر میاں! آخر آپ چاہتے کیا ہیں، دادا جان، دادی جان اور ہمارے والدین اب آپ کی شادی کے فرض سے سبک دوش ہونا چاہتے ہیں اور آپ کا سکون واطمینان لائق تحسین ہے۔"

زبیر گھر میں سب سے چھوٹے تھے اور لاڈلے بھی تھے۔ سب کی محبت کا مرکز بھی تھے اور اپنے طور پر سب ہی ان سے شادی کے موضوع پر بات کرچکے تھے مگر وہ ہر بار دم دبا کر نکل جاتے۔ وہ شہلا کی پہلی نظر کی محبت میں گرفتار ہوچکے ہیں اور دل کے سارے تار جوڑ چکے ہیں اور شہلا کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کرسکتے۔ یہ وہ تمام راز تھا جو بصد احترام وہ کسی سے کہہ نہیں پائے تھے۔ اب جبکہ گھر والوں کا شادی کا تقاضا بڑھنے لگا تھا تو انہوں نے دل کا پول کھولنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"وہ...... وہ کلیم بھیا ہم نے وسیم بھیا کو بتایا تو ہے کہ...... وسیم بھیا آپ بتایئے لحاظ ہمارے آڑے آرہا ہے۔" زبیر بڑے بھائیوں کے سامنے جھک گئے۔

"ہاں، وہ بات یہ ہے کلیم بھیا کہ ہمارے زبیر میاں نے یونیورسٹی میں ایک خاتون کو دل دے دیا ہے اور چاہتے ہیں اسی خاتون سے اپنا گھر آباد کریں۔ لہٰذا ان کی درخواست پر مخلصانہ غور کیا جائے۔"

وسیم بھیا نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سر جھکائے زبیر کو دیکھتے ہوئے قدرے شوخی سے کہا تو کلیم میاں نے خوش ہوکر زبیر کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ احتراماً کھڑے ہوگئے۔

"ہیں...... زبیر واقعی، یہ دل کا معاملہ ہے؟"

"یہ...... وہ...... وہ بس ایسے ہی ہمیں پسند آگئیں۔"

"ارے میاں، اس میں اتنا پس وپیش کرنے کی کیا ضرورت ہے اگر آپ اس خاتون کو جان چکے، پہچان چکے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ اچھی خوش گوار زندگی گزار سکتے ہیں تو ہم آج ہی اعلا سطح کے اجلاس میں آپ کا یہ بل پیش کرتے۔ بحث ومباحثے کے بعد امید کامل ہے، بل پاس ہوجائے گا۔" کلیم میاں کو چونکہ سیاست کا شوق تھا اس لیے ان کی گفتگو میں سیاسی رنگ نمایاں ہوتا اور زبیر کو تسلی دے دی تو وہ بجائے خوش ہونے کے اور رنجیدہ نظر آنے لگے۔

"بہت بہت شکریہ بھائی جان! مگر ایک مسئلہ ہے؟"

"ارے میاں جب لڑکا لڑکی راضی تو پھر اماں جان کی زبان میں کی کرے گا قاضی، چٹ منگنی تے پٹ ویاہ کرکاکا۔"

کلیم میاں کی بیگم بھی چونکہ شگفتہ کے خاندان سے تھیں اس لیے کلیم میاں بھی زیادہ تر پنجابی بولتے پائے جاتے۔ دادی جان ٹوکتی رہ جاتیں، سر تھام کر ایک ہی جملہ دہرایا کرتیں۔

''ہائے! ہمارا خاندان تو تیتر بٹیر بن گیا۔'' اور دو چار آنسو بہا کر دکھ بھرا گہرا سانس لیتیں اور ابا شرارتاً ان ہی کا دوپٹا گھسیٹنے لگتے کہ ''بیگم کی سانس کا درجہ حرارت اتنا گہرا ہوا تھا کہ کپکپی شروع ہوگئی۔''

''کی گل اے کاکا! کیا سوچ رہے ہیں۔''

''زبیر میاں! آپ کے جو مسائل ہیں، بھائی جان سے کہہ ڈالیے۔''

وسیم بھیا نے ہمت بندھائی تو زبیر نے ایک نظر دونوں بھائیوں کو دیکھا۔ دونوں بھائی ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار کھڑے تھے اور وہ سوچ رہے تھے کہ کیسے وہ شہلا کے خیالات سے آگاہ کریں بھائیوں کو کہ وہ جس لڑکی کو چاہتے ہیں، شادی کرنا چاہتے ہیں اس کو نہ ان کے گھر والے پسند ہیں نہ ان کے رسم و رواج، نہ روایات اور سب سے بڑھ کر ان کو جوائنٹ فیملی سسٹم ناپسند ہے اور رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر یہ سب وہ بھائیوں سے کیسے کہہ دیں جو ان کی شادی کا بل پاس کروانے پر تلے ہیں۔

''زبیر میاں! کن خیالوں میں ہیں، بتایئے ناں۔ ہم کب لڑکی کے ہاں رشتہ لے کر جائیں آپ کا۔ بہت دن ہوگئے گھر میں کوئی خوش گوار ہنگامہ نہیں ہوا۔ دادا جان اور ابا جان بارہا کہہ چکے ہیں کہ اب آپ کی شادی ہوجانی چاہیے۔''

''حلیم بھیا! بالکل درست کہہ رہے ہیں زبیر میاں! آپ ان خاتون سے پوچھ کر بتایئے، ہم واقعی اب یہ کام کرنا چاہتے ہیں۔''

دونوں بھائی تو ہاتھ دھو کر شادی کے پیچھے پڑ گئے تھے، اب کریں تو کیا کریں۔ کوئی ایسا دوست بھی نہیں تھا کہ جس کے ذریعے سے وہ اپنا نقطہ نظر یا شہلا کے خیالات پہنچا سکتے اور شہلا نے حتمی طور پر ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ اگر اس کے مطالبات نہ مانے گئے تو وہ ہرگز ان سے شادی نہیں کریں گی اور یہ مطالبات ان کو خود منظور نہیں تھے تو گھر والوں کے سامنے کیوں اور کیسے رکھتے۔ اس لیے انہوں نے ایک گہرا سانس فضا میں چھوڑا اور گردن جھکا کر کھڑے ہوگئے۔

''بھائی جان! ابھی ہم شادی نہیں کرنا چاہتے۔''

''ہائیں، ہم نے تو سنا ہے آپ شہلا بیگم سے محبت کرتے ہیں اور ہمارے خاندان کے مرد محبت کی عزت کرتے ہیں۔ وقت گزاری نہیں سمجھتے۔''

''جی بھائی جان! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر شہلا بیگم کے خاندان میں کچھ مسائل ہیں۔'' زبیر میاں کو دو بڑے بھائیوں کے درمیان راہ فرار نہیں مل رہی تھی۔

''ارے بھئی، کیا مسائل ہیں ہمیں تو صرف لڑکی سے غرض ہے اگر ان کے معاشی مسائل ہیں تو ہمیں لڑکی کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے، وہ پریشان نہ ہوں۔'' زبیر نے دونوں بھائیوں کو دیکھا۔

''نن...... نہیں بھیا! معاشی حالات تو ہم سے بھی اچھے ہیں۔ بس کچھ باتیں ہیں ایسی کہ ہم آپ سے شیئر نہیں کرسکتے۔''

''لیجیے اور سنیے، ایسی کون سی باتیں ہیں کہ آپ اپنے بھائیوں سے شیئر نہیں کرسکتے۔''

''بس بھیا سمجھ لیجیے کہ ہم ابھی شادی نہیں کرنا چاہتے۔''

اور پھر زبیر دونوں بھائیوں کو الجھا کر باہر نکل گئے تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔



کمرے میں کچھ دیر قبل ساجد کی نفرت کی شدید قسم کی آندھی چل رہی تھی۔ اب وہ بھی واش روم میں تھا، کمرے کے سناٹے میں ثمینہ کی اکھڑی سانس کی اذیت گونج رہی تھی۔ سہاگ رات کی دلہن جاں کنی کی سی

کیفیت میں استھما کی وجہ سے دبتی ہو رہی تھی، خاموش فضا میں اس کی اذیت ناک سانسوں کی سرسراہٹ تھی۔
"امی......امی......آ......آ......آپا۔" بچپن سے اب تک اس کی زندگی میں یہ دو مخلص رشتے ہی تھے جو اس کے اپنے تھے۔ جو اُن کی اکھڑی سانسوں میں اپنی سانسیں بھی پیش کر دیا کرتی تھیں اور اس وقت وہ ایک ہاتھ سینے پر رکھے جس میں شوہر کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، ہاتھ رکھے ان ہیلر ڈھونڈ رہی تھی۔ ورنہ بائیس سالہ زندگی میں ان کی یہ بیماری بھی پل کر جوان ہوئی تھی اور ماں بہن نے اس کے ساتھ ساتھ اس بیماری کے بھی نخرے اٹھائے۔ وقت پر ان ہیلر مل جاتا اور کچھ ہی دیر میں پھنسی سانس رواں ہو جاتی۔ سینے کی ٹیسیں تھم جاتیں تو وہ ماں اور بہن کے ہاتھ چوم لیتی۔ مگر آج اس وقت وہ مہربان ہاتھ قربان ہونے والی ماں بہن نہیں جانتی تھیں کہ ان کی لاڈلی بیٹی بہن اذیت کے پل صراط سے گزر رہی تھی۔
"یا اللہ مدد۔" ایک بے بسی سی سانس دعا بن کر کپکپاتے ہونٹوں سے نکلی، اس نے گرتے پڑتے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا جو کہ قدرے دور میز پر رکھا تھا، کھولا، ان ہیلر ڈھونڈا، مگر جانے کہاں تھا۔
"ثمینہ میری جان! میری شہزادی! تمہارا ان ہیلر یہاں رکھ رہی ہوں، اللہ نہ کرے کہ ضرورت پڑے، پھر بھی یہاں سے نکال لینا۔"
ماں کی ممتا کی بازگشت کانوں میں گونج رہی تھی مگر ضرورت وقت چیز ہی غائب ہو جاتی ہے یا ہماری ضرورت، ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہے کہ سامنے پڑی چیز نظر نہیں آتی۔ ثمینہ کی تکلیف بڑھتی جارہی تھی، سانس رکتا جارہا تھا۔
"کہا......کہا......کہاں گا......گا......گیا......یا اللہ!"
اس نے اذیت میں بیگ الٹ ڈالا، مگر ان ہیلر لڑھک کر بیڈ کے نیچے چلا گیا، وہ پاگلوں کی طرح قالین پر لیٹ گئی، ان ہیلر بیڈ کی دوسری طرف دیوار کے ساتھ جا لگا تھا۔ وہ گہرے گہرے اذیت ناک سانس لیتی، منہ کے بل قالین پر ڈھیر ہو گئی۔ اسی وقت ساجد واش روم سے باہر آیا، ثمینہ کو قالین پر اوندھے منہ پڑا دیکھ کر نفرت سے اس کے پاؤں کو ٹھوکر مار کر آگے بڑھنے لگا تو ثمینہ نے بے بسی سے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔
"سا......سا......ساجد مم......مم......مر جاؤں......گی۔"
"تو شوق سے مرو میری جان! چھوڑو......تمہاری وجہ سے میں برباد ہو گیا ہوں۔ میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ یا مرو، پاؤں چھوڑو میرا۔" ساجد نے ایک جھٹکے سے اس کی کمزور گرفت سے اپنا پاؤں آزاد کیا اور اپنی الماری کی طرف بڑھا، اپنا سلیپنگ سوٹ نکالا پھر ناگواری اور نفرت سے کھینچ کھینچ کر بٹن کھولے، دو ٹوٹ کر قالین پر عین ثمینہ کے منہ کے قریب گرے۔
"سا......ساجد......اللہ......اللہ کے واسطے......مم......مم......مجھے ان ہیلر نکال دیں......مم......میرا......میرا دم گھٹ......رہا......ہے پلیز......ساجد وہ......وہ گر کر بیڈ کے نیچے چلا......چلا گیا ہے......پلیز نکال دیں......میرا......میرا سانس نہیں آ......آ......رہا......" ثمینہ کی اکھڑی سانس میں کی گئی التجا بھی ساجد کے پتھر دل پر اثر نہ کر سکی۔
"بدقسمتی سے تمہارا شوہر ہوں۔ غلام نہیں کہ اب ان ہیلر بھی پیش کروں میڈم کی خدمت میں۔ ہونہہ......تباہ کر دی ہے میری زندگی تم نے، تمہارے باپ نے۔ اب بتاؤں گا کہ تباہی ہوتی کیا چیز ہے۔"
اور پھر ساجد سفاکی کے ریکارڈ قائم کرتا باہر نکل گیا اور وہ بے چینی سے کھینچ کھینچ کر سانس لیتی غالباً بے ہوش ہو چکی تھی۔



دوسری طرف رقیہ بیگم بھی ثمینہ کا سوچ سوچ کر آب بن مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ کیا کریں، کس سے اپنی گھبراہٹ کا اظہار کریں۔ بیٹیاں جو دوست ہوتی ہیں دونوں سسرال جا بیٹھی تھیں۔ اسماء کی ان کو فکر نہیں تھی، وہ جانتی تھیں کہ اسماء کی برداشت بڑی زرخیز ہے۔ ہر دکھ، پریشانی سرد وگرم، تلخ وشیریں رویے جذب کر لیتی تھی۔ تھی تو ثمینہ بھی ایسی مگر وہ بچی تھی، بیماری نے اسے بہت کمزور کر دیا تھا اور اسی کی فکر ماں کو تھی۔ اسماء کو فون کر نہیں سکتی تھیں مجبوراً صدیقہ کا نمبر ملایا۔

''اٹھا لیجیے بھابھی جان! خدا کے لیے فون اٹھائیے۔ کہاں مصروف ہیں یہ بھابھی جان! میری طرح نہ اوقات حیثیت اور......اف......''

موبائل کان سے لگائے رقیہ بے چینی سے ٹہل رہی تھیں' دوسری طرف بیل جا جا کر کٹ گئی، وہ سر تھام کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ اسی وقت ظہیر صاحب تشریف لائے، کڑی نظر رقیہ کے آر پار ہوگئی۔

''کس کو فون کیا جا رہا ہے؟'' واسکٹ اتار کر ان کی طرف اچھالی گئی، انہوں نے جلدی سے پکڑی اور الماری میں سے ہینگر نکال کر لٹکائی۔

''کس سے بات ہو رہی تھی، جواب دینا پسند کریں گی آپ۔''

اف وہی طنز میں بجھا تیر ضبط کے آر پار ہو گیا۔

''جی کچھ نہیں یوں ہی بھابھی جان کو فون کر رہی تھی، وہ ثمینہ کے بارے میں پوچھنا تھا۔ اس......اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔''

یہ جملہ تھا کہ ماچس کی تیلی جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ظہیر صاحب بھڑک اٹھے اور ان کی زبان کے شعلے صدیقہ کو جھلسانے لگے۔

''بس شروع ہو گئیں آپ، کان کھول کر سن لو صدیقہ بیگم! اپنی منہ زور ممتا پر اب بند باندھ لو۔ لڑکیاں بیاہ کر اپنے گھر جا چکی ہیں، اب وہ جیتی ہیں، مرتی ہیں کس حال میں ہیں، ہمارا اب کوئی لینا دینا نہیں۔ وہ بیمار ہیں، صحت مند ہیں، اب یہ اس کے شوہر کی ذمہ داری ہے۔''

''ہونہہ......شوہر تو سفاکی میں آپ کا بھی باپ ہے۔''

کتنا جی چاہا یہ جملہ کس کر بدزبان شوہر کے منہ پر مارا جائے مگر وہ اب اس عمر میں بدزبان شوہر کی زبان سے کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھیں۔ خاموشی کے مورچے میں چپ چاپ بیٹھی اگلے جملے کا انتظار کرنے لگیں۔

''ہمارے گھر کی تمام خواتین نا اہل، بدسلیقہ اور ناعاقبت اندیش ہیں اگر ذرا سی بھی عقل ہوتی، تمیز کا فیصلہ کیا ہوتا تو آج......آج......'' ظہیر کی آواز بھیگ گئی، صدیقہ نے دیکھا وہ انگلی سے آنسو صاف کر رہے تھے۔

''آج بھائی جان ہمارے ساتھ ہوتے۔''

''ظالم، جابر انسان! سارا قصور تمہارا ہے، اگر شادی لیٹ ہو جاتی، ان کی بات مان لی جاتی تو......'' صدیقہ کی سوچیں بھی بے بس تھیں۔ وہ چپ چاپ اٹھیں اور گلاس میں پانی ڈال کر شوہر کو پیش کر دیا حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ سر پر انڈیل دیتی تا کہ کچھ عقل آتی۔

''پانی لیجیے، اللہ تعالیٰ بھائی صاحب کے درجات بلند فرمائے شاید یہ سب ایسا ہی ہونا تھا، قسمت میں یہ ہی لکھا ہوگا۔''

''واہ واہ......قسمت میں لکھا ہوگا، یہ جو آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں ناں اپنی کمزوریوں کو تسلیم کرنے کے بجائے ایسا ہی کہتے ہیں۔ تشریف لے جایئے اور چائے بنا دیجیے۔''

''جی، ابھی لائی۔'' وہ بھی فرار ہی چاہتی تھیں، فوراً اٹھیں۔

”اور اب آپ بار بار اپنی دائمی مریضہ بیٹی کو فون کر کے مزاج پرسی نہیں کریں گی۔ ارے شکر کیجیے میرے بھتیجے نے اس کو قبول کر لیا ہے ورنہ ماں کی گود ہی میں پڑی رہتی۔“

”یا اللہ! یہ باپ ہے۔ کیا ثمینہ صرف میری بیٹی ہے، نجانے میری اس بدنصیب بیٹی کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔“ دکھ کے کانٹوں پر چلتی وہ باہر نکل گئیں۔

”ہیلو! جی بھابھی جان! میں...... میں نے کال کی تھی۔ کیسے ہیں آپ سب لوگ اور...... اور میری ثمینہ کیسی ہے۔ دیکھیے بھابھی جان! ثمینہ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، آپ تو جانتی ہیں ناں۔“ کچن میں داخل ہی ہوئی تھیں کہ صدیقہ کی کال بیک آ گئی۔

”الحمدللہ! سب ٹھیک ہیں رقیہ! سب کچھ ہے، سب ٹھیک ہے مگر کبیر صاحب کی کمی بے حد محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے سب کچھ ویران اور ادھورا لگ رہا ہے ان کے بغیر۔“ آنسوؤں کا گولا حلق میں اٹک گیا، صدیقہ بیگم نے جواَب تک اپنے جذبات پر ضبط کا بند باندھا ہوا تھا، ٹوٹ گیا۔ ایک ہمدرد کی آواز سن کر جبکہ ہمدرد کو اپنے درد کی دوا چاہیے تھی۔

”میں سمجھ سکتی ہوں بھابھی جان! آپ اس وقت درد کے کس تاریک غار سے گزر رہی ہیں۔ شادیاں تو ہونی تھیں کاش...... کاش یہ سب ایسے نہ ہوتا۔ اس وقت ہم خوشی سے پاگل ہو رہے ہوتے کہ ہماری بیٹیوں کے گھر بھی آباد ہو گئے اور بیٹوں کے بھی...... اللہ تعالیٰ ان کے گھر آباد رکھے۔ بس مجھے ثمینہ کی فکر ہے بھابھی جان! وہ...... وہ ٹھیک نہیں اور کچھ ساجد کو پسند بھی نہیں، نہ جانے یہ سب کیسے ہوگا۔ یہ شادی رہے گی کہ نہیں۔“

اب رقیہ کے ضبط کے بند ٹوٹے تو وہ بہہ گئیں، جو خدشات رقیہ کو تھے، صدیقہ بیگم چونکہ ساجد کی ماں تھیں سب جانتی تھیں تاہم ڈوبتے کو کنارے تک لانے کے لیے تنکا پیش کرنا بھی اخلاقی فرض تھا۔

”اللہ نہ کرے رقیہ! ان شاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ہاں میں مانتی ہوں کہ ساجد اپنے چچا جان پر گیا ہے، سخت گیر ہے اور...... اور خیر تم فکر نہ کرو، میں ہوں سنبھال لوں گی ثمینہ کو اور......“ ابھی صدیقہ کی بات ادھوری تھی کہ ساجد دندناتا باہر آیا، ایک نظر ماں پر ڈالی وہ چپ ہو گئیں۔

”دیکھ لیجیے اپنی دائمی مریضہ بہو بیگم کو، مر گئی ہے یا باقی ہے۔“

پل بھر کو یہ سن کر صدیقہ بیگم سکتے میں آ گئیں، ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب رقیہ کو کس جھوٹی آس کا پلو تھمائیں۔ ساجد کی دی گئی اطلاع سرد لہر بن کر ان کے رگ و پے میں اتر گئی۔

”اچھا رقیہ! میں...... میں پھر بات کرتی ہوں۔ تم...... تم پریشان نہ ہونا، اچھا اللہ حافظ۔“ جلدی سے فون بند کر کے وہ ساجد کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

”یہ...... یہ ابھی تم نے کیا کہا ہے، ساجد بیٹا!“

”مجھے کچھ کہنے کا حق دیا گیا ہوتا تو اس وقت میں اپنے ارمانوں کا جنازہ کندھے پر ڈالے آپ کو اپنی دلہن کی فوتگی کی اطلاع نہ دے رہا ہوتا۔ برباد کر دی آپ نے مل کر میری زندگی۔“

وہ تو اور بھی جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا، صدیقہ سناٹے میں آ گئیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پہلے ثمینہ کو دیکھیں، اس کی دکھی ماں کو اطلاع دیں یا عابد اور اسماء کو بلائیں۔ نجانے کیسے گرتے پڑتے وہ ساجد کے کمرے میں گئیں تو پل بھر کو انہیں ساجد کی اطلاع سچ محسوس ہوئی۔ ثمینہ بے حس و حرکت، اوندھے منہ قالین پر پڑی تھی۔

”ثم...... ثم...... ثمینہ بیٹی...... ثمینہ بیٹی......“ انہوں نے تڑپ کر اسے سیدھا کیا۔ وہ بے ہوش تھی، اکھڑے اکھڑے سانس بڑی مشکل سے لے پا رہی تھی۔

”عابد بیٹا......“ وہ پوری قوت سے چلائیں۔

☆❁☆

''تو یہ ہے میری سہاگ رات۔ میری دلہن ایمرجنسی میں ہے اور میں...... میں اپنے اجڑے ویران دل کے کھنڈر میں بھٹکی روح کی طرح گھوم رہا ہوں۔ تف ہے...... تف ہے یار! ایسی زندگی پر لعنت ہے۔''

اسپتال کے لان میں وہ اپنے دوست عتیق کے ساتھ بیٹھا الجھ رہا تھا۔

''کچھ بھی ہے ساجد! اس وقت تمہیں سب کے سامنے موجود ہونا چاہیے۔ بھابھی کے گھر والے کیا سوچ رہے ہوں گے۔'' ہر عقل مند یہ ہی بات کرتا، مگر ساجد نے گھور کر اسے دیکھا۔

''بھاڑ میں جائے بھابھی اور بھابھی کے گھر والے، مجھے اس کے مرنے جینے سے کوئی مطلب نہیں۔ میں خوش نہیں، میرا دل خوش نہیں پھر کوئی ہنسے یا روئے، مائی فٹ۔''

ساجد نے اپنے ختم ہوتے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ جلایا تو عتیق نے روک دیا۔

''بس کر دو ساجد! تم تو چین اسموکر بن گئے ہو۔''

''کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

اندر ایمرجنسی میں کیا ہو رہا ہے، ثمینہ کی حالت کیسی ہے۔ ساجد کو کوئی فکر تھی نہ فرق پڑتا تھا اور جن کو پڑتا تھا وہ سجدے میں گرے تھے۔

''پروردگار میری بچی معصوم ہے، مظلوم ہے۔ بچپن سے اب تک اس نے اس بیماری کو جھیلا ہے اور...... اور اب یہ بیماری اس کا گناہ بن گئی ہے۔ یا اللہ! میری بچی کو خوشیوں بھری زندگی دے دے۔

رقیہ بیگم ہر بات سے بے نیاز ایک کونے میں سجدے میں گری بیٹی کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ گھر بھر کے لوگ جمع تھے، کچھ کے چہروں پر بے زاری تھی، کچھ دل ہی دل میں دعا کر رہے تھے۔

''اس ثمینہ نے ہم سب کی سہاگ رات برباد کر دی ہے۔''

یہ عابد تھا، جو اپنی خفگی کا اظہار کر رہا تھا تو ایک پھانس سی اسماء کے دل میں اتر گئی یعنی کہ سفاکی کی حد یہ تھی کہ اس کی بہن موت زندگی سے گزر رہی تھی اور اس کو سہاگ رات کی بربادی کا رونا تھا۔

''یا اللہ! میری بہن کو زندگی عطا فرما دے پروردگار!''

بے شمار خاموش آنسو اس دعا میں شامل ہو گئے، اسی وقت ڈاکٹر باہر آیا۔ سب لپکے۔ سب کے دل پل بھر کو دھڑکنا بھول گئے، نظر ڈاکٹر کے چہرے پر جم گئی۔

''ڈاکٹر! ثمینہ ٹھیک ہے ناں؟'' شکیل اور جمیل بے تابی سے آگے بڑھے۔

''الحمد للہ، اب خطرے سے باہر ہیں، ورنہ استھما کا بڑا خطرناک اٹیک ہوا تھا ان کو۔ ابھی تو اندر آبزرویشن رکھا جائے گا، جیسے ہی نارمل ہوں گی ڈسچارج کر دیا جائے گا۔''

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' عابد کی اوٹ میں چھپی اسماء کی ہر دھڑکن اللہ کے حضور شکرانے میں گر گئی۔ رقیہ بیگم سے گلے لگی کتنی دیر دونوں ماں بیٹی روتی رہیں، صدیقہ نے رقیہ کو ساتھ لگا لیا۔

''مبارک ہو بیٹی کی نئی زندگی۔''

مگر کوئی نہیں جانتا تھا یہ نئی زندگی ثمینہ کے لیے پُر خار راستہ بننے جا رہی ہے۔

☆❁☆

روبیکا نے اٹھ کر کھڑکی کا پردہ سرکایا جہاں سے بیرونی گیٹ صاف نظر آ رہا تھا۔ گیٹ پر حسب توقع ٹمی ہی تھی، اپنے بدتمیز گروپ کے ساتھ۔

''اسٹوپڈ لڑکی! نجانے کب یہ باپ کی سائیکی سمجھے گی۔''

روبیکا نے پلٹ کر راہی کو دیکھا جو سر تک کمبل لپیٹے سو رہے تھے یا سوتا بن رہے تھے۔ وہ آہستگی سے اٹھی اور نیچے آ گئی۔ گزرتی رات نے ٹھنڈ میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اتنے گرم کپڑے پہننے کے باوجود روبیکا کانپ رہی تھی۔

''واٹس دا پرابلم مام! آپ جلدی نہیں آ سکتیں، اتنی ٹھنڈ ہے۔''

''شٹ اپ۔ یہ کوئی ٹائم ہے گھر آنے کا۔'' روبیکا نے اسے گھورا۔ اسٹریٹ لائٹ میں اس نے اس کے دوستوں کو دیکھا، جو ٹھنڈ میں ایک دوسرے سے جڑے کھڑے روبیکا کے مزید حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

''مام! اتنی بڑی ہو گئی ہیں، ابھی تک آپ کو ٹائم دیکھنا نہیں آیا۔ گائز! ٹائم بتاؤ میری مام کو تاکہ ہم اندر جا سکیں۔'' ٹمی نے ماں کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے بدتمیز دوستوں کو دیکھا۔

''شپ اپ ٹمی! خاموشی سے اندر آؤ اور بیک ڈور سے اپنے روم میں جا کر سو جاؤ اور کوئی شور نہ ہونے پائے۔ تمہارے ڈیڈ ابھی سوئے ہیں، اوکے گائز! بائے۔''

روبیکا نے باقاعدہ ٹمی کا ہاتھ پکڑ کر اندر گھسیٹا اور گیٹ بند کیا تاکہ باقی اندر نہ آئیں مگر ٹمی نے پلٹ کر گیٹ کھول دیا۔

''کم گائز!'' ٹمی کی اجازت ملنی تھی کہ جینی، جارج ٹمی سمیت گروپ کا نیا سکھ دوست بھی اندر آ گئے۔ روبیکا نے سر پیٹ لیا، ٹمی بھی ہر وہ حرکت کرتی تھی جو ماں باپ خصوصاً باپ کو ناپسند ہوتی تھی۔

''ٹمی ڈارلنگ! تم جانتی ہو، تمہارے دوستوں کو گھر میں اسٹے کرنا پسند نہیں تو...... تو...... پلیز گائز! انڈرسٹینڈ می، ٹمی کے ڈیڈ کو پسند نہیں کہ ٹمی کے بوائے فرینڈ اس کے روم میں اسٹے کریں۔''

''لیکن مجھے پسند ہے کم گائز!'' حسب عادت، حسب توقع ٹمی نے بدتمیزی سے ماں کی بات کو رد کیا۔ سب دھونس والے انداز میں اندر آ گئے، مگر ٹمی کا نیا سکھ دوست ہرت سنگھ نہیں آیا۔

''ہرت! کم آن۔'' ٹمی آگے بڑھی اور ہرت کا ہاتھ پکڑ کر اندر گھسیٹا۔

''او کی سیاپا اے، ٹمی جی! ماں نی دی لڑائی اے تے میں اندر نہیں آنا۔'' ہرت سنگھ کے ساتھ پرابلم ہی یہ تھا کہ وہ ان کے گروپ میں شامل تو ہو گیا تھا اور اس کی پنجابی ٹمی سمیت کسی کے پلے نہیں پڑتی تھی مگر روبیکا کو کچھ کچھ سمجھ آ گئی تھی۔

''ہرت! تم جو کہنا چاہتے ہو انگلش میں کہو، تب ان کو سمجھ آئے گی۔''

اور جب ہرت نے اپنی بات انگلش میں دہرائی تو ٹمی ماں کو گھورنے لگی اور ہرت کا ہاتھ پکڑ کر اندر گھسیٹ لائی اور منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ اسی طرح ہرت کو گھسیٹنے والے انداز میں اندر کی طرف بڑھی، باقی لوگ بھی ٹمی کے پیچھے چل دیے تو روبیکا کی ٹھنڈی آہ بھی سرد فضا کا حصہ بن کر گم ہو گئی۔

''یا اللہ! اب راہی جب ان لوگوں کو ٹمی کے کمرے میں دیکھے گا تو پھر ایک فساد، ہنگامہ، توڑ پھوڑ......'' ہنگامے کے بارے میں سوچتی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تو راہی غصے میں کھڑے اس ہی کا انتظار کر رہے تھے۔

''تو اب تمہاری بیٹی کے بوائے فرینڈز آکر نائٹ بھی اسپنڈ کیا کریں گے، وہ بھی اسی کے روم میں۔ واٹ از دس روبیکا بیگم، میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا اٹھا کر آج وہ میری عزت......''

راہی شدید غصے میں تھے، ان کا بس چلتا تو روبیکا کو پہلی سیڑھی سے دھکا دے دیتے اور وہ لڑھکتی ہوئی گیٹ کے ساتھ ٹکراتی مگر وہ ان سب کا قصوروار خود کو بھی سمجھتے تھے۔ اس لیے غصے کی آخری حد پار کرنے سے پہلے سنبھل جاتے اور ان کا یہ سنبھلنا خود کو کنٹرول کر لینا ہی روبیکا اور ٹمی کو شہ دیے جاتا۔

''کم آن راہی! تم تو ٹمی کی حرکتوں اور باتوں پر خالص دیسی ری ایکشن شو کرتے ہو۔ یہ سب اس ماحول کا

حصہ ہے، ٹمی کی تربیت اسی ماحول نے کی ہے تو یہ سب تو برداشت کرنا پڑے گا۔"
روبیکا نے ہلکے سے دھکے سے راہی کو پیچھے کیا اور آگے بڑھ گئی، وہ اس سلسلے میں زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ راہی کی خاموشی کو مزید آزمانا نہیں چاہتی تھی۔ آگے بڑھ کر راکھ بنتی لکڑیوں پر مزید کوئلے اور چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھیں۔ جھکے جھکے راہی کو دیکھا جس کے چہرے ہی سے ان کے اندر غصے کے جوار بھاٹے کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"تم......اٹھ ہی چکے ہو تو کافی بنا دوں یا چائے پیو گے؟"
"جو کبھی دوز ہر ملانا نہ بھولنا، ہونہہ زندگی تماشا بن کر رہ گئی ہے۔ فیڈ اپ ہو گیا ہوں میں اس گندی زندگی سے اور کان کھول کر سن لو۔ آج کے بعد تمہاری بیٹی اپنے لوفر بوائے فرینڈز کو نائٹ اسپنڈ کرنے کے لیے لائی تو کسی بات کی پروا نہیں کروں گا۔ نہ کسی قانون کی نہ اس کی زندگی کی اور نہ ہی اپنی زندگی کی۔" وہ جوش جذبات، غصے میں چیخ چلا رہے تھے، یہاں تک کہ آواز ٹمی کے روم تک جا رہی تھی۔
"چِل گائز! مائی فادر، اے ٹپیکل فادر، یو نو۔" وہ اپنے نئے بوائے فرینڈ ہرت کے سامنے شرمندہ سی ہو رہی تھی۔

"ڈونٹ وری، ٹمی ڈارلنگ تمہارے پاپا جی دیسی ہیں ناں تو دیسی پاپے انج ای ری ایکٹ کر دے آ، آئی ڈونٹ مائنڈ۔" ہرت سنگھ سمجھ رہا تھا کہ راہی ایک مسلم باپ ہے، دیسی بندہ ہے تو اس قسم کا ری ایکشن تو بنتا ہے۔
"یو آر نیو کمر ہرت! یو نیور نو ہر فادر از سو بیک ورڈ اینڈ کریزی مین۔"
جارج چونکہ ٹمی سے فری ہونے کے نتیجے میں راہی کا جبڑے پر مکا کھا چکا تھا، اس لیے اس دن وہ راہی کے خلاف تھا۔

"شٹ اپ جارج! ہی از مائی فادر۔"
"ڈونٹ بی سیریس ٹمی، لیٹ ہم بارک۔"
"اوہ کم آن ٹمی، ڈونٹ بی اموشنل جسٹ کڈنگ۔"
"او ٹمی جی! ان کو چھوڑو ہم تو دیسی لوگ ہیں کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ تمہاری ممی جی کو دیسی کھانا بنانا آتا ہے، ناں۔" ہرت کو بھوک لگی تھی اور آج اسے اپنی بے بے کی یاد بھی بڑی آ رہی تھی اور وہ کسی دیسی عورت کے ہاتھ کا بنا کھانا کھانا چاہتا تھا۔

"اوہ، وائے ناٹ، وائے ناٹ۔ مائی مام از امیزنگ کک۔ میں ابھی کچن میں دیکھتی ہوں، مام نے کیا بنایا ہے۔" ٹمی باہر نکل گئی، جارج نے ڈیک آن کر دیا، جینی تھرکنے لگی۔ ہرت ٹمی کے بیڈ پر لیٹ کر انگڑائیاں لینے لگا۔ کچن میں آج کچھ بنا ہوتا تو 'ہوتا......
"مام! آج کھانا نہیں بنایا، بھوک لگی ہے۔" اس نے باپ کے خوف سے دبی آواز میں کہا تو روبیکا جو کوریڈور سے گزرتے ہوئے ٹمی کو کچن میں جاتے دیکھ چکی تھی اسی لیے بیڈ روم میں جانے کے بجائے کچن میں آ گئی تو ٹمی غصے سے ماں کی طرف گھومی۔
"یہ کوئی وقت ہے کھانے کا اور تم گھر میں کھاتی کب ہو کہ اب کھانا ڈھونڈا جا رہا ہے۔ کچھ نہیں بنایا میں نے اور کمینے جارج کو کہو میوزک بند کرے اور اگر چاہتی ہو کہ تمہارے ڈیڈ ایکشن نہ لیں دوستوں کے خلاف تو اپنے روم میں ان کو سونے دو اور تم اور جینی لاؤنج میں آ جاؤ، ان لڑکوں کے ساتھ تم نہیں سوؤ گی انڈر اسٹینڈ۔"
"اف وہی دیسی سوچ، دیسی باتیں۔ مام! اب تو آپ اوور ایج ہو گئی ہیں، اس کنٹری میں اس انوائرمنٹ میں بڈھے ہو گئے پھر بھی وہی باتیں، ہونہہ بیک ورڈ۔"

''شٹ اپ، بغیر آواز پیدا کیے اپنے اور اپنے فرینڈز کے لیے جو بنانا چاہو بناؤ، گڈ نائٹ۔''
ایک طرف جہاں روبیکا نے ٹمی کو آزاد ماحول کے حوالے کر دیا تھا، وہاں اس کو شوہر کی بھی پروا تھی۔ وہ جا چکی تھی ٹمی کچن میں ہر شے ہونے کے باوجود سر تھامے بیٹھی تھی۔



''وہ خبیث، کمینے دفع ہو گئے کہ ابھی سوئے مرے پڑے ہیں۔''
صبح اٹھتے ہی راہی نے چائے کے گرم کپ کو منہ سے لگائے ہوئے روبیکا کو گھورا جو اس سے چوری چوری ٹمی اور اس کے دوستوں کے لیے ناشتا تیار کر رہی تھی۔
''ہاں! وہ...... وہ لڑکے تو چلے گئے تھے، جینی البتہ ٹمی کے ساتھ ہی ہے۔ چلی جائے گی وہ، آج سے ان لوگوں کے اسکول بھی تو اسٹارٹ ہو رہے ہیں۔'' ماحول کو سنگینی سے بچانے کے لیے روبیکا نے مسکرا کر اطلاع دی، نظریں جھکیں راہی نے ایک طنزیہ نظر اس پر ڈالی۔
''جھوٹ بھی وہ بولو جس پر یقین آ جائے روبیکا بیگم! لیکن اس میں تمہارا سارا قصور ہونے کے باوجود بھی میں مانتا ہوں کہ میں قصوروار ہوں۔''
''اچھا سنو راہی! آج تمہارے لیے لنچ میں کیا بنا کر لے آؤں، ساگ...... ہاں ساگ اور روٹی بنا لاؤں گی۔ مجھے معلوم ہے تمہیں بہت پسند ہے۔''
روبیکا شاید خود ہی مطمئن کرتی رہی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ راہی سب جانتا ہے، ضبط کر رہا ہے اور شوہر کا ضبط وہ کسی صورت آزمانا نہیں چاہتی تھی۔ بیٹی کی کمینگی کو مٹانے کے ساتھ ساتھ کوشش کرتی، راہی نے دکھ بھرا ایک گہر سانس فضا میں چھوڑا۔ ایک سلگتی نگاہ روبیکا پر ڈال کہ وہ نظریں جھکا کر رہ گئی۔
''میں لنچ میں ساگ روٹی کا انتظار کروں گا۔'' ہمیشہ کی طرح راہی نے ہارے لہجے میں ہمت کے ہتھیار ڈالے تو روبیکا نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ یہ ہی فرماں برداری تو تھی راہی کی جو روبیکا کو پسند تھی۔
''اوکے، آئی ول۔ اچھا سنو امبریلا لے جاؤ، بارش ہونے والی ہے۔'' گیٹ تک پہنچتے پہنچتے بادل کافی گہرے ہو گئے تھے۔ روبیکا نے آسمان کی طرف دیکھا اور لینے کے لیے جانے لگی۔
''رہنے دو، گاڑی میں ایک پڑی ہے، اللہ حافظ۔''
''بائے۔'' روبیکا کچھ دیر رکی، جیسے ہی بجلی کڑکی راہی آگے بڑھا، روبیکا تیز پھوار میں اندر بھاگی۔
آج طبیعت بہت مضمحل تھی کچھ بھی تو کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسٹور کو تالا ڈالے اور کسی انجانے راستے پر نکل جائے مگر پھر خیال آیا کہ اسے ورکرز جو اس کے اسٹور پر ڈیلی ویجز پر کام کر رہے تھے، ان کی دہاڑی ماری جائے گی لہٰذا پژمردہ سا کاؤنٹر پر بیٹھ گئے۔ بارش تیز ہو چکی تھی، دل تو کسی کام میں لگ نہیں رہا تھا۔ وہ اسٹور میں اور اسٹور کے ایک طرف بنے راہی کافی کارنر کو، آتے جاتے گاہکوں کو دیکھنے لگے۔ رنگ نسل، قومیت کیا تھی کچھ نہیں پتا چلتا۔ سب شدید سردی میں خود کو کوٹ اوور کوٹ میں چھپائے، آ جا رہے تھے مگر یہ کون تھا سفید شلوار سوٹ، پاؤں میں پشاوری چپل اور سر پر پشتو ٹوپی؛ وہ چونک کر کھڑے ہو گئے۔



کہنے کو چار شادیاں ہوئی تھیں مگر کسی کی زندگی میں خوش گوار تبدیلی نہیں آئی تھی۔ سب ہی لگی بندھی زندگی کا آغاز کر کے گزارنے لگے تھے۔ سب تو نارمل زندگی گزار رہے تھے مگر ثمینہ کی زندگی میں جو تبدیلی آئی تھی اس نے اسے انگاروں پر ایسے ٹانگ دیا تھا جیسے کسی جانور کو رسیوں سے باندھ کر لٹکا دیا جاتا ہے۔ نیچے آگ جلا دی جاتی ہے، شادی کے دو مہینے جیسے اس نے گزارے تھے وہ جانتی تھی۔ ساجد اس کو اپنی الفت تو کیا نفرت کی نظر کے

قابل بھی نہ سمجھتا اور اسی بات کا صدمہ دن بہ دن رقیہ کو کھائے چلا جا رہا تھا۔
''کیا بات ہے چچی جان! میں دیکھ رہی ہوں آپ جب سے روئے جا رہی ہیں۔ ہم سے کوئی گستاخی ہوئی ہے۔'' عصر کی نماز کے بعد رقیہ جائے نماز پر بیٹھی ثمینہ کے لیے دعا کرتے روئے جا رہی تھیں کہ شاہدہ چپکے سے آ کر قریب بیٹھ گئی تو بندھ ٹوٹ گیا اور وہ ہمدرد بہو کے گلے لگ کر شدت سے رو دیں۔
''نہیں میری بیٹی! تم ...... تم دونوں تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ جب سے تم لوگ میرے گھر میں آئی ہو، میں سکون میں ہوں مگر ...... مگر ثمینہ کی وجہ سے میں بے حد فکر مند ہوں۔ وہ ...... وہ ساجد میاں کی پسند نہیں اوپر سے بیمار رہتی ہے۔ ذرا ...... ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہے اور جیسے ہی وہ پریشان ہوتی ہے، اس کی سانس اکھڑنے لگتی ہے اور ......'' ہمدرد بہو کسی بھی اچھی ساس کا سہارا ہوتی ہے اور پھر ساس کی تکلیف اور دکھ کا باعث اس کا اپنا بھائی تھا۔ وہ خاموش دلاسوں کے سوا ساس کو کچھ بھی نہ کہہ سکی۔
''چچی جان! صبر اور دعا کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ ساجد تو شروع ہی سے ضدی اور خود سر رہا ہے۔ آپ ہمت نہ ہاریں، اللہ بہتر کرے گا۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
''نہ جانے میری مظلوم بیٹی کی قسمت میں کیا لکھا ہے، بھائی اور باپ تو اس کا نام سننا نہیں چاہتے، انہوں تو اسے کچرے کی طرح گھر سے نکال کر سکھ کا سانس لیا ہے۔''
''جانتی ہوں چچی جان! مگر آپ فکر نہ کریں۔ وہاں امی جان ہیں ناں اور پھر اسماء بھابھی ہیں۔ وہ ثمینہ کا بہت خیال رکھتی ہیں۔''
''ہونہہ! اسماء! ...... بھابھی جان ارے میں سب کی حیثیت جانتی ہوں، مگر خیر اللہ تو ہے ناں۔''
''اب کی ہے ناں آپ نے اچھے مسلمان والی بات، جب اللہ ہے تو پھر کیا غم۔ اللہ تعالیٰ انسان کو کبھی اس کی برداشت سے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالتا۔''
''اوہو بھئی، آپ ساس بہو نے یہیں پر مغرب کر دی، اٹھیے اور ڈنر کی تیاری میں ہمارا ہاتھ بٹایے۔ چچی جان! آپ کباب بنا لیجیے اور آپا!''
''ہش ...... زاہدہ! شرم کرو، چچی جان کو کام کرنے کو کہہ رہی ہو۔''
شاہدہ کو زاہدہ کا رقیہ کو یوں کہنا اچھا نہیں لگا تو زاہدہ ڈھٹائی سے بولی۔
''ارے شکر کرو، ابھی کباب بنوا رہی ہوں، کل سے پونچھا بھی لگواؤں گی۔''
ساس اور بہن کو حیرت میں چھوڑ کر زاہدہ نکل گئی، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔



آج ثمینہ کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ وہ بہت خوش تھی، اچھا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اچھی سی ساڑھی پہنی اور اب میک اپ کے لیے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی لپ اسٹک لگائی ہی تھی کہ ساجد آ گیا۔ وہ ہی غصہ، وہی رعونت ...... آتے ہی کاغذ اس کے ہاتھ میں دیے، وہ گھبرائی۔
''یہ ...... یہ کیا ہے ساجد؟''
''طلاق نامہ ......!''



باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

ایمل رضا

گھروندہ

میری ٹانگ میں اس کے سخت پنجوں کے نشان درد کرتے ہیں۔ یہ درد کسی کے دل سے ہوتا ہوا میرے جسم میں اترتا ہے۔ یہ نشان کبھی نہیں جانے والے، میں جانتا ہوں۔

تایا کے گھر کے بڑے صحن میں سب چارپائیوں پر سو رہے تھے۔ کونے میں کھڑا پنکھا چل رہا تھا جو گھوم گھوم کر سب کو ہوا دے رہا تھا۔ جن کی چارپائیوں پر پنکھے کے گھومنے کے باوجود بھی ہوا نہیں پہنچ پا رہی تھی، وہ سوئی ہوئی حالت میں ہی جھنجلائے ہوئے گرمی کو کوسنے دے رہے تھے۔ یہ میرے حساس رقیب ہوتے ہیں۔ ان کے سب سے پہلے جاگنے کی امید سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اگرچہ سب کو اندازہ ہو چکا تھا کہ میں نے آوارہ گردی کو اس حد تک اپنا لیا ہے کہ اب روز ہی رات کو دیر سے آتا ہوں۔ پھر بھی موقعے پر پکڑے جانے کا بھرم قائم تھا جسے میں آج بھی قائم رکھنا چاہتا تھا۔

دروازے کے کنڈے پر پاؤں رکھ کر میں چھلانگ مار کر گھر میں داخل ہوا تھا۔ ساری احتیاط کے باوجود بھی کھٹکا ہو گیا لیکن خیر کوئی نہ جاگا۔ بنا آواز کے قدموں سے چلتا ہوا پہلے میں نے کچن میں جا کر دیکھا۔ چولہا کب سے ٹھنڈا ہوا پڑا تھا اور خالی ہانڈی میرا منہ چڑا رہی تھی۔ روٹی کے چھابے میں خالی رومال پڑا تھا۔ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ہر چیز نحوست برسا رہی تھی۔ جیسا کہ تائی میرے بارے



میں کہتی تھیں کیونکہ میں بھی خالی تھا۔ میری جیب بھی خالی تھی۔ سالوں سے تائی کے در پر پڑا ہوا تھا لیکن آج تک انہیں ایک پیسہ نہ دیا تھا۔ اس لیے تائی اب مجھے منحوس کہنے لگی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ میری ماں کیا مری اور میں ان کے گھر کیا نازل ہوا، نہ تو پھر بعد میں میرے تایا کا کام چلا اور نہ ہی گھر میں جوبن کی سی بہاریں آئیں۔ ''دیلا نکھٹا...... مرتا کیوں نہیں......'' تائی سرِعام کہتی تھیں لیکن مجھے اپنی تائی سے اس قدر محبت تھی کہ میں نے پھٹکار کو ان کا پیار ہی سمجھتا تھا۔ گھر میں تنگی آتی تو وہ غصے سے بولتی جاتیں اور میں فرمابجت سے ہنستا جاتا......

کچن سے مایوس ہو کر میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لگتا ہے آج رات بھوکا ہی سونا پڑے گا۔ چونکہ میں گھر کا فالتو اور ان چاہا فرد تھا، اس لیے میری چارپائی صحن میں نہیں بچھائی جاتی تھی۔ چارپائیاں اتنی ہی تھیں جتنے باہر سونے والے، مجھے سخت گرمی میں بھی بنا پنکھے کے کمرے میں سونا پڑتا تھا۔ منہ پر گھڑے کے ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مار کر ابھی سونے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ سکینہ سر پر آن کھڑی ہوئی۔

''یہ لو......'' اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔

''ابھی تک جاگ رہی ہو۔'' میں نے چٹائی پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ میں اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مجھے بھوک لگی ہے اور میں باورچی خانے کی خاک چھان کر زبردستی لیٹا ہوں۔ ایسے ہی احسان چڑھتا اس کا مجھ پر، نک چڑھی شودی کا، آگے کیا کم اترائی پھرتی تھی جو میں اسے اور شکی بنانے کے لیے اکساتا۔

''تم بھی تو ابھی تک جاگ رہے ہوں۔'' وہی دیوی سمان کا سا لہجہ۔

''میں تو فلم دیکھ کر آ رہا ہوں۔''

''اور میں تمہاری فلم دیکھ رہی ہو۔ روز چوروں کی طرح گھر میں داخل ہونا۔''

''آپ کہا کرو مجھے، کتنی بار کہا ہے تایا جی نے لیکن تائی کی طرح تم بھی کچھ نہیں سیکھی ہو ابھی تک۔ اب یہ ہی دیکھ لو تائی کی طرح مجھ سے نفرت کرنا بھی نہیں سیکھ سکی۔''

''امی اتنی بری نہیں ہیں جتنا تم انہیں کہتے ہو بس کبھی کبھی وہ...... اتنا تو دن بھر میں مجھے بھی کہہ دیتی ہیں۔ اور تم کون سا ان کی بات مان لیتے ہو۔ کتنی بار کہا ہے کہ تھوڑے ہی سہی، ان کے ہاتھ پر لا کر پیسے رکھو...... دیکھو کیسی خوش ہو جائیں گی اور نہیں تو مجھ سے لے کر ہی انہیں دے دیا کرو لیکن تم یہ بات بھی نہیں مانتے۔ دراصل وہ ان دنوں کو روتی ہیں جب ان کا ہاتھ کھلا تھا۔ انہیں اناج، بستر، برتن کی پروا نہیں تھی۔ فقیروں تک کو تو وہ جھولیاں بھر بھر پھل دیا کرتی تھیں۔ بس انہی دنوں کی یادوں کو یاد کر کر کے تلخ ہو جاتی ہیں۔''

''اور تم نہیں یاد کرتی ان دنوں کو......؟''

''میں نے تو وہ دن دیکھے ہی نہیں۔ امی کہتی میں دو سال کی تھی جب کلر سب اجاڑ کر لے گیا۔ زمین بیچنے کا خیال اللہ کو پسند نہ آیا اور کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہو سکا...... لو کھانا کھاؤ...... میں چلتی ہوں۔ تمہیں بھوک لگی ہو گی۔ سینما میں اچھا ملتا ہی کیا ہے کھانے کو۔'' میری جیب خالی ہونے کا طعنہ دیے بنا وہ بات بنا کر کھانا میرے سامنے رکھ کر چلی گئی۔ اپنی خوشبو میرے کمرے میں ہی چھوڑ کر...... بس یہ ہی ایک بات مجھے اس کی پسند تھی اور ایسے لمحوں میں وہ مجھ پر حاوی ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

سکینہ کے ساتھ میرا دوستانہ بچپن کا تھا اور یہ دوستانہ عجیب دشمنانہ تھا۔ نہ ہم ایک دوسرے کے دوست تھے اور نہ ہی دشمن۔ میں ہر وقت اس کی پونیاں کھینچتا رہتا تھا اور وہ میری پتنگیں پھاڑ تی رہتی۔ میں اس کے ہوم ورک کی کاپی پر سیاہی الٹ دیتا اور وہ میرے بستر پر خارش بوٹی مل دیتی۔ ایک بار بسنت پر میرے نئے پیچے پر اس نے پانی ڈال دیا۔ جسے کل دن میں میں نے اپنی نگرانی میں کڑک

مانجھا لگوایا تھا لیکن ڈھائی تاوے کا گڈا عین آسمان میں جا کر کٹ گیا۔ نا پیچ لڑا اور نہ ہی میں نے جھٹکا مارا۔ ڈھائی تاوے کا گڈا بھی ہاتھ سے گیا اور پنے کی آدھی ڈور بھی، میں سمجھ نہ سکا کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔ پیچھے پلٹ کر دیکھا تو دانت نکالے ہنس رہی تھی منحوس! بس ایسا غصہ آیا کہ دل کیا وہیں سے دھکا دے دوں۔ دھکا تو نہیں دے سکا لیکن رات میں جب وہ سو رہی تھی اس کے بال بڑی بے ترتیبی سے کاٹ دیے۔ دو مہینے وہ اسکارف اوڑھے بہشتی زیور بنی پھرتی رہی۔

ایک بار ایسے ہی غصے میں میں نے اس کی ناک پر پتھر دے مارا تھا۔ اور اس کا زخم ساری زندگی نہیں گیا۔ ساری زندگی۔

پروین تندور والی مائی حبیبہ کی بیٹی تھی۔ میرا اس کے ساتھ آنکھ مٹکا چل رہا تھا۔ جو پتنگ بازی کے دوران ہی شروع ہوا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو مجھ سے پیچ لڑانے سے روکتے روکتے خود کو مجھ سے آنکھیں چار کرنے سے نہیں روک سکی تھی۔ بنا بات کیے ہی وہ مجھ پر مرتی تھی اور میں اس پر۔ دنوں روڑے میں کاغذ کا گولا بنا کر ایک دوسرے کی طرف اچھالتے اچھالتے خط و کتابت ہوتی رہی......

پھر ایک دن میں نے سکینہ کو سب بتا دیا۔ مقصد یہ ہی تھا کہ وہ میری اور اس کی ملاقات کا بندوبست کرے اور اس نے ایسا کر بھی دیا۔

جس وقت میں اور پروین پیپل کی جھاڑیوں میں خطوں میں ہوئے وعدے کے مطابق ایک دوسرے کا ہاتھ تھامنے ہی والے تھے کہ جھاڑیاں ہلیں۔ دیکھا تو سامنے تائی امی کھڑی تھیں اور پیچھے وہ حرام زادی ہنس ہنس کر پاگل ہو رہی تھی۔

گھر میں جو ہوئی سو وہ کیا بتاؤں...... محلے والوں کو بھی پتا چلا گیا کہ ان کا لڑکا جوان ہو گیا ہے۔ مائی حبیبہ نے ہمارے گھر کے آٹے کی روٹی اپنے تندور پر لگانے سے صاف انکار کر دیا اور میں جل کر خاک ہو گیا۔ ساری زندگی تایا تائی کے آگے سر اٹھا نے کی ہمت نہ رہی، سکینہ پر تو اتنا غصہ آیا کہ انگاروں پر لوٹتا رہا۔

اگلے دن میں چھت پر جا پہنچا اور جیسے ہی سکینہ صحن کی صفائی کرنے لگی ایک موٹا سا پتھر کھینچ کر اسے دے مارا۔ تڑپ کر اس نے جھاڑو چھوڑی۔ خون کی لکیر ناک سے نکل کر کچے فرش پر لوٹنے لگی اور میں کمال چالاکی سے ہائے ہائے کا واویلا کرتا نیچے پہنچا۔

''کہاں سے آیا پتھر......؟'' تائی اپنا پلو پھاڑے اس کی ٹکور کر رہی تھیں۔

''پتا نہیں کہاں سے آیا امی......!'' وہ بدستور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

تائی محلے والوں کی طرف منہ کر کے گالیاں بکنے لگیں اور وہ میری طرف دیکھتی رہی۔ یہ وہ پہلا موقع تھا جب اس نے میری ذات پر اپنی حکمرانی کا جھنڈا اگاڑھا۔

اگلے دن جب وہ بخار سے تپ رہی تھی تو میں نے جا کر اس سے معافی مانگ لی۔ بڑی دیر تو وہ کچھ بولی ہی نہیں۔

''معاف کیا......'' چپ ٹوٹی تو رکھائی سے بولی جیسے دفع ہو یہاں سے۔

''غلطی بھی تو تیری تھی۔ نہیں کرنی تھی مدد تو بتا دیتی، تیرے لیے تو ہر چیز مذاق ہے۔'' میں بھی معافی مانگ مانگ کر تھک چکا تھا۔ چڑ کر بولا۔

''مذاق......؟'' اس نے تڑپ کر کروٹ بدلی۔ ''میرے لیے نہیں، سب تیرے لیے مذاق ہے۔ میں بھی اور میری محبت بھی۔''

میرے پاؤں کے نیچے سے کچا صحن نکل گیا۔

''کیا......؟ کیا......؟ کیا کہا......؟ پھر سے بول......!'' لیکن وہ پھر سے نہ بولی۔ منہ پرے کر کے سسکتی رہی۔

ساری رات سوچ بچار میں نکلی...... ہاں ٹھیک ہی تو ہے۔ ایسا ہی ہونا ہے۔ تائی میری کمائی نہ سہی لیکن مجھے تو بھی نہ چھوڑیں گی ۔ اس احسان کا یہ ہی بدلہ تو لیں گے مجھ سے دونوں...... گاؤں میں

تھا ہی کیا سوائے دھول اڑاتی مٹی کے، اور میرے دل کو تو اس دھول میں اڑتی کسی ڈوڈی نے بھی آج تک نہیں چھوا تھا۔ میں نے سکینہ کی محبت کے آگے ہار مان لی۔

اس دن کے بعد سے اس کا دوستانہ اور میرا دشمنانہ قائم رہا۔ میری اور سکینہ کی سادہ سی منگنی کر دی گئی اور میں تایا کے ساتھ کام پر جانے لگا۔

☆☆☆

منگنی کے بعد تو اسے گویا آزادی مل گئی۔ جو کام وہ چھپ چھپ کر کیا کرتی تھی اب بڑے آزادانہ طریقے سے کرتی۔ اپنے حصے کے آم میرے لیے رکھ دیتی۔ سالن میں خود بوٹی نہیں کھاتی اور میرے لیے رہنے دیتی۔ میرے کپڑے استری کرتی، انہیں دھوتی، کلف لگاتی، جوتے بلاناغہ پالش کرتی۔ میری سکون سے کٹنے لگی۔ وہ ابھی سے بیوی بننے کی تیاری کر رہی تھی اور میری نظر میں کامیاب ہو چکی تھی، مجھے ایسی بیوی ہی چاہیے تھی، جو کم بولے اور کم مطالبے کرے..... اس کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ وہ میرے منہ سے سننا چاہتی تھی کہ میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے اس مطالبے کو پہلی رات پر ٹال رکھا تھا لیکن ایک دن یہ میرے منہ سے خود ہی پھسل گیا۔

چھت پر نئے کمرے بن رہے تھے۔ میرے اور اس کے لیے ہی، جس کی اینٹ اینٹ پر وہ درود پڑھ کر پھونکتی تھی۔ نئی زندگی کے خواب اس کی آنکھوں میں تھے۔ اس کی آنکھیں جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس دن وہ بچوں کو بلائے صحن میں پڑی ریت پر گھروندا بنا رہی تھی۔ میرے دل میں پتا نہیں کیا شرارت آئی کہ ٹھوکر سے گھروندہ روند ڈالا۔

''اللہ..... کیا کرتے ہو.....! دیکھتے نہیں ہو کہ بچے کھیلتے ہیں۔''

''اسی بات کا تو غصہ ہے کہ بچے کھیلتے ہیں اور بڑے کو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔'' میں نے شرارت سے کہا وہ شرما گئی اور بچوں کو اس نے بہانے سے باہر بھیج دیا۔ خود وہ ریت میں پاؤں پھنسا کر پھر سے گھروندہ بنانے لگی۔ عورتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ کام کی بات پر خود کو کیسے مصروف کر لیتی ہیں۔ وہ گھروندہ بناتی جاتی اور ٹیڑھی نظروں سے مجھے دیکھتی جاتی۔

میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔ گھر میں کوئی نہ تھا۔ اس نے پرے ہٹنے کی کوشش نہیں کی۔

''بچوں کو کیا سکھا رہی تھی۔''

''گھروندا..... ایک گھر کیسے بنتا ہے۔ لڑکیاں گھروندے بناتی ہیں۔ انہیں گھر بنانا اچھا لگتا ہے۔''

''ہمارا گھروندہ کون بنائے گا؟''

''بن تو رہا ہے اوپر، چھت پر دو کمرے۔''

''یہ نہیں..... میں نے تو شہر میں رہنا ہے۔ گاؤں میں نہیں رہا جاتا مجھ سے، تم چلو گی نہ میرے ساتھ شہر۔ میری بیوی نہیں..... میری محبوبہ بن کر.....'' اس کے گال سرخ ہوئے اور وہ گھروندے کو وہیں چھوڑ کر اٹھ کر بھاگنے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''یہی تو سننا چاہتی تھی تم کہ میں تمہیں اپنی محبوبہ تسلیم کر لوں۔''

''سن لیا..... اب جانے دو۔'' وہ ہاتھ چھڑا کر چلی گئی۔

☆☆☆

آج دس سال بعد سوچتا ہوں کیا کیا میں نے..... کیا کیا.....؟ اور کیوں.....؟

جس دن شادی کی تاریخ رکھی گئی تھی۔ اسی دن مجھے شہر آنا پڑا۔ ایک کانٹریکٹ کرنا تھا۔ تایا ابا بڑے خوش تھے کہ کسی طرح یہ کانٹریکٹ ہو جائے تو ان کے دن بدل جائیں اور ایسا ہی ہوا..... ان کے دن بدل گئے اور میرا دل۔

''سارا.....'' میرے باس کی لڑکی تھی۔ کانٹریکٹ کی وجہ سے مجھے تین دن ان کے گھر ہی رہنا پڑا۔ گھر تار بھیج دیا کہ میں تین دن بعد آؤں گا لیکن پھر میں گھر نہ جا سکا۔ نہ تین دن بعد اور نہ ہی تین سالوں بعد۔

بہار کی ہوائیں بڑی ٹھنڈک ہوتی ہے لیکن دل مغموم ہو تو یہ ہی ٹھنڈک کاٹ بن کر بینائی چھین لیتی ہے۔

میں دس سالوں کے بعد واپس اپنے تایا کے گھر آیا ہوں۔ تائی کے بعد تایا بھی مر چکے ہیں۔ سکینہ کی شادی ہو چکی ہیں۔ اس کے تین بچے ہیں اور میرے دو۔ سارا کے ساتھ زندگی اتنی بھرپور گزر رہی تھی کہ اتنے سالوں میں کسی ایک بھی دن مجھے سکینہ کی یاد ہی نہیں آئی۔ اب اتنے سالوں بعد واپس آ جانے کی ایک ہی وجہ تھی کہ تایا مرتے ہوئے جائداد کا ایک حصہ میرے نام کر گئے تھے۔ سکینہ کے خاوند نے ہی کہیں سے میرا پتا ڈھونڈ کر مجھے بلایا تھا کہ اب وہ لوگ ساری زمین بیچنا چاہتے ہیں، آ کر سارے مسئلے حل کر دوں اور میں آ گیا تھا۔ اپنی خوب صورت سی بیوی اور شہری بچوں کے ساتھ۔

”سارا اس نے تمہیں بتایا کہ یہ بچپن میں بات بات پر کتنا روٹھا کرتا تھا۔“ سکینہ جوانی والی شوخی سے میرے بیوی کو میرے بچپن کے قصے سنا رہی تھی اور سارا کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا۔

”روٹھ جاتا تھا تو گھر سے کھانا پینا بند کر لیتا تھا۔ مجھے چپکے چپکے اس کے کمرے میں کھانا لے جانا پڑتا تھا۔ یہ دیکھو یہ جو میری ناک پر ابھی بھی ہلکا سا زخم کا نشان ہے ناں ...... یہ اسی نے پتھر مارا تھا اور پتا ہے کیوں مارا تھا۔؟“ سارا قصہ سن کر میری بیوی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

”اس کے بعد ساری زندگی مائی حبیبہ نے اس گھر کی روٹی اپنے تندور پر نہیں لگائی۔“ اس بات پر تو میری بھی بے اختیار ہنسی نکل آئی۔

اگلے دن صبح اٹھے تو سکینہ کا خاوند سارے کاغذات تیار کر چکا تھا۔ جس پر میں نے دستخط کر دیے۔ میرے بار بار منع کرنے کے باوجود بھی وہ لوگ مجھے میرا حصہ دے رہے تھے۔

”ابا نے کہا تھا یہ اس کا حصہ ہے۔ اسی کو ملے ہر حال میں۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں کہ اپنے ابا کی روح کو غم زدہ کروں۔“ میں سوچنے لگا اس نے مجھے ”آپ“ کب سے کہنا شروع کر دیا تھا۔

شام کے وقت ہماری واپسی تھی جبکہ سارا کا واپس جانے کا دل نہیں کرتا تھا۔ سکینہ اس کی بڑی اچھی دوست بن گئی تھی۔

دوپہر کی سخت گرمی میں میں سو کر اٹھا تو باہر سے بچوں کے دھما چوکڑی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اٹھ کر باہر دیکھا تو سکینہ سب بچوں کو اپنے پاس بٹھائے ریت پر بیٹھی تھی اور اسے پہاڑ بنا بنا کر کھیل رہی تھی۔ بچے پہاڑ کے اندر سے مٹی باہر نکالتے جاتے اور اتنی نکال لیتے کہ ایک کے ہاتھ دوجے سے جا ملتے، اس طرح وہ پہاڑی سلام کرتے اور خوش ہوتے۔ میرے شہری بچے ایسے کھیلوں سے ناواقف تھے اس لیے وہ زیادہ خوش ہو رہے تھے۔

”اور...... اب...... میں تمہیں گھروندہ بنانا سکھاتی ہوں۔“ میری موجودگی سے بے خبر وہ بولی۔

ریت میں پاؤں دبا کر اس نے اپنے پاؤں پر ڈھیر ساری ریت ڈال دی پھر پاؤں باہر نکال لیا۔ گھروندہ بن چکا تھا۔ پھر وہ اس کی باڑیں بنانے لگی...... چار دیواری، احاطہ، باغ کا حصہ اور پتا نہیں کیا کیا۔ نجانے میرے دل میں کیا آئی یا میں بچپن کی یاد دہرانا چاہتا تھا کہ ریت پر جا کر میں نے وہاں ایک پاؤں مار دیا...... اور ابھی میں پاؤں مارنا ہی چاہتا تھا کہ سکینہ نے اپنے پنجے اپنی پوری طاقت سے میری ٹانگوں میں گھونپ دیے پھر فوراً سے ہی اس کی گرفت ڈھیلی بھی ہوئی لیکن تب تک دیر ہو چکی تھی۔ درد کی ایک پرشدت لہر میرے وجود میں پھر چکی تھی۔

”بچے کھیل رہے ہیں...... اس گھروندے کو تو نہ توڑو......“ اس نے کہا اور منہ پرے پھیر لیا۔ ایک آنسو لڑھکتا ہوا ریت پر جا گرا۔

میری ٹانگ میں اس کے سخت پنجوں کے نشان درد کرتے ہیں۔ یہ درد کسی کے دل سے ہوتا ہوا میرے جسم میں اترتا ہے۔ یہ نشان کبھی نہیں جانے والے...... میں جانتا ہوں۔

☆☆

نادیہ احمد

چھوٹی سی خطا

کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا گیا تھا۔ آثار بتا رہے تھے اس پہ یقیناً لات مار کر اندر کی بھڑاس نکالی گئی تھی اور پھر چند سیکنڈ کے وقفے سے آندھی طوفان کی صورت اس کی آمد ہوئی۔ تنی ہوئی رگیں، پھولی ہوئی ناک اور چہرے پہ شدید ناگواری اس کی اندرونی کیفیت کے بغیر بھی چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ خبردار، ہوشیار، مابدولت اس وقت شدید غصے میں ہیں۔ آتش گیر مادہ پھٹنے کو تیار ہے لہٰذا محفوظ دوری اختیار کر لی جائے۔ جو جو آس پاس ہیں پتلی گلی سے ہو کر نکل جائیں۔ پر وہ سلمان ہی کیا جو خطرے والی جگہ پہ اپنی ٹانگ نا گھسائے۔ لہٰذا اپنی عادت کے موافق سوال داغ ہی ڈالا کہ ''بھائی کیا افتاد آن پڑی جو یہ حالت بنا رکھی ہے۔''

''دیکھ میری طرف اور بتا کون ہوں میں؟''

ہاتھ میں پکڑی فائل میز پہ پٹختے اس نے مڑ کر سلمان کی طرف دیکھتے عجیب سوال کیا تھا۔ وہ بے چارہ تو اپنی بے تحاشا فراغت سے کچھ قیمتی لمحے نکال کر ابھی ابھی دائم کے کیبن میں آیا تھا تاکہ کچھ جھک مار سکے۔ دائم اس وقت اپنے کیبن میں موجود نہیں تھا لیکن اس نے تو اندر داخل ہوتے ہی میٹرک کے آؤٹ آف سلیبس پیپر کی طرح اپنی نوعیت کا انوکھا سوال کیا تھا۔

''تو انسان ہے میرے بھائی۔'' اپنی فہم کو ہمیشہ کی طرح بروئے کار لاتے ہوئے سلمان نے پوری بتیسی کی نمائش کرتے کمال خود اعتمادی سے جواب دیا تھا۔

''ابے یار! انسان تو ہم سب ہیں۔ یہ بتا میں...... میں ہوں کیا؟'' دائم کا پارہ اور بھی اوپر چلا گیا۔ اپنی کرسی پہ بیٹھتے اس نے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے سینہ ٹھوکتے اپنی سمت اشارہ کیا۔ سلمان کچھ شرمندہ ہوا مگر اس کا اظہار دائم سے ہرگز نا کرتے ہوئے ایک اور سیاسی بیان دے ڈالا۔

''میرے یار تو پانچ فٹ ساڑھے گیارہ انچ کا گبرو جوان مرد ہے۔ بس یہ توتے جیسی ناک نا ہوتی تو قسم سے ہالی ووڈ فلموں کا ہیرو لگتا ہیرو۔ ویسے تو اب اس اینگل سے ٹام کروز کی جھلک مار رہا۔'' دائم کا دل کیا تھا اس کا سر پھاڑ دے اور پچھلے آدھے گھنٹے کی فرسٹریشن کا خاتمہ کر لے۔

''پاگل آدمی میں اس کمپنی کا ''جنرل منیجر'' ہوں۔'' وہ سر پیٹتے ہوئے بولا تو سلمان گھبرا سا گیا۔

''ہاں تو میں نے کب ماننے سے انکار کیا ہے۔ وہ تو تُو ہے۔'' اس نے جھٹ سے پہلے اعتراف کیا تھا۔

''تو اگر تیرے جیسا ٹیکنیکل ہٹیلا انسان بھی مجھے اس کمپنی کا جنرل منیجر مان رہا ہے تو اسے کیا تکلیف ہے؟'' دائم کا اسے مزید کچھ بھی کہنے کا ارادہ بدل چکا تھا یا پھر شاید اس کی سوئی اب بھی اس ایک مقام پہ ہی اٹکی تھی اور یہ سوئی تو اس الم ناک، دردناک اور وحشت ناک...... غرض جتنے بھی ناک تباہی و بربادی اور غم و غصے کے اظہار کی ترجمانی کر سکتے تھے، دن سے ہی اپنی جگہ آ ٹکی تھی جب سے اس نے آفس کا

چارج سنبھالا تھا۔

''کیسے؟'' سلمان نے کرسی سے تھوڑا سا کھسک کے بھنویں اچکا کر سوال کیا۔

''باس کو اور کیسے......'' دائم کا انداز چیخنے والا تھا۔ سلمان اس روٹین کا عادی تھا اور دائم کے مزاج سے بھی اس کی شناسائی بچپن سے تھی لہذا اس کی ان کیفیات پہ وہ کوئی خاص نوٹس نہیں لیتا تھا۔

''تو کیا اس نے تجھے منیجر ماننے سے بھی انکار کردیا۔'' کرسی کی پشت پہ پرسکون سے انداز میں ٹیک لگاتے اس نے نہایت سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''اس کا سلوک دیکھا ہے میرے ساتھ......'' دائم نروٹھے پن سے بولا۔ جیسے کوئی چھوٹا بچہ شکایت کرتا ہے۔''اس طرح تو لوگ اپنے چوکیداروں کو ٹریٹ کرتے جیسے میں باس کے ہاتھوں ذلیل ہوتا ہوں''۔ سامنے پڑی فائل کے صفحات پلٹتے، وہ الجھتے ہوئے بولا۔

''تازہ واردات کیا ہوئی۔ کچھ روشنی ڈالی جائے۔'' چونکہ یہ تو اب آئے دن کا سلسلہ تھا اور ایک دائم ہی نہیں آفس کا سارا ہی عملہ باس کے تیکھے اور سخت جملوں سے عاجز تھا لیکن وہ دائم کی طرح اپنی بھڑاس نہیں نکال سکتے تھے۔ دائم چونکہ نیکسٹ ٹو باس تھا اور اس مداخلت سے پہلے تک اس کی دفتر میں دبا کے عزت کی جاتی تھی (ایسا اس کا خیال تھا) اور اب تو آئے دن بس مٹی ہی پلید ہو رہی تھی۔

''واردات کب نہیں ہوتی؟ پالیسی بناؤں میں۔ پروجیکٹ رپورٹ بناؤں میں۔ کوالٹی کنٹرول سنبھالوں میں۔ منیجمنٹ دیکھوں......'' انگلی کی پوروں پہ گن گن کر اس نے اپنی ذمہ داریاں سلمان کے گوش گزار کیں۔ ظاہری سی بات ہے وہ روز اول سے باخبر تھا۔ دائم کی بات کاٹ کر اس نے حسب عادت ٹانگ اڑائی۔

''تو میرے بھائی تُو...... اب آگے بھی تو بول۔'' دائم کی زبان کو یکدم بریک لگا تھا۔ اس کا ابھی اپنی شان میں چند قصیدے مزید کہنے کا موڈ تھا اسی لیے غصہ بھی جی بھر کر آیا لیکن مجبوری تھی خاموش ہونا ہی پڑا۔ ایک تو بچپن کی دوستی اس پہ سلمان کے سوا اس کا یہاں اعتبار کا کوئی دوسرا شخص نہیں تھا جس کے سامنے وہ کسی خوف کے بغیر اپنے دل کا حال بیان کردے۔ باقی تو ہر شخص موقع کی تاک میں ہی رہتا ہے۔ البتہ سلمان کا معاملہ اور تھا۔ وہ شاہ سے زیادہ وفادار کا وفادار تھا۔

دائم اور اس نے ایک ہی سال کمپنی جوائن کی تھی۔ زیدی صاحب (کمپنی کے مالک) نے دائم کی قابلیت اور قائدانہ صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اسے جلد ہی جنرل منیجر کی پوزیشن سے نواز دیا تھا۔ اس میں کچھ حصہ دائم کی قسمت کو بھی جاتا ہے کیونکہ اچانک جنرل منیجر زبیر الٰہی کی وفات کے بعد دائم کو ان کی پوزیشن پہ عارضی کام کرنا پڑا جسے بعد ازاں زیدی صاحب نے سراہتے ہوئے مستقل کردیا۔ البتہ سلمان اب بھی ہیومن ریسورس منیجر کے طور پہ کام کر رہا تھا۔ وہ ڈائریکٹ دائم کی نگرانی میں کام کرتا تھا اور اپنی من موجی طبیعت کے ساتھ مزے میں تھا۔ البتہ آج کل اس کے حصے کی غلطیوں پہ ذلت بھی دائم ہی اٹھا رہا تھا۔

''وہ ڈاکومنٹس تو نے تیار کروا کے بھجوائے تھے نا۔ اس میں گرامر کی غلطیاں نکالی جارہی ہیں۔'' دائم نے حالیہ ذلالت کی وجہ بیان کی۔ بورڈ میٹنگ کے بعد ہر بار کی طرح میٹنگ کا خلاصہ تیار کرنا سلمان کی ذمہ داری تھی۔ دائم کو بھی اس پہ اتنا اعتماد تھا کہ کبھی نظر ثانی نہیں کی تھی۔ اس بار بھی یہی ہوا اور شیٹ باس کو بھجوا دی گئی لیکن یہ بھول گیا اندر اب کی بار زیدی صاحب جیسا شفیق اور درگزر کرنے والا انسان نہیں بلکہ ہٹلر براجمان ہے۔ بس جی پھر کیا، ساری کارکردگی ایک طرف اور یہ چنی منی غلطی جسے رائی سے پہاڑ بنا دیا گیا ایک طرف۔ حالانکہ تیار کرنے والے کا نام نیچے لکھا تھا پھر بھی باتیں اس نے دائم کو ہی سنائیں کیونکہ اس کو بھیجنے سے پہلے یہ جی ایم کی ذمہ داری تھی کہ ڈاکومینٹ کو پروف ریڈ کرلیتا۔

''جانتا ہے مجھ سے کیا سوال کیا؟اس نے بے تحاشا رازداری سے بتایا۔ سلمان نے اسی رازداری سے آنکھوں کو سوالیہ انداز میں گھمایا۔

''آپ کی اسکولنگ کہاں کی ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''پھر تو نے بتا دیا تو ٹاٹ والے اسکول میں پڑھتا تھا۔آرمی کا ٹرک گزرتا تھا اس کے پیچھے لٹک کر تو اسکول جایا کرتا تھا اور ہر روز کرائے کے پیسے بچا کر اسکول کے باہر سے میٹھی املی اور مسالے والی مولیاں کھایا کرتا تھا۔'' اصولی طور پہ تو شرمندگی کا مقام سلمان کے لیے تھا لیکن اس کی پیدائش اس دن کچھ توقف سے ہوئی تھی جب شرم بانٹی جارہی تھی۔اس بات کو ہرگز اہمیت نہ دیتے ہوئے کہ اس کی وجہ سے دائم کو باتیں سننا پڑیں وہ ایک نیا قصہ لے کر بیٹھ گیا تھا۔

''ایک بات بتا...... تو میرا دوست ہے یا دشمن؟'' دائم کا دل کیا اسے کچا چبا جائے۔شاید اسی طرح اس کے اندر کی آگ کچھ کم ہو پائے۔

''کمال کرتا ہے یار دائم!میں تو تیرا برسوں پرانا ''جانی دشمن'' میرا مطلب دوست ہوں۔'' وہ ایک دم میٹھا بن گیا مبادا دائم کہیں سچ میں ناراض ہی نا ہو جائے۔

''تیرے جیسے دوست ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں دشمنوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' وہ باقاعدہ جل کر بولا اور میز پہ رکھے چند کاغذات کو الٹ پلٹ کرتے قہر آلود نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''شہر کی سب سے بڑی یونیورسٹی سے ایم بی اے گولڈ میڈل کے ساتھ پاس کیا ہے میں نے اور ایک چھوٹی سی گرامر مسٹیک پہ مجھ سے میری اسکولنگ پوچھی جائے گی''۔ایک توقف کے بعد سر اٹھا کر اس نے دوبارہ کہا۔''وہ خود کیا چیز ہے؟'' انداز باقاعدہ چیلنج والا تھا۔ہنکارہ بھرتے اس نے سلمان کی طرف دیکھا جیسے اس کی تائید کا منتظر ہو۔

''گرامر اسکول ٹاپر، ایل ایس ای (لندن اسکول آف اکنامکس) گولڈ میڈلسٹ،وال اسٹریٹ جنرل انیلسٹ اور سننے میں آرہا ہے فوربیز والے بھی ٹاپ ہنڈرڈ کاروباری منتظموں میں شامل کرنے پر غور کررہے ہیں۔'' سلمان نے رٹے رٹائے انداز میں حقائق اس کی نظر کیے تھے۔

''بند کر اس کا کلمہ پڑھنا۔یہ سب کچھ میں بھی جانتا ہوں۔اب اگر وہ کوئی توپ چیز ہے تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے ملازموں کا جینا حرام کردے۔زیدی صاحب نے کتنے پرائڈ سے یہ جاب دی تھی مجھے۔'' وہ قدرے تاسف سے بولا اور اس لمحے کو کوسا جب زیدی صاحب نے اچانک گوشہ نشینی اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنا شاندار بزنس اس ہٹلر کے سپرد کیا تھا جسے اپنی قابلیت پہ ضرورت سے زیادہ غرور تھا۔

''اس نے تو کتا بنا دیا ہے۔'' دائم نے اپنی اندرونی کیفیت کا اظہار کھلے اور واضح الفاظ میں کیا تو سلمان بمشکل اپنی ہنسی پہ قابو کر پایا۔سامنے کافی وزنی

پیپر ویٹ رکھا تھا اور دائم کا کیا پتا گھما کے اس کے سر کا نشانہ ہی لے لیتا۔

''یار میرے کسی بڑے شاعر کا شعر ہے''

گر میسر گورنری ہوتی......

نوکری پھر بھی نوکری ہوتی

''اب نوکر کی تے نخرا کی۔ باس ہمیں گدھا سمجھے یا کتا...... ہمیں تو بس ریس کے گھوڑے کی طرح دوڑنا ہے اور فرسٹ آنا ہے''۔ اس نے اپنے تئیں ہر بار کی طرح دائم کو سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ خود کسی بھی بات کو سر پہ سوار نہیں کرتا تھا لیکن دائم کی طبیعت اس سے مختلف تھی۔ سلمان پروفیشنل باتوں کو وہیں بھول جانے کی پالیسی پہ یقین رکھتا تھا۔ وہ من موجی ٹائپ کا بندہ تھا اس کے برعکس دائم اپنے کام اور طبیعت دونوں میں ہی سنجیدہ تھا۔ پھر اتنی کم عمر میں اتنی بڑی پوزیشن پہ کام کرتے ہوئے مزاج میں نزاکت آ گئی تھی۔ باس کی چھوٹی سی بات بھی انا پہ سیدھا وار کرتی تھی اور یہاں تو کبھی چھوٹی بات ہوئی ہی نہیں تھی۔ لگتا تھا اس نے سب کو ذلیل کرنے میں پی ایچ ڈی کر رکھا ہے۔''

ایک نا ختم ہونے والی مشکل میں پڑ چکی تھی اس کی جان۔ اتنی بہترین ملازمت تھی کہ چھوڑنا بھی نا ممکن تھا اور نہ ریزائن کر کے ہی روز روز کی چخ چخ سے جان چھڑا لیتا۔

''ویسے میری جان دائم...... ایک حل ہے میرے پاس۔'' اچانک سلمان کے دماغ کی گھنٹی بجی تھی۔ اس نے ٹیبل کو طبلے کے سے انداز میں بجاتے سلمان کو متوجہ کیا۔ دائم کچھ چوکس ہو کر پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگا۔ جیسے جیسے سلمان اسے اپنی پلاننگ بتا رہا تھا دائم کے فیوز چہرے پہ دھیرے دھیرے روشنی نمودار ہو رہی تھی۔

☆☆☆

کمرے میں اس وقت موت سا گہرا سناٹا تھا کہ سوئی بھی گرنے کی آواز چنگھاڑ معلوم ہوتی۔ کریم سر جھکائے ہاتھ باندھے اس کے سامنے ایسے کھڑا تھا جیسے وہ کوئی جلاد ہے اور ابھی کچھ لمحوں میں اس کا سر تن سے جدا ہونے والا ہے۔ اس کی خاموشی میں چھپے خوف کو محسوس کرتے زیدی صاحب نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر اس کے چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ نا تو غصے میں تھی نا ہی اس کی نگاہوں سے شعلے نکل رہے تھے پھر بھی ایک سنجیدگی تھی جس نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا اور یہ وہی سنجیدگی تھی جو کسی کو بھی اپنے سامنے زبان نہیں کھولنے دیتی تھی۔ پھر بھلے وہ عبدالکریم شیف ہو یا اس کے ڈیڈ وقار احمد زیدی۔

''کیا ہے یہ؟'' اس نے سامنے رکھے پیالے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

''چکن کارن سوپ۔'' عبد الکریم ڈرتے ڈرتے بولا۔

''اوہ! چکن کارن سوپ''۔ اس نے باقاعدہ بھنویں اچکا کر شدید حیرت کا اظہار کیا۔ وہ اس کے طنزیہ انداز سے کچھ اور ہراساں ہوا تھا۔

''اس میں کارن کہاں ہے۔'' پیالے میں چمچہ گھماتے اس نے ایک اور سوال داغا۔

''وہ جی کارن فلور ڈالا تھا۔'' اس نے اپنے تئیں وضاحت دی اور یہی غلط کیا تھا۔

''یہ کارن فلور؟'' پیالے میں تیرتی کارن فلور کی پھٹکیوں کو چمچہ سے اٹھا کر اسے دکھایا گیا تھا۔ جلد بازی میں اس نے گرم یخنی میں کارن فلور مکس کیا تھا جس سے پھٹکیاں بن گئی تھیں اور پھر سوپ کی تیاری کے اختتام تک وہ حل نا ہو پائیں۔

''کتنا عرصہ ہو گیا آپ کو زیدی ہاؤس میں بطور شیف کام کرتے؟'' اس سے پہلے وہ کچھ جواب دیتا اس نے مزید پوچھا تھا۔

''دس سال!'' وہ شرمندہ سا بولا۔

''اور دس سال میں آپ کو چکن کارن سوپ بنانا نہیں آیا۔ ایسا لگ رہا ہے لیکوڈ سوپ (صابن) پی لیا ہو''۔ اس بار واضح طنز کرتے پیالہ ہاتھ سے کھسکا کر پرے کیا گیا تھا۔

''سوری جی۔'' عبدالکریم نے ہاتھ باندھے معذرت کی لیکن اس کی ڈکشنری میں ایسا کوئی لفظ نہیں پایا جاتا تھا۔

''جائیں یہاں سے اور کسی اچھے شیف سے کوکنگ کلاسز لینا شروع کریں۔'' عبدالکریم شکوہ کناں نگاہوں سے زیدی صاحب کی طرف دیکھتا ڈائننگ روم سے باہر چلا گیا۔ وہ ٹھوڑی پہ ہاتھ ٹکائے چپ چاپ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے کمرے سے باہر جاتے ہی وہ بیٹی سے مخاطب ہوئے تھے۔

''ویسے اتنا بھی برا نہیں یہ چکن کارن سوپ۔''

بے چارے زیدی صاحب تو ایسی لاپروائیوں کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے کہ یہ ان کی مجبوری تھی۔ عمر کے اس حصے میں تنہائی کا عذاب سہنا آسان کام نہیں ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک بس یہی ملازم تھے جن کا ساتھ انہیں حاصل تھا لیکن جب سے ایمان ان کے پاس آئی تھی زندگی بدل چکی تھی۔ اتنے سال بعد اکلوتی بیٹی کی محبت میں انہوں نے خود کو ہر چیز سے دست بردار کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ اپنا آفس بھی اس کے سپرد کر دیا تھا۔ چند ماہ پہلے ہی اس نے بطور منیجنگ ڈائریکٹر آفس کا انتظام سنبھالا تھا۔ زیدی صاحب خود چیئرمین تھے لیکن وہ بورڈ میٹنگز کے سوا کم ہی دفتر جاتے تھے۔

''وہاں آفس میں ایک سے ایک نکما ہائر کر رکھا ہے آپ نے اور یہاں یہ ہمارے شیف صاحب بیسک کھانا پکانا بھی نہیں جانتے اور آپ انہیں کچھ بھی نہیں کہتے۔'' وہ قدرے تعجب سے بولی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اپنا شکوہ بھی دہرا دیا تھا۔ جو کہ اکثر ہی کیا جاتا تھا۔ ایمان کو اس معاملے میں ہر طرح کا فری ہینڈ دینے کے باوجود زیدی صاحب نے اس بات کا پابند کیا تھا کہ وہ کسی پرانے ملازم کو نوکری سے نہیں نکالے گی۔ البتہ کام جیسے چاہے مرضی لے۔

''تم ہونا سب کو الٹا ٹانگنے کے لیے۔'' وہ باقاعدہ ہنستے ہوئے اپنا سوپ پینے لگے۔

''جب سے آئی ہو روز کسی نا کسی کی شامت آئی ہوتی ہے۔'' ایمان نے ایک گہری نگاہ ان کے مسکراتے چہرے پہ ڈالی اور دونوں کہنیاں میز پہ ٹکائے ہتھیلیوں کو مسلتے سنجیدگی سے بولی۔

''اوہ تو میری شکائتیں کی جارہی ہیں آپ سے۔''

''دل کا بوجھ ہلکا کرنے آجاتے ہیں معصوم میرے پاس۔''

''اور آپ ان سے اپنی بیٹی کی برائیاں سنتے ہیں۔'' وہ باقاعدہ برامان گئی تھی۔

''کسی میں ہمت ہے جو مجھ سے میری اکلوتی بیٹی کی برائی کرسکے''۔ اسے پچکارتے اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور ساتھ ہی بات کا رخ بدل دیا گیا۔

''اچھا چھوڑو یہ سب فضول باتیں، میں تم سے کچھ ڈسکس کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اس ویک اینڈ ربانیز کو ڈنر پہ انوائٹ کیا ہے۔ ان کا بیٹا ہے وہاب ربانی۔ آکسفورڈ گریجویٹ ہے۔ میں اسے تمہارے لئے کنسیڈر کر رہا ہوں''۔ اسٹیک کا ٹکڑا کانٹے میں پھنساتے ایمان کا ہاتھ وہیں ٹھہر گیا تھا۔

''ڈونٹ ایون تھنک آف ہم...... چیپ آچیسٹر ہی واز۔'' (اس کا سوچیے بھی نہیں گھٹیا تھا وہ)۔ اس نے فوراً ہی ان کی بات کو رد کر دیا تھا۔

''ویسے بھی مجھے یہ شادی وادی میں کوئی دلچسپی نہیں۔ مرد ذات اس قابل کہاں کہ اس کی وجہ سے اپنی زندگی خراب کرلی جائے''۔ وہ ایک بار پھر کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''تم بھول رہی ہو میں بھی ایک مرد ہوں۔'' انہوں نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں تو آپ کون سا عام مردوں سے مختلف ہیں۔ آپ نے میری ممی کے ساتھ کچھ الگ تھوڑی نا کیا تھا۔'' ایمان نے کندھے اچکاتے اس طرح اظہار خیال کیا جیسے وہ اپنے والد کا نہیں کسی تھرڈ پرسن کا تذکرہ کر رہی ہو۔

''تمہاری ماں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' وہ تاسف سے بولے تھے۔

''میں کوئی دودھ پیتی بچی نہیں تھی ڈیڈ جب آپ کی اور ممی کی طلاق ہوئی۔ آپ دونوں کا ریلیشن شپ کیسا تھا۔ کس طرح آپ ممی کو ٹریٹ کرتے رہے ہیں میں نے سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اینی وے۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی کون صحیح تھا اور کون غلط۔'' بے حد غیر جذباتی انداز میں کہتے اس نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔

''آپ دونوں کی زندگی تھی آپ نے اپنی مرضی سے جی لی۔ اب مجھے میری زندگی میرے مطابق گزارنے دیں اور پلیز یہ شادی والا ٹاپک دوبارہ نہیں۔'' وہ مزید بولی۔

''ایمان یہ تو غلط بات ہے بیٹا! میں تمہاری زندگی میں مداخلت نہیں کر رہا لیکن میں باپ ہوں تمہارا اور تمہیں لائف میں سیٹل دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری یا اپنی ماں کی غلطیوں کی سزا خود کو مت دو۔'' انہوں نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے سمجھانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

''میں خود کو کوئی سزا نہیں دے رہی ہوں ڈیڈ! میں خوش ہوں اپنی زندگی میں اور مطمئن بھی۔'' وہی سنجیدہ اور دوٹوک سا انداز تھا جس کے بعد مزید بحث کی جاسکتی تھی نا ہی گزارش اور اسے سمجھانا تو ناممکنات میں سے تھا۔

''اوکے گڈ نائٹ۔ مجھے ایک فائل ریویو کرنی ہے اور پھر سونا بھی ہے''۔ میز پہ دھرے نیپکن سے ہاتھ صاف کرکے اس نے اسے میز کی طرف اچھالا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے ڈائننگ روم سے جانے تک زیدی صاحب کی نگاہیں اس پہ مرکوز رہیں۔ وہ جیسے ہی کمرے سے نکلی انہوں نے ایک گہری سانس لے کر اپنا سر تھام لیا تھا۔

☆☆☆

وقار احمد زیدی شہر کے جانے مانے ہائی

پروفائل بزنس پرسن تھے۔ اللہ نے زندگی میں ہر شے سے نواز رکھا تھا لیکن پھر کہیں اس کے بندے اس کی یاد سے غافل نا ہو جائیں تو وہ ان کی دسترس سے کسی شے کو دور بھی کر دیتا ہے تا کہ اسے حاصل کرنے کی سعی میں بندہ اپنے رب کو یاد کرے، اس تک پہنچے، اسے پائے۔ جن کے پاس بہت کچھ آجاتا ہے تو شیطان انہیں کبھی کبھی راستے سے بھٹکا بھی دیا کرتا ہے۔ اپنے اس غرور میں کہ وہ کامل ہیں اکثر اپنے ہی ہاتھوں اپنے لیے مشکلات کا سامان اکٹھا کر لیتے ہیں اور کامل تو بس وہ رب ہے جس کے ہاتھ میں ہم سب کی زندگی کی ڈور ہے۔

زیدی صاحب کے پاس بھی دنیا جہان کی دولت تھی۔ جوانی، پیسہ، کامیابی اور عالی شان مکان...... پر یہ عالی شان مکان کبھی گھر نہیں بن پایا تھا۔ اپنے ہم پلہ اسٹیٹس کی منیبہ احسن کو شریک حیات بنا کر وہ سمجھتے تھے زندگی مکمل ہو گئی ہے لیکن زندگی یوں ہی مکمل نہیں ہوا کرتی۔ اسے مکمل اور خوب صورت بنانے کے لیے بہت کوشش کرنی پڑتی ہے اور اتفاق سے یہ کوشش نا تو کبھی وقار احمد زیدی نے کی نا ہی منیبہ نے۔ وقار پہ دولت اور کامیابی کا خمار تھا تو منیبہ اپنے اونچے اسٹیٹس کی بدولت کبھی مفاہمت نہیں کر پائی۔ ایمان کی پیدائش کے بعد بھی وہ دونوں دو الگ سیاروں پہ زندگی گزارتے رہے۔ دونوں نے ہی اس مکان کو گھر بنانے کی کوشش نا کی۔ یہی وجہ تھی کہ شادی کے پندرہ سال بعد بھی دونوں نے ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لی۔ منیبہ برٹش نیشنل تھی اور ایمان کی کسٹڈی بآسانی اسے مل گئی تھی۔ خود وقار احمد زیدی بھی ان دنوں بیٹی کی ذمہ داری کو درد سر سمجھتے تھے لہٰذا لمبے چوڑے ماہانہ اخراجات کی صورت انہوں نے اپنی جان چھڑا لی تھی۔ ایمان اپنی ماں کے ساتھ لندن چلی گئی جہاں اس کی تعلیم اور دیگر اخراجات زیدی صاحب ہی اٹھاتے رہے۔

ایمان سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی تھی اور وہی لائف اسٹائل اس کے ساتھ ہمیشہ رہا پر نا تو اسے باپ کی شفقت ملی نا ہی ماں کی توجہ۔ وہ ہوسٹلوں اور بورڈنگ کے علاوہ گھریلو ملازموں کی ذمہ داری تھی اور رہی۔ یہی وجہ تھی اسے کبھی بھی اپنے والدین سے لگاؤ نہیں تھا۔ وہ لندن میں ایک ہائی پروفائل زندگی گزارتی تھی۔ وہاں کے بہترین تعلیمی اداروں میں پڑھ کر اس کی شخصیت بے حد پر اعتماد تھی لیکن اس کا دل کسی بھی قسم کے جذبات سے خالی تھا۔ منیبہ کی اچانک موت کے بعد زیدی صاحب نے اسے پاکستان آنے کو کہا تھا۔ وقت اب بدل چکا تھا۔ بڑھاپا انسان کو ویسے بھی کمزور کر دیتا ہے۔ جس اولاد کی محبت سالوں پہلے محسوس نہیں ہوتی تھی اس کی کمی آج دن رات تڑپاتی تھی۔ زیدی صاحب کی شخصیت بہت بدل چکی تھی۔ غرور کی جگہ عاجزی نے ڈیرے ڈال لیے تھے۔ جو شخص اپنی بیوی کی ہوں برداشت نہیں کرتا تھا، آج ملازموں کی بڑی سے بڑی کوتاہی پہ بھی ہنس کر خاموش ہو جاتا تھا۔ اپنوں کو خود سے دور کر کے جو بے سکونی حصے میں آئی تھی اس کے بعد غیروں پہ عنایتوں کی صورت تھوڑا سا سکون حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

ایمان واپس نہیں آنا چاہتی تھی لیکن زیدی صاحب کو پڑنے والے دل کے دورے کی وجہ سے اسے مجبوراً آنا پڑا اور یہ پہلی بار تھا کہ وہ باپ کے لیے جذباتی ہوئی تھی۔ اسے روکنے کی خاطر زیدی صاحب نے اسے اپنا وسیع کاروبار سونپ دیا تھا۔ اس کے پاس بزنس کی ڈگری تھی اور وہ لندن میں ایک بڑی پوسٹ پہ کام کر رہی تھی۔ پاکستان آکر بھی اسے ایڈجسٹ ہونے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی سوائے یہاں کے ان پروفیشنل ماحول کے جو کسی حد تک زیدی صاحب کی نرمی کا نتیجہ تھا۔ ایمان کے آفس جوائن کرنے کے بعد عملے کو اس کے تیز مزاج اور بے تحاشا پروفیشنل انداز کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے میں شدید دشواری کا سامنا تھا لیکن سب سے زیادہ شامت دائم کی آئی رہتی تھی جس کا دفتر میں اچھا خاصا رعب ودبدبہ تھا لیکن یہ سب تو ایمان کے آنے

سے پہلے کی باتیں تھیں۔

زیدی صاحب پہلے تو ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ریسٹ پہ تھے پھر ایمان کو اسپیس دینے کی خاطر انہوں نے دفتر جانا بالکل کم کر دیا تھا۔ ویسے بھی وہ اس کی کارکردگی سے مطمئن تھے۔ وہ ان کی بیٹی تھی اور کاروباری سمجھ بوجھ اسے وراثت میں ملی تھی۔ ان کی یہ بھی دلی خواہش تھی کہ ایمان کا گھر بس جائے لیکن ایمان کو شادی کے نام سے چڑ تھی اور اس کی وجہ خود اس کے والدین خاص طور پہ زیدی صاحب ہی تھے۔ اب بھی انہوں نے اسے شادی کے حوالے سے ٹٹولا تھا اور وہ اپنا دوٹوک انکار ان کے منہ پہ مار کر چلی گئی تھی۔ وہ بہرحال بہت پریشان تھے۔ دل ہی دل میں انہوں نے اللہ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگی تھی ساتھ ہی ساتھ اپنی اکلوتی بیٹی کے دل میں نرمی کی دعا بھی کی تھی۔

☆☆☆

''ہیلو!'' میز پہ پڑے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی تھی ساتھ ہی ایک غیر شناسا نمبر سے میسج آیا تھا۔ وہ ایک فائل اسٹڈی کرنے کے بعد اب بس سونے ہی والی تھی اور سونے سے پہلے ہر بار کی طرح اپنی ای میل چیک کر رہی تھی جب اس کے واٹس ایپ پر ایک نیا میسج آیا چونکہ یہ نمبر اس کی کانٹیکٹ لسٹ میں نہیں تھا اس لیے نام بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عام حالات میں وہ کسی انجان کو ہرگز جواب نا دیتی لیکن ایک تو وہ نئی نئی پاکستان آئی تھی دوسرے اس کا بزنس سرکل بھی نیا ہی بن رہا تھا تو ہوسکتا ہے کوئی اس سے کام کے سلسلے میں رابطہ کرنا چاہتا ہو۔ یہی سوچ کر اس نے ایک محتاط سا جوابی میسج بھیجا تھا۔

''آپ کون؟'' میسج ٹائپ کر کے سینڈ کا بٹن دبا کر وہ چند ثانیے اسکرین کو تکتی رہی کہ اب کوئی اپنا تعارف کروائے گا۔

''آپ کا مرید۔'' جواب پڑھ کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

کوئی سامنے ہوتا تو وہ فون اٹھا کر اس کے منہ پہ دے مارتی۔ اسے بہرحال اندازہ ہو گیا تھا کہ یقیناً یہ کوئی فیک نمبر ہے اور اسے تنگ کیا جا رہا ہے۔ مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے اس نے نمبر کو واٹس ایپ سے بلاک کرنے کا سوچا لیکن اسی وقت ایک اور لمبا چوڑا میسج آ گیا تھا۔

''دیکھیں پلیز بلاک مت کیجیے گا۔ یقین جانیں میں خودکشی کرلوں گا اور مرنے سے پہلے ایک نوٹ لکھ کر مروں گا کہ میری موت کی ذمہ دار آپ ہیں۔ لے کے تیرا نام۔ تجھے بدنام...... میں کر جاؤں گا...... ہائے میں مر جاؤں گا۔'' اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آیا تھا۔ پتا نہیں کون اتنا فارغ اور سائیکو تھا جو رات کو اس کا سر کھانے کا ارادہ رکھتا تھا حالانکہ سارا دن کام کر کر کے اس کا سر اس وقت اچھا خاصا دکھ رہا تھا اور اسے اب بس نیند کی ضرورت تھی۔

''تم پاگل تو نہیں ہو؟'' نا چاہتے ہوئے بھی اس نے جل کر جواب دیا تھا۔

''میں تیرے عشق میں پاگل۔ ایسے گھومتا ہوں......''

''شٹ اپ۔ ابھی تمہارا نمبر سائبر کرائم کو رپورٹ کرتی ہوں۔ تمہیں نمبر سے ٹریک کر کے دیکھنا وہ کیسے جوتے لگائیں گے۔'' ایمان کا غصہ اس وقت آسمانوں پہ تھا۔ اس نے اپنے تئیں دھمکایا کیونکہ اسے یقین تھا یہ کوئی ٹین ایجر ٹائپ ہے جو کسی رینڈم نمبر پہ احمقانہ میسج کر کے ٹائم پاس کر رہا ہے۔ اب اس دھمکی کے بعد لازمی ڈر جائے گا۔

''یہ نمبر میرا نہیں میری نانی کا ہے۔ پچھلے سال ان کے گردوں میں پانی پڑ گیا تھا۔ بہت علاج کروایا لیکن بس اللہ نے ان کی اتنی ہی زندگی لکھی تھی۔ اب سائبر کرائم کو میری بے چاری مرحومہ نانی کو پکڑنے میانی صاحب کے قبرستان جانا ہوگا۔'' یہ تفصیل جان کر ایمان نے ہاتھ میں پکڑا فون ماتھے پہ دے مارا تھا۔

''اف...... یہ تو کوئی پاگل لگتا ہے۔'' زیرِ لب بڑبڑاتے اس نے حتمی نتیجہ نکالا تھا۔

''بہت دماغ کھا لیا تم نے میرا۔ اب میں تمہیں بلاک کرنے لگی ہوں۔''

''آپ اس نمبر کو بلاک کرنا چاہیں تو کر دیں۔ یہ تو ویسے بھی بند کروانا ہی ہے۔ نانی تو رہیں نہیں ان کا نمبر آن رکھ کے کیا کرنا۔ ویسے میرے مرحوم پھوپھا کی سم بھی میرے ہی پاس ہے۔'' اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ ہنسے یا روئے۔ اگر کچھ دیر مزید لگاتی تو یقیناً یہ شخص پتا نہیں کتنے اور مردوں کی سمیں استعمال کرنے کا دعوا کر دیتا۔ اسی لیے اس نے فوراً اُسے پہلے اس نمبر کو نا صرف واٹس ایپ پہ بلکہ اپنے فون پہ بھی بلاک کیا تھا تاکہ مستقبل میں ایسی فضولیات سے دوبارہ نا واسطہ پڑے۔

''اوہ مائی گڈ نیس...... یہ کون خبیث میرے گلے پڑ گیا ہے۔'' اپنا فون بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ پٹختے اس نے سائیڈ لیمپ آف کیا اور بیڈ پہ لیٹ گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے والی ہیجان بھری گفتگو سوچتے ہوئے اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے والی ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

پچھلے تین دن سے مختلف نمبروں سے اسے کسی نا کسی طرح میسج مل رہے تھے۔ کبھی سوشل میڈیا تو کبھی واٹس ایپ اور وہاں سے بلاک کرنے پہ اس کے فون نمبر پہ ڈائریکٹ میسج آنے لگتے۔ اس رات ایمان نے اس اجنبی کی غیر سنجیدہ باتوں کو سنجیدہ نا لے کر اسے بلاک کیا تھا لیکن اگلی صبح انجان نمبر سے دوسرے ذرائع سے پیغامات کی طویل فہرست اس کے فون پہ موجود تھی جن میں زیادہ تر بچگانہ اور سڑک چھاپ تھے۔ وہ وثوق سے کہہ سکتی تھی رومانوی بے ہودہ گانے اور رکشوں ٹرکوں کے پیچھے لکھے بے سر پیر کے اشعار کا سب سے بڑا ذخیرہ اس وقت اس کے موبائل میں تھا۔ وہ سائبر کرائم کو میل کر چکی تھی لیکن ان کا پیچیدہ اور طویل طریقہ اسے فوری طور پہ اس مشکل سے نہیں نکال سکتا تھا اور جو واحد حل بچا تھا وہ یہی تھا جو صبح سے وہ کر رہی تھی یعنی اگنور۔ تین دن سے انجان نمبروں سے آنے والے پیغامات درد سر بنے اسے کام پہ فوکس ہی نہیں کرنے دے رہے تھے۔ اب بھی وہ میٹنگ میں تھی اور بار بار اسکرین پہ نمودار ہوتے فضول پیغامات پڑھ کر اس کا خون بوائلنگ پوائنٹ عبور کر چکا تھا۔

''کل رات آپ کے حسین سراپے کو سیاہ لباس میں دیکھ کر احساس ہوا، کالی بدلیوں کے پیچھے سے سر نکالتا چاند اتنا رومانی کیوں لگتا ہے''۔ اس نے جھنجلا کر میز پہ پڑا فون اٹھایا اور اسکرین پہ دکھائی دیتے میسج کو پڑھ کر اس کا پارہ سوا نیزے پہ چلا گیا تھا۔

''اس کا مطلب یہ مجھے اسٹاک (تعاقب) کر رہا ہے۔'' بے اختیار ایمان نے اپنا سر تھام لیا۔ گو آواز مدہم تھی لیکن سامنے بیٹھے دائم کی زیرک نگاہوں سے اس کا چونکنا چھپ نہیں سکا تھا۔ پلاننگ اور کوالٹی کنٹرول کو لے کر ہو رہی اہم میٹنگ میں ایمان موجود ہو کر بھی غیر حاضر تھی اور یہی وجہ تھی دائم پرسکون اور مطمئن تھا۔ اس کی بات بے بات تنقید اور کراس کوسچنگ سے تو وہ ہمیشہ عاجز رہتا تھا لیکن آج چونکہ ایمان کا دھیان پوری طرح پریزنٹیشن میں نہیں تھا تو دائم سے سوالات بھی کیا کر پاتی۔ کچھ بھی تھا سلمان کا آئیڈیا کام کر گیا تھا۔ فوری نہیں لیکن اتنے دن بعد وہ ایمان کو پریشان کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ شروع میں جب سلمان نے دائم کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ ایمان کو انجان نمبر سے پیغامات بھیج کر اس کا ناک میں دم کرے کہ وہ بوکھلا جائے تو دائم نے فی الفور منع کر دیا تھا۔ ایک تو اس نے کبھی ایسی فضول حرکت کالج لائف میں بھی نہیں کی تھی دوسرے اس اہم پوسٹ پہ بیٹھ کر باس کو الٹے سیدھے میسج کرنا اور اگر پکڑا گیا تو ذلت کی کوئی حد ہی نہیں ہو گی لیکن سلمان نے اسے قائل کر ہی لیا تھا۔ پھر وہ یہ سب بہت طویل عرصے تک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد صرف ایمان کو تنگ کرنا تھا جس طرح وہ انہیں دفتر میں پریشان کر رہی تھی۔

''کیا ہوا میڈم سب خیریت ہے نا؟'' لوہا گرم دیکھ کر سامنے بیٹھے دائم نے بڑی تشویش سے سوال کیا

تھا۔ وہ جانتا تھا سلمان پیچھے اپنے کیبن میں بیٹھا کام پہ لگا ہوا ہے۔ اب سلمان کو اگلی چال چلنی ہے۔

''ہوں؟'' گہری سوچ میں ڈوبی وہ اب تک یہی سوچ رہی تھی کہ آخر اسے کیسے علم ہوا کل رات کی پارٹی میں ایمان نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ جو بھی تھا اسے جانتا تھا جبکہ پچھلے چند روز سے وہ یہی سوچ رہی تھی کہ یہ کوئی انجان اور ٹین ایج احمق سا لڑکا ہے اور ٹائم پاس کے لیے تھرل کر رہا ہے۔ سلمان کی آواز پہ وہ یکدم چونکی۔

''نہیں...... میرا مطلب ہاں...... سب ٹھیک ہے۔'' فون واپس میز پہ رکھتے اس نے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنے بالوں کو سنوارا اور پھر کچھ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ دائم کو دل ہی دل میں مایوسی ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا شاید ایمان اسے اپنی پریشانی بتا دے گی لیکن بہر حال ابھی دلی دور تھی۔ اس بندی کو خود پہ اچھا خاصا کنٹرول تھا۔

''آپ بتائیں آپ کیا کہہ رہے تھے؟'' اس نے سنجیدگی سے دائم سے سوال کیا۔

''وہ میں آپ کو بتا رہا تھا سلیکون والوں نے ہمارے پرپوزل......'' سلمان نے گلا کھنکارتے ایک بار پھر کہنا شروع کیا۔ ٹھیک اسی وقت ایمان کے فون کی اسکرین روشن ہوئی تھی جس پہ ایمان نے جھپٹ کر فون اٹھا لیا۔

''ایک سیکنڈ۔'' دائم یکدم چپ ہو کر ایمان کو دیکھنے لگا جو فون پہ آیا ایس ایم ایس پڑھ رہی تھی۔

''آپ اس طرح پریشان اور کھوئی کھوئی بالکل بھی اچھی نہیں لگتی ہیں۔ یقین جانیں آپ کے حسین چہرے پہ بکھری مسکراہٹ موسم بہار میں کھلے پھولوں سا گمان دیتی ہے۔'' دائم کو اس وقت تجسس بھی ہو رہا تھا کہ سلمان آخر اسے کیا میسج بھیج رہا ہے لیکن ایمان کے چہرے کی بدلتی رنگت سے کچھ کچھ اندازہ تو وہ بھی کر سکتا تھا۔ اس نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی تھی۔

''اسے کیسے معلوم میں اس وقت پریشان ہوں۔ کہیں یہ کوئی آفس کا......'' ایمان کا انداز خود کلامی سا تھا لیکن آواز اتنی اونچی تھی کہ دائم صاف سن اور سمجھ سکتا تھا۔ وہ یکدم ہی اپنی کرسی سے اٹھی تھی اور بے اختیار اپنے گلاس کیبن کی دیوار تک جا پہنچی۔ باہر اسٹاف کے چند لوگ گھوم پھر رہے تھے۔ اس کی سیکرٹری فون پہ مصروف تھی۔ ایمان کو اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔

''از ایوری تھنگ آل رائٹ مس زیدی؟''

(کیا سب کچھ ٹھیک ہے مس زیدی؟) دائم بھی اس کی سنگت میں مودبانہ انداز میں اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دائم کے سوال پہ توجہ دینے کے بجائے وہ اب ایک نیا میسج پڑھ رہی تھی۔

''سچ پوچھیں تو آپ کا ''کھجور قامت'' سراپا اب تک میرے دل پہ ستم ڈھا رہا ہے۔''

''الو کا پٹھا۔'' کرسی پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے اس نے تلخی سے کہا۔

''جی؟'' دائم کی روح کانپ گئی تھی کہیں بادل ناخواستہ اس کی چوری پکڑی گئی۔

''نہیں آپ نہیں۔ وہ میں...... اف......''

ایمان نے جلدی سے وضاحت دی لیکن وہ واقعی پاگل ہونے والی تھی۔ فون میز پہ پٹخ کر ایمان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''کوئی پرابلم ہے آپ کو۔ کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں؟'' چینی دان کی ساری شیرینی دائم نے اپنے لہجے میں گھول کر بڑی اپنائیت سے سوال کیا تھا۔

''آپ؟'' ایمان نے سر اٹھایا۔

''آپ مجھ پہ بھروسا کر سکتی ہیں۔'' دائم کے یقین دہانی والے انداز پہ ایمان نے چند ثانیے لب کاٹتے سوچا اور پھر بالآخر اپنی پریشانی سلمان سے شیئر کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ اس ملک میں نئی تھی اور اکیلی بھی۔ ایسی باتیں لوگ اکثر اپنے دوستوں سے شیئر کر لیتے ہیں جبکہ ایمان کا یہاں کوئی ایسا قابل بھروسا دوست نہیں تھا اور شاید اسے اس سچویشن سے چھٹکارے کے لیے کسی کی ضرورت تھی۔

''دائم دراصل...... کوئی پچھلے ایک ہفتے سے

مجھے واٹس ایپ پہ اوٹ پٹانگ میسج بھیج رہا ہے۔" اس نے بتانا شروع کیا۔

"آپ کو؟" دنیا جہان کی حیرت چہرے پہ سجائے دائم نے ناقابل یقین انداز میں سوال کیا تھا۔

"مختلف نمبرز سے دن میں بکواسیات لکھ لکھ کر بھیجتا رہتا ہے۔ ایک دو دن میں نے اگنور کیا شاید کوئی پاگل ہے خود ہی پیچھے ہٹ جائے گا لیکن وہ باز ہی نہیں آرہا۔" ایمان نے تفصیل بتائی تو دائم ہونقوں کی طرح سنتا رہا۔

"ایک دو نمبر بلاک کر چکی ہوں، ایک سم بھی رپورٹ کی ہے لیکن وہ روز کسی مرے ہوئے رشتے دار کی سم سے فضول باتیں لکھ لکھ کر بھیجتا رہتا ہے۔" اس نے مزید کہا۔

"اوہو یہ تو بہت سنگین جرم ہو رہا ہے۔" بالآخر دائم نے لب وا کیے تھے۔ سر ہلاتے بڑے مضحکہ خیز میں انداز میں بولا تو ایمان کچھ اور پریشان ہوگئی۔

"کیا؟" اسے لگا شاید کوئی ایسا قانون جو خود اس کے علم میں نا ہو دائم کی بدولت اس مسئلے کو حل کر پائے۔ وہ پرامید ہوئی تھی۔

"یہی کہ ایک شخص آپ کو "گندے میسجز" کر رہا ہے"۔ وہ بدستور سنجیدہ تھا۔

"اف..... گندے میسج نہیں کرتا وہ۔ بس اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہتا ہے۔ ویسے بھی ہماری عوام کے پاس تو فالتو وقت کی کمی نہیں لیکن اس ایڈیٹ کی وجہ سے میں اپنے کام پہ یکسوئی سے توجہ نہیں دے پا رہی ہوں"۔ وہ ایک دم چڑ کر بولی۔ پتا نہیں یہ بات کو کہاں سے کہاں لے گیا ہے اور کیا سمجھ رہا ہے۔ اسے اپنے فیصلے پہ افسوس بھی ہوا تھا خواہ مخواہ اسے راز دار بنالیا۔

"کبھی کبھی تو مجھے شک ہوتا ہے وہ میرے اردگرد والوں میں سے ہی ہے"۔ ایمان کو یقین ہو چکا تھا یہ جو بھی ہے آس پاس موجود ہے لیکن اس طرح کسی کو بھی شک کے دائرے میں بغیر ثبوت لا کر کھڑا تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"آپ کو کسی پہ شک ہے؟" دائم میز پہ کہنیاں ٹکائے کرسی سے آگے کھسک آیا۔ دل ہی دل میں آیات حفاظت کا ورد کرتے اس نے بظاہر اپنا لہجہ نارمل رکھا تھا۔ ایمان نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا تو سلمان کے اوسان قابو میں آئے۔ جو بھی تھا وہ فقط الجھی ہوئی تھی کسی نتیجے پہ نہیں پہنچی تھی ورنہ مجبور ہو کر دائم کو شاملِ راز نا کرتی۔

"کیا میں وہ میسج دیکھ سکتا ہوں۔" ایمان کے چہرے پہ نظر آتی کشمکش اتنی واضح تھی کہ دائم کو اپنے سوال کے نامناسب ہونے کا شبہ ہوا۔

"میرا مطلب اگر مناسب سمجھیں تو......"

ایمان نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا فون ان لاک کر کے دائم کو تھما دیا۔ دائم نے ایک نگاہ ایمان کو دیکھا اور پھر پیغامات پڑھنے لگا۔ ان میں سے بہت سے میسج خود اس کی کارستانی تھے۔ بقیہ حالیہ پیغامات سلمان کی شیطانی تھی۔

"کھجور قامت؟" پڑھتے پڑھتے وہ یکدم اس لفظ پہ اٹک گیا تھا۔

"اردو تو بہت ہی خراب ہے اس کی۔ جاہل کو اتنا بھی نہیں معلوم "کھجور" نہیں "سرو قامت" ہوتا ہے۔" بے ساختہ دل کی بات زبان پہ آگئی تھی۔ انداز میں تاسف بھرا تھا۔ ایمان جو اپنی طرف سے اس آس میں تھی کہ دائم اس مشکل سے نکلنے کا کوئی پکا حل بتائے گا اس کے انداز پہ چڑ ہی تو گئی۔

"آپ اس کی اردو میں کیڑے نکالنے کے بجائے مجھے اس کا کوئی مناسب حل بتائیں کہ اس منحوس سے جان کیسے چھڑاؤں۔" ماتھے پہ بل ڈالے اس نے اپنا فون دائم سے واپس لے لیا تھا۔ دائم کچھ خجل ہوا لیکن اب چونکہ ایمان اسے اپنا راز دار بنا چکی تھی تو بہرحال اس کی دکھتی رگ پہ دائم کا ہاتھ تھا۔

"حل تو بہت آسان ہے میم!" کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے دائم نے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا۔

"اچھا..... وہ کیا؟" ایمان پرامید ہوئی۔

''پیار سے......'' وہ پوری بتیسی کی نمائش کرتے مسکرایا تھا۔

''واٹ؟'' ایمان کو شاک لگا تھا۔ وہ جو کسی سائبر کرائم آفیسر، یا کوئی ٹیلی کام مینیجر تک رسائی کی امید لگا رہی تھی اس الٹی تجویز پہ میز پہ پڑا پیپر ویٹ اٹھا کر دائم کے سر پہ دے مارنے کی سوچ رکھتی تھی۔ خود دائم بھی اب اس کا ذہن پڑھنے لگا تھا کیونکہ اس وقت اس کی نگاہ بھی اسی پیپر ویٹ پہ جمی تھی۔ بہر حال اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پہ اپنی کرسی کچھ پیچھے کو کھسکائی تھی۔

''ٹرسٹ می ایسے یہ خود ہی بھاگ جائے گا۔ بس آپ اس کے پیار بھرے میسجز کا جواب میٹھے میٹھے انداز میں دیں، پیار سے۔'' سلمان کا انداز التجائیہ تھا۔ ایمان اب بھی اسے بے حد سنجیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی بلکہ شاید کمرے سے نکالنے کا سوچ رہی تھی۔

''آپ کے لیے کچھ مشکل تو ضرور ہوگا لیکن......'' دائم زیرِ لب بڑبڑایا۔ اسی وقت سیل فون پہ ایک نیا میسج نمودار ہوا۔

''ایک اور میسج۔'' وہ باقاعدہ چلائی۔

''کل رات تو آپ میرے خواب میں بھی آئی تھیں۔'' وہی اجنبی نمبر اور وہی احمقانہ انداز۔ ایمان نے اس بار اونچی آواز میں میسج پڑھ کر دائم کو بھی سنایا تھا۔

''اس کا جواب لکھیں۔'' دائم نے مشورہ دیا۔

''پیار سے، ہیں...... پلیز۔ جان چھڑانی ہے نا اس سے۔'' اس کا انداز پچکارتا سا تھا جیسے کوئی ننھے بچے کو راضی کرنے کے لیے پیار اور التجا ایک ساتھ کرتا ہو۔

''کیا لکھوں؟'' وہ زچ ہوئی بہر حال اس نے دائم کی بات ماننے کا فیصلہ کیا تھا۔

''یہ بھی اب میں بتاؤں؟'' دائم شدید حیرت سے سوال کرتا کرسی پہ پھیل کر بیٹھ گیا۔

''اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں اس کو کیا جواب دوں؟'' وہ کھسیانے انداز میں چڑ کر بولی۔

''آپ لندن میں رہ چکی ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم لڑکوں سے پیار سے بات کیسے کی جاتی ہے۔'' اس سے پہلے ادب و آداب سے بات کرتے بھی اس کی ایمان کے آگے متوقع بے عزتی کے ڈر سے جان نکلتی تھی اور اب ایک ہی جھٹکے میں بے تکلفی اس حد تک غالب آئی۔ وہ ایسے طنزیہ کہہ رہا تھا جیسے نصاب میں سے ڈنڈی ماری ہو۔

''ایکسکیوز می، لندن میں اس کام کی کوئی باقاعدہ کلاسز نہیں دی جاتی ہیں کہ بے ہودہ اور سر پھرے لڑکوں کے بے تکے میسجز پہ کیا کہنا ہے''۔ ایمان بھی اس بے تکی بات پہ سیدھی ہوگئی تھی۔ اب کم سے کم اس کے ذہن کی لڑکی کو تو واقعی اس بات کا علم نہیں تھا کہ ایسے مواقع پہ پیار سے جواب کیسے دیا جاتا تھا کیونکہ وہ پچھلے چند دن سے اتنی جلی کٹی بیٹھی تھی کہ یہ شخص اس کے سامنے ہوتا جو کہ اتفاق سے اس وقت اس کے سامنے ہی تھا تو وہ خون پی جاتی اس کا۔

''اچھا لکھیں۔'' دائم نے دونوں بازو میز پہ ٹکائے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''خوابوں میں ہی ملاقات کا ارادہ ہے کیا۔ روبرو آنے کا دل نہیں کرتا تمہارا؟'' ایمان جو سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ تھی جواب سن کر ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''کیا بکواس ہے۔ میں اسے یہ سب لکھوں؟'' فون میز پہ پٹختے اس نے چیخ کر کہا۔

''جی میم! جان بھی تو چھڑوانی ہے نا'' وہ جل کر بولا۔

اسے سامنے بلائیں کسی طرح پیار سے گھیر کر پھر جب وہ ملنے آئے گا تو اس کی چھترول کر دیں گے''۔ ایمان کو فون واپس پکڑاتے اس نے تفصیل بتائی۔

''چھترول؟'' بائیں ابرو اچکائے اس نے سوالیہ انداز میں دائم کو دیکھا۔

''یہ پاکستانی اسپیشل آئٹم ہے جو ہر بار پکڑے

جانے پہ لی جاتی ہے۔ آپ چھوڑیں اسے ابھی اس کو جواب لکھیں۔" دائم نے ہاتھ کے اشارے سے میسج ٹائپ کرنے کو کہا۔ ایمان کچھ سمجھی کچھ نا سمجھنے کی کیفیت میں ابھی دائم کا بتایا میسج لکھنے لگی۔

"کیا خیال ہے کسی تاروں بھری رات ڈنر پہ نا چلا جائے۔" گو غصہ تو بہت آ رہا تھا لیکن اب دائم سے مشورہ مانگا تھا تو اس پہ عمل بھی کرنا ہی تھا۔

"نو ریپلائی۔" تقریباً دس منٹ تک کوئی جواب نہیں آیا تھا حالانکہ سلمان میسج دیکھ چکا تھا۔ ایمان نے اسکرین کا رخ اس کی طرف کرتے دکھایا۔

"لگتا ہے بے ہوش ہو گیا بے چارہ!" دائم اس وقت سلمان کی ذہنی حالت سمجھ سکتا تھا۔ ایمان سے ملنے والے گذشتہ جوابات کے بعد اچانک یہ ملاقات کی باتیں اس کے حواس گم کرنے کو کافی تھیں۔ دائم کچھ سوچتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھا اور تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔" ایمان نے پیچھے سے پکارا۔

"پانی پلانے...... میرا مطلب پانی پینے۔" گھبرا کر کہتے وہ کیبن سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

اب تک وہ دونوں مل کر مختلف نمبروں سے ایمان کو پریشان کر رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دائم کے بغیر سلمان نے ایمان کو میسج بھیجے۔ دائم دراصل ایمان کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا اس لیے وہ سلمان کے ذمہ یہ اہم کام لگا کر آیا تھا۔ ایمان واقعی ہی پریشان تھی۔ اس کی حالت سے حظ اٹھاتے دائم نے وہیں بیٹھے بیٹھے پلان بی تیار کیا تھا۔ ایمان نے اپنی صورتحال سے مجبور ہو کر اسے اپنے راز میں شامل کر لیا تھا۔ بہر حال ان دونوں کو یہ سلسلہ جلد ہی ختم کرنا تھا کیونکہ اس میں خطرہ بہت زیادہ تھا۔ عموماً ایسے معاملات میں سم یا سیل ٹریس ہونے میں ہفتہ دس دن لگ جاتے ہیں کیونکہ سائیبر کرائم کا اپنا ایک مخصوص طریقہ کار ہے اور اس کے بغیر وہ فقط ای میل یا کال پہ فوری ایکشن نہیں لیتے۔ جب تک ایمان کوئی بڑا ایکشن لیتی اس سے پہلے ان کا ارادہ تھا وہ یہ پنگا ختم کر دیں گے لیکن اچانک دائم کی مدد کی آفر پہ ایمان نے اس پہ بھروسا کر کے اسے اپنا شریکِ راز بنا لیا تھا تو دائم نے یہی سوچا کہ اس طرح ایمان کے جلے کٹے رویے سے کیا پتا ہمیشہ کے لیے اسے چھٹکارہ مل جائے۔ آخر وہ اس کی مدد جو کرے گا اور ایمان کی گڈ بکس میں آ جائے گا۔ سلمان اس پلان بی کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ اچانک ایمان کے جھنجلائے ہوئے جلے کٹے دھمکی آمیز پیغامات کی جگہ بیٹھے بیٹھے ملاقات کے پیغام آنے شروع ہوئے تو اس کا چونکنا یقینی تھا۔ وہ تو نہیں جانتا تھا اندر دائم کیسے ایمان کو مشورے دے رہا ہے۔ وہ واقعی ہکا بکا اور پریشان ہو گیا تھا۔ جب دائم اس کے کیبن میں پہنچا تو وہ شدید بے یقینی کی کیفیت میں ایمان کی بدلی ہوئی کیفیت دائم کے گوش گزار کرنے لگا۔

"سب جانتا ہوں۔ یہ جواب اس نے میرے ہی کہنے پہ لکھے ہیں بیٹا!" کالر اٹھا کر اس نے گردن اکڑائے اپنی حالیہ کارکردگی پہ خود کو خود ہی داد دی تھی۔

"تیرے کہنے پہ؟" سلمان متعجب سا نا سمجھنے کے سے انداز میں اس کی طرف متوجہ تھا۔ دائم نے سارا معاملہ اس کو کہہ سنایا۔

"اچھا خاصا ایڈونچر چل رہا تھا اتنی جلدی ختم کرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔" سلمان کو ابھی اس میں لطف آ رہا تھا لیکن دائم نے اسے سمجھایا اس سے زیادہ ایمان کو پریشان کرنا ان کی ملازمت کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ ویسے بھی اس نقطے تک تو وہ آج ہی پہنچ چکی تھی کہ کوئی بہت قریب کا شخص ہے جو اسے ایسے تنگ کر رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ گھیرا تنگ ہو انہیں خود اس مسئلے سے نکل جانا چاہیے۔ سلمان نے بھی خیر اس کی بات سے اتفاق کیا تھا اور پھر ان دونوں نے بڑے طریقے سے اس معاملے کو ختم کر دیا تھا۔ ایمان کی ان جنک میسجز سے جان چھوٹی تو اس نے کلمۂ شکر ادا کیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ دائم کے لیے

اس کے رویے میں نرمی آئی تھی۔ وہ اب فقط اس کا ایمپلائی ہی نہیں ہم راز بھی تھا۔ اسے تو یہی لگتا تھا چونکہ اس نے دائم کے مشورے پہ عمل کیا ہے۔ اپنی پریشانی کے خاتمے پہ وہ دل سے دائم کی ممنون ہوئی تھی جس نے بروقت اس کی ٹینشن ختم کردی۔ یہی وجہ تھی کہ اب دفتر میں ایمان کا رویہ بالخصوص دائم کے ساتھ نارمل ہو چکا تھا۔ وہ بات بے بات ڈانٹنا، معمولی سی غلطی پہ طنز کے تیر چلانا اور اپنے معیار سے کم چیز پہ اس کی سب کے سامنے تضحیک میں واضح کمی آئی تھی۔ دائم نے واقعی شکر کا کلمہ پڑھا تھا ساتھ ہی فرط جذبات سے سلمان کو گلے لگا کر پرے دھکیل دیا تھا (کہ اس سے زیادہ وہ اس سے محبت نہیں جتا سکتا تھا) جس کی حاضر دماغی نے اس کی جان ایمان کی ڈانٹ پھٹکار سے چھڑا دی تھی۔

☆☆☆

''مسٹر دائم! آپ کا کیا خیال ہے پلانٹ کی ایکسٹینشن کے بارے میں۔'' بورڈ میٹنگ میں یہ تیسری بار تھا جب ایمان نے اپنی بات سے ہٹ کر ساتھ بیٹھے دائم کی رائے مانگی تھی۔ زیر لب مسکراہٹ کو دباتے سلمان نے دائم کی طرف دیکھا تھا جو ایمان کی طرف سے ملنے والی اس غیر معمولی توجہ پہ بدہضمی کا شکار ہو رہا تھا تو دوسری طرف زیدی صاحب نے بھی ایمان کے بدلے ہوئے انداز پہ دل ہی دل میں حیرت کا اظہار کیا تھا۔ دائم کو دفتر کے ہر شخص کے سامنے اتنی بار ڈانٹ پڑ چکی تھی کہ ایمان کا اس کو اتنے احترام سے مخاطب کرنا سب کے لیے ہی حیران کن تھا لیکن اس بدلے ہوئے انداز کے پیچھے دائم نے کتنے پاپڑ بیلے تھے گر ان کا حساب لکھا جاتا تو رجسٹر بھر جاتا۔

ایمان جیسی دماغ والی بندی کو دائم فقط ایک مشورے سے خاموش نہیں کرا سکتا تھا۔ ویسے بھی اس طرح اس کا شک یقین پکڑ لیتا کہ فقط ایک ملاقات کی خواہش پہ اس اجنبی نے اتنی آسانی سے ایمان کا پیچھا چھوڑ دیا۔ لہٰذا اس کھیل کا ڈراپ سین بہت سوچ سمجھ کر پلان کیا گیا تھا۔ دائم نے سلمان کو ہی بھیس بدل کر ایمان کے بلاوے پہ پہنچنے کے لیے راضی کیا تھا جس کے عوض سلمان نے فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر ٹھونسا تھا۔ بعدازاں دائم نے اپنی جیب ہلکی کرنے کا بدلہ سلمان کی طبیعت ہلکی کر کے پورا کر لیا تھا۔ ایمان کو لائیو چھترول کی ٹیلی کاسٹ دکھانے کی خاطر دائم نے سلمان کی دل کھول کے پٹائی کی تھی۔ ایمان تو اسے پولیس میں دینا چاہتی تھی لیکن دائم نے ہی اسے سمجھا بجھا کر ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ بہرحال جو بھی ہوا نتیجہ دائم کے حق میں آیا تھا اور اب ایمان اس دفتر میں دائم پہ دل سے بھروسا کرنے لگی تھی جس نے ذاتی طور پہ اس کے مسئلے میں شامل ہو کر اسے ایک دردسر سے نجات دی تھی۔

باقی اسٹاف نے تو فقط ایمان کا دائم سے نرم لہجہ نوٹ کیا تھا لیکن زیدی صاحب نے باقاعدہ استفسار کرتے ہوئے بیٹی سے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

''آج کل دائم پہ کافی ڈپینڈ کر رہی ہو۔'' وہ لیپ ٹاپ اسکرین پہ نظریں جمائے بڑے مگن سے انداز میں ایک فائل کا مطالعہ کر رہی تھی جب وقار احمد زیدی نے اپنے چائے کے کپ سے چسکی بھرتے سوال کیا۔ وہ مسکراتی نظروں سے اب اس کی طرف متوجہ تھے جیسے اپنے سوال کا جواب چاہتے ہوں۔

''کیوں نہیں کرنا چاہیے؟'' اس کا چہرہ بے تاثر تھا اور لہجہ کچھ الجھا ہوا۔ وقار احمد زیدی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا وہ ہنوز اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''وہ ہمارا جنرل منیجر ہے اور آپ نے اس کی ایفی شنسی دیکھ کر ہی اسے یہ پوسٹ دی تھی۔'' کندھے اچکا کر اس نے جیسے اپنے تئیں وضاحت دی تھی جس سے وہ مطمئن ہو پائیں۔ ان کی بندوق ان کے اپنے کندھے پہ رکھ کر چلانے کی کوشش۔

''میرے اور تمہارے معیار میں کافی فرق ہے۔ تمہیں تو وہ کبھی اتنا قابل نہیں لگا۔'' چائے کا

کپ میز پہ واپس رکھتے وقار زیدی صاحب نے دونوں بازو میز کے کونے پہ ٹکا لیے۔ ان کے چہرے پہ ایک بامعنی سی مسکراہٹ تھی جس سے ایمان خاصی کنفیوژ ہو رہی تھی شاید اسی لیے اس نے نگاہیں دوبارہ واپس لیپ ٹاپ پہ مرکوز کر لی تھیں۔

"میری ججمنٹ (رائے) غلط بھی تو ہو سکتی ہے ڈیڈ! ویسے آپ کو میرا اسے انوالو کرنا پسند نہیں آیا تو میں پھر سے وہی پرانا سٹینڈرڈ مینٹین کر لیتی (معیار برقرار رکھتی) ہوں۔" یہ جیسے جان چھڑانے کا سا انداز تھا۔ تیزی سے کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتے وہ تیز لہجے میں بولی۔ اب انہیں یہ تو بتا نہیں سکتی تھی کہ ایک چھوٹے سے احمقانہ مگر انتہائی ذاتی نوعیت کے مسئلے میں دائم نے آؤٹ آف وے جا کر اس کی مدد کی ہے۔ بتا دیتی تو شاید وہ اس کی حالیہ کیفیت کو سمجھ جاتے مگر ایمان کا ابھی ان سے وہ تعلق قائم نہیں ہوا تھا جہاں وہ ان سے اپنے ذاتی مسائل بانٹتی۔ ابھی باپ بیٹی میں سالوں کا فاصلہ برقرار تھا گو زیدی صاحب اسے عبور کرنا چاہتے تھے لیکن ایمان ان کی ہر کوشش ناکام کر رہی تھی۔ وہ ابھی ماضی کو بھولنے کے حق میں نہیں تھی۔

"ایسی بات نہیں انفیکٹ تم نے بہت اچھا کیا دائم کے ساتھ اپنا رویہ بدل لیا۔ وہ بہت لائق اور قابلِ بھروسا انسان ہے۔ پھر جوان خون زیادہ پرعزم ہوتا ہے۔ اس کی مثال تو تم خود ہو۔" اس کا اجنبی سا انداز دیکھ کر وقار احمد زیدی صاحب نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔ مبادا وہ سچ میں اسے جنرل منیجر سے واپس چپڑاسی کے لیول پہ نہ لے آئے۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں دائم واقعی اچھا انسان ہے اور قابلِ بھروسا بھی۔ اپنے عہدے کے مطابق وہ سب سے مناسب شخص ہے۔" وہ گہری سوچ میں تھی۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے وہ اپنے ہی دھیان میں گم بولی تھی۔

"چلو اس بہانے تمہیں کوئی مرد تو مناسب اور قابلِ بھروسا محسوس ہوا۔" زیدی صاحب نے ہنستے ہوئے لقمہ دیا۔ وہ ایکدم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ڈیڈ وہ ہمارا ایمپلائی ہے اور میں بس اسے اسی مناسبت سے ٹریٹ کر رہی ہوں لہٰذا آپ بھی اپنے اندازے لگانے بند کر دیں۔ یہ دیکھیں فیزیبلٹی رپورٹ اور بتائیں اس میں کوئی چینجز کروانے ہیں تو میں کروا دیتی ہوں۔" سنجیدگی سے انہیں تنبیہ کرتے اس نے سامنے پڑے لیپ ٹاپ کا رخ ان کی طرف پھیر دیا۔ زیدی صاحب نے مسکرا کر اس کے ناراض چہرے کو دیکھا اور پھر سر ہلاتے اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☆☆☆

تانیہ ویسے تو کراچی کی رہائشی تھی لیکن برسوں سے وہ اور اس کی فیملی لندن میں مقیم تھے۔ اتفاق سے تانیہ وہ واحد پاکستانی لڑکی تھی جس سے پچھلے کئی سالوں سے ایمان کی دوستی تھی۔ ہائی اسکول اور پھر کالج میں بھی وہ دونوں کلاس فیلوز رہ چکی تھیں اور اسی مناسبت سے ان کی اچھی بات چیت تھی۔ اتفاق سے تانیہ ان دنوں پاکستان آئی ہوئی تھی۔ اب ایمان یہاں تھی تو وہ بطورِ خاص اس سے ملنے چلی آئی۔ اس کی چند روزہ آمد نے ایمان کی لگی بندھی روٹین کی زندگی میں تبدیلی پیدا کی تھی۔ آفس کے ساتھ وہ اسے بھی وقت دے رہی تھی کیونکہ یہاں تانیہ صرف ایمان کو ہی جانتی تھی۔ آج ایمان تانیہ کو ایک آرٹ گیلری دکھانے لے گئی تھی جہاں سے واپسی پہ ایک پرتکلف لنچ کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ آفس لے آئی تھی۔ اسے کچھ اہم کاغذات پہ دستخط کرنے تھے تو یہی سوچا لگے ہاتھوں اس کام کو نمٹا لیا جائے۔ اس کی آمد کا سن کر دائم بھی اس سے فیکٹری کا ایک مسئلہ ڈسکس کرنے چلا آیا۔ چونکہ آج کل وہ دفتر کم آ رہی تھی تو میٹنگ کا موقع بھی نہیں مل رہا تھا۔ تانیہ کی موجودگی میں مختصر بات کرنے کے بعد وہ جلد ہی اس کے دفتر سے نکل آیا تھا۔

"یہ تمہارا منیجر ہے؟" تانیہ کے لہجے میں بے

یقینی تھی۔ وہ فطرتاً ہنس مکھ اور خاصی زندہ دل لڑکی تھی۔ ایمان سے اس کی طبیعت یکسر مختلف تھی۔ جو دل میں ہوتا اسے فٹ منہ پہ کہہ دینے والوں میں سے تھی اور اپنی ایکسائٹمنٹ کبھی نہیں چھپاتی تھی۔

''جی ایم۔'' ایمان نے مختصر کہتے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

''اسے تو کسی لگژری پراڈکٹ کا برانڈ ایمبیسیڈر ہونا چاہیے ایمان!'' تانیہ دبے دبے جوش سے بولی ساتھ ہی اپنی کرسی سے کھسک کر آگے ہوگئی۔ ایمان قدرے سنجیدہ تھی۔

''کیوں ایسی کیا خاص بات ہے اس میں۔'' حالانکہ اسے اندازہ ہو چکا تھا تانیہ کیا کہنا چاہتی ہے پھر بھی اس نے بے پروائی برتتے سوال کیا۔ اپنا فاؤنٹین پین انگلیوں میں گھماتے وہ اجنبی سے لہجے میں بولی۔

''تمہاری قریب کی نظر کمزور ہے کیا؟'' تانیہ نے حیرت سے پوچھا۔

''کبھی غور سے دیکھا نہیں کیا اس کو۔ یار کیا پرسنیلٹی ہے بندے کی۔ چلتا پھرتا ماڈل لگتا ہے اور تم کہہ رہی ہو ایسی کیا خاص بات ہے اس میں؟'' وہ ضرورت سے زیادہ دائم سے متاثر نظر آرہی تھی۔ اور ایک طرح سے ٹھیک ہی متاثر ہو رہی تھی۔ وہ اچھا خاصا پرکشش اور گہرے نقوش کا مالک تھا۔ اس پہ لمبا قد اور سنجیدگی اسے نمایاں کرتے تھے۔

''میں ایسی باتیں نوٹ نہیں کرتی۔ وہ میرا ایمپلائی ہے اور ہمارا فوکس کام پہ ہوتا ہے۔'' ایمان کو نا جانے کیوں تانیہ کا دائم کے حوالے سے کچھ بھی کہنا اچھا نہیں لگا تھا۔ بڑے دوٹوک سے انداز میں کہتے اس نے اپنا پین پھینکنے کے سے انداز میں اپنے ہینڈ بیگ میں واپس رکھا تھا۔

''بھئی میں تو ایسی باتیں بہت نوٹ کرتی ہوں اور اتفاق سے وہ میرا ایمپلائی بھی تو نہیں۔'' تانیہ نے کندھے اچکاتے اس کے لہجے کو نظر انداز کیا تھا۔

''سچ کہوں تو مجھے ایسے ہی شخص کی تلاش تھی۔ تمہیں پسند نہیں ہے تو میری بات کرا دو نا۔'' وہ واقعی سنجیدہ تھی یا محض مذاق کر رہی تھی ایمان یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی لیکن اس کے لہجے میں جو شوخی تھی، جو والہانہ پن تھا وہ اس سے پہلے ایمان نے کبھی کسی کے لیے محسوس نہیں کیا تھا تو کیا وہ سچ میں دائم کے لیے سوچ رہی تھی۔

''نہایت کوئی چھچھوری ذہنیت ہے تمہاری...... ویسے بھی وہ انگیج ہے۔'' اپنی کرسی سے کھڑے ہوتے ایمان نے شرم دلانے والے انداز میں کہا ساتھ ہی ایک نہایت اعلا قسم کا جھوٹ بولا تھا اور یہ جھوٹ اس نے کیوں بولا تھا اس کا اس وقت خود ایمان کو بھی علم نا تھا۔ بس اسے تانیہ کا دائم کو ڈسکس کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''ہائے ظالم...... دل دھڑکنے سے پہلے ہی ٹوٹ گیا۔ یہی تو سارا پرابلم ہے جو ہمیں اچھا لگتا ہے وہ دستیاب ہی نہیں ہوتا کم بخت۔'' کرسی سے اٹھتے تانیہ نے دونوں ہاتھ سینے پہ بائیں جانب ٹکائے جذباتی انداز میں کہا۔ ایمان نے نچلا لب دباتے سر جھٹکا اور اس کا بازو کھینچتے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

دو دن بعد تانیہ کی واپسی تھی اور ایمان نے دوبارہ اسے اپنے ساتھ آفس میں لانے کی غلطی نہیں کی تھی۔ کیا پتا وہ دائم سے بات چیت شروع کر دے اور اس چکر میں ایمان کے جھوٹ کا پول ہی نا کھل جائے۔ وہ تو خیر خود بھی نہیں جانتی تھی کہ دائم انگیج ہے یا نہیں۔ ہاں اتنا علم تھا وہ غیر شادی شدہ ہے۔ گو اسے اپنے جھوٹ پہ شرمندگی بھی محسوس ہوئی تھی جو اس نے بلاوجہ ہی اپنی جھینپ سے بولا تھا لیکن پتا نہیں کیوں اسے پہلی بار تانیہ سے حسد محسوس ہوا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی اس کی واپسی نے ایمان کو بڑا سکون دیا تھا۔

☆☆☆

وہ دائم کے ساتھ سائٹ وزٹ کے لیے نکل رہی تھی۔ حسب عادت ساڑھے تین انچ کی ہیل پہنے تیز تیز قدم اٹھاتی ایمان نے سیڑھیاں اترنا شروع کی۔ سلمان بھی اس سے ایک قدم پیچھے اس کی رفتار

سے رفتار ملاتا چل رہا تھا کہ اچانک کچھ چٹخنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی ایمان کا بیلنس خراب ہوا تھا۔
''سنبھل کے میم۔'' دائم نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ چٹخنے کی آواز اس کی ہیل کی تھی جو ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی تھی ساتھ ہی ایمان کا پاؤں بری طرح مڑا تھا۔ دائم اگر اس کا ہاتھ نا پکڑ لیتا تو شاید وہ سیڑھیوں سے پھسل جاتی۔ ایمان نے ایک ہاتھ سے لکڑی کی ریلنگ کو تھام لیا تو دائم نے جلدی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
''یہ میں پکڑ لیتا ہوں۔ آپ ٹھیک ہیں نا۔'' اس کے ہاتھ سے اس کا ہینڈ بیگ اور فائل پکڑتے دائم نے سوال کیا۔
''ہاں۔ آئی ایم او کے......'' ایمان نے خود کو سنبھالتے اپنا پاؤں سیدھا کرنے کی کوشش کی تھی۔
''آؤچ۔'' درد کی شدت سے اس کی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ بے اختیار وہیں زینے پہ بیٹھ گئی۔
''آئی تھنک آپ کے پاؤں میں موچ آئی ہے۔'' دائم نے جھک کر اس کے پاؤں کو دیکھا۔ سینڈل کی ہیل ایکدم ٹوٹ جانے کے باعث اس کا پاؤں مڑا تھا اور شدید موچ آ گئی تھی۔ اسے سہارا دے کر دائم نے گاڑی تک پہنچایا اور پھر ایمرجنسی میں لے گیا۔ جہاں سے ٹریٹمنٹ کے بعد دائم نے ہی اسے گھر ڈراپ کیا تھا۔

☆☆☆

''بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔ مجھ کو تو عشق کے آثار نظر آتے ہیں۔ کیا معاملہ ہے شہزادے۔'' وہ واپس دفتر پہنچا تو شام ہونے والی تھی۔ سلمان اس کے کیبن میں ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے اندر آتا دیکھ کر برجستہ کہا۔ دائم جو اس کی اپنے کیبن میں موجودگی سے لاعلم تھا اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔
''یار وہ مس ایمان کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی۔ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا پھر وہاں سے گھر ڈراپ کیا۔'' اپنی کرسی پہ بیٹھ کر کمپیوٹر آن کرتے اس نے اپنے دفتر سے غائب ہونے کی وضاحت دی تھی۔ حالانکہ یہ بات اس وقت آفس میں موجود تمام عملے کے علم میں تھی اور ظاہر ہے سلمان بھی اس بات سے بے خبر تو نہیں تھا۔
''مس ایمان...... یہ مس ایمان ہی تو بے ایمان کر رہی ہیں۔'' سلمان تمسخر سے کہتا چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔
''کیا بکواس کر رہا ہے۔ کیا بے ایمانی کی ہے میں نے؟'' دائم کی غیر سنجیدگی کو نظر انداز کرتے وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔
''میں نے کب کہا تو کوئی بے ایمانی کر رہا ہے۔ بے ایمانیاں تو دل کرتا ہے جناب۔'' دائم نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا مگر کچھ کہنے کے بجائے کھٹا کھٹ کی بورڈ پہ انگلیاں چلا کر اپنے کمپیوٹر کا پاس ورڈ لکھا۔
''مجھے پہلے شک تھا لیکن اب یقین ہو گیا ہے بیٹا کہ دل دا معاملہ ہے۔'' دائم کچھ اور شوخ ہوا۔ سلمان پہ اس کی شوخی الٹا اثر کر رہی تھی۔
''فضول بکواس بند کر وہ باس ہے ہماری......'' وہ باقاعدہ چڑ کر بولا۔
''باس تو ہماری ہے آپ کی تو مس ایمان ہے۔'' سلمان نے بائیں آنکھ دبائی تو سلمان کچھ اور تپ گیا۔ یہ پہلی بار نہیں تھا کہ سلمان اس سے مذاق کر رہا تھا بلکہ وہ اس کی عادت سے زمانوں سے واقف تھا لیکن ایمان کا نام سن کر وہ بے تحاشا چڑ گیا تھا۔
''تو کہنا کیا چاہتا ہے؟''
''یہی کہ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ ادھر وہ محترمہ مسٹر دائم...... مسٹر دائم کی گردان رٹتی رہتی ہیں ادھر آپ مس ایمان مس ایمان پکارے جاتے ہیں۔'' سلمان اس کا بے حد قریبی دوست تھا اس کی رگ رگ سے واقف، اسے بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اتنے دن سے دائم کے بدلے ہوئے انداز وہ بخوبی نوٹ کر رہا تھا۔ کہاں تو اسے ہٹلر کہہ کر مخاطب کیا

جاتا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پہ دائم اس کا گلا دبانے کو تیار رہتا تھا لیکن آج کل اس کی ایک صدا پہ بنا ڈور کی پتنگ بنا اڑا چلا جاتا تھا۔

''ہاں تو اس میں کیا ہے۔ کام کی وجہ سے ہے سب اور تو بالکل چپ...... سمجھا۔'' وہ کچھ جھینپ سا گیا۔ سلمان سے نظریں چراتے اپنی بودی دلیل دیتے کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''ایسی بات آفس میں کسی کے سامنے کر دی تو بلاوجہ بتنگڑ بن جائے گا۔'' پھر اچانک سمجھانے والے انداز میں بولا تو سلمان کی ہنسی نکل گئی۔

''ہماری زبان پہ زپ لگا دو سوہنے پر آفس والوں کو کیسے چپ کراؤ گے۔ زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔'' سلمان آج اس سے سچ اگلوانے کے موڈ میں بیٹھا تھا اور وہ سلمان ہی کیا جو دائم کا پیچھا اتنی آسانی سے چھوڑ دیتا۔

''دیکھ دائم دھواں وہاں ہی اٹھتا ہے جہاں آگ لگتی ہے۔ کم سے کم مجھ سے تو نا چھپا تیرا دوست ہوں میں یار۔''

''سلمان تو فضول میں بات کو چیونگم کی طرح کھینچ رہا ہے تو اچھی طرح جانتا ہے وہ کوئی عام لڑکی نہیں۔'' وہ زچ ہوا تھا۔ اسی حقیقت سے تو نگاہیں چرانے کی کوشش کرتا دائم ان دنوں اپنے اندر چل رہی جنگ سے نبرد آزما تھا۔

''اچھا یعنی اب تو نے یہ بھی مان لیا کہ وہ کوئی عام لڑکی نہیں۔ پہلے تو میاں صاحب زادے کی تو تے جیسی ناک آڑے آ رہی تھی اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے۔'' اس نے باقاعدہ طنز کیا تھا۔

''ہاں مان لیا اور خاص لوگ ہم عام سے لوگوں کا نصیب نہیں ہوا کرتے۔ اس لیے ہمیں ایسی باتوں پہ دھیان نہیں دینا چاہئے۔'' اس نے باقاعدہ دونوں ہاتھ کھڑے کر کے اعلان کیا تھا۔

''کم آن دائم...... تو کسی سے کم ہے کیا میرے یار۔'' سلمان نے آگے بڑھ کر اس کی پیٹھ تھپکتے سمجھایا۔ اب یہ کیا کہ اتنا خود اعتماد انسان اسٹیٹس کے فرق میں الجھ کر محبت سے دست بردار ہو رہا ہے۔

''سلمان وہ مجھے صرف ایک ملازم کی طرح ٹریٹ کرتی ہے اور جو اس کی تھوڑی سی مدد کی تھی اس پہ شکر گزار ہے میری...... بس اور کیا۔'' دائم نے اسے وہ حقیقت بتائی جو اسے اس کی حد سے آگے بڑھنے نہیں دے رہی تھی۔ ایمان کا بدلا ہوا انداز دائم کی پیشہ وارانہ ضرورت تھی لیکن اس کی قربت پچھلے کئی روز سے دائم کے دل پہ دستک لینے لگی تھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اسے ایمان کا قرب، اس کی شخصیت، اس کی باتیں۔ سب کچھ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ تنہائی میں اس کے خیالوں کا حصہ بننے لگی تھی اور دائم کو اپنی سوچ سے خوف آ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ یک طرفہ پیش قدمی ہے اور جلد ہی اسے اپنے دل کی بربادی پہ ماتم کرنا ہو گا۔ شاید اسی لیے آنے والے درد سے بچنے کی خاطر دائم نے اپنے دل پہ قفل لگانے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات دل جب من مانی پہ اتر آئے تو آپ کی کہاں سنتا ہے۔

''اس سے آگے کچھ بھی سوچنا فضول ہے۔ کیونکہ جو کچھ میں اس کے ساتھ کر چکا ہوں اگر کبھی اسے پتا چل گیا تو اپنی شکل دکھانے کے قابل بھی نہیں رہوں گا۔'' دھیمے لہجے میں اس نے سلمان کو اپنے اندر پنپتے اندیشوں کی ایک جھلک دکھائی تھی۔

''اول تو اسے یہ بات کوئی بتائے گا نہیں کیونکہ ہم دونوں کے علاوہ اس راز سے کوئی تیسرا واقف نہیں۔ دوسرے اگر معلوم ہو بھی جائے تو یار تو نے کون سا کوئی قومی خزانہ چوری کیا ہے۔ ایک چھوٹا سا مذاق تھا، تھرل تھا۔ اس کا رویہ بھی تو عجیب تھا۔ ہر وقت ذلیل کرتی رہتی تھی۔'' سلمان نے پختہ لہجے میں کہا۔ دائم اسے بہت عزیز تھا۔ اپنے اندازے کے درست ہونے کے بعد تو اب اس کے لیے یہ اور بھی ضروری تھا کہ دائم اپنی محبت کو منزل تک پہنچائے لیکن وہ تو سفر سے پہلے ہی بادبان کھول رہا تھا۔

''اور میں نے دھوکے سے اس کا اعتبار حاصل کر لیا۔ یہ چھوٹی بات ہے کیا؟'' وہ جذباتی لہجے میں

بولا تو سلمان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
''اوہ بھائی اتنا ایموشنل کیوں ہو رہا ہے۔ گولی مار اپنی مس ایمان کو آج رات ڈنر پہ چلتے ہیں۔ ایک سے ایک اچھی لڑکیاں بھری پڑی ہیں اس دنیا میں۔ ہمارے نام کا بھی کوئی پیس اللہ نے اتارا ہوگا۔''
اپنے من موجی انداز میں اس کی پیٹھ ٹھونکتے سلمان نے جھٹ سے نیا پروگرام بنالیا تھا۔ لیکن دائم اپنی جگہ سے ٹس سے مس نا ہوا۔
''میرا موڈ نہیں۔'' اس نے ساتھ چلنے سے صاف منع کر دیا تھا۔
''یعنی میں ٹھیک کہہ رہا تھا کہ دل دا معاملہ ہے۔'' وہ سلمان ہی کیا جو ایک بار میں مان جائے۔ ٹیبل بجا کر اپنے بے سرے انداز میں گاتا وہ دائم کو زہر لگا تھا۔ اس نے پاس رکھی فائل اٹھا کر دے ماری تو وہ بھنگڑا ڈالتا پوری بتیسی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ پیچھے دائم سر جھٹکتا اپنے کاغذ سمیٹنے لگا۔

☆☆☆

قدرت نے انسان کی تخلیق میں جذبات کا عنصر بھی شامل کیا ہے۔ کوئی بھی انسان اس سے خالی نہیں ہوتا۔ بس کچھ لوگ ان پہ قابو نہیں رکھ پاتے اور کچھ اپنے جذبات پہ قفل ڈال کر اسے گہرے کنویں میں دھکیل دیتے ہیں پر ہوتے یہ سب کے پاس یکساں ہی ہیں۔ ایک وقت آتا ہے جب یہ قفل اپنے آپ ٹوٹنے لگتا ہے۔ دل و دماغ میں جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ جذبات، عقل پہ غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ ہر لمحہ حالت جنگ میں مبتلا رہتے ہیں اور یہ جنگ کسی دشمن سے نہیں خود اپنے آپ سے ہوتی ہے۔ ایمان کی لگی بندھی اسٹریٹ فارورڈ زندگی ان دنوں ایک ایسی ہی جنگ میں بدل چکی تھی۔ اس نے اپنا ہر فیصلہ اچھا یا برا خود کیا تھا اور اسے اپنی فہم و فراست پہ بہت بھروسا تھا لیکن ان دنوں ایک فیصلہ دل کر رہا تھا۔ وہ لاکھ انکاری تھی پر ہر گزرتا لمحہ اسے کمزور کر رہا تھا۔
دائم پہلا شخص نہیں تھا جس کے ساتھ وہ کام کر رہی تھی۔ اس نے مخلوط نظام میں سالہا سال زندگی گزاری تھی۔ ایک مدت سے وہ مردوں کے ساتھ کام کر رہی تھی اور ہمیشہ اس نے سب سے ایک محفوظ فاصلہ بنائے رکھا تھا لیکن دائم کے معاملے میں وہ پہلی بار کمزور پڑنے لگی تھی۔ وہ چپکے چپکے دل پہ دستک دے رہا تھا۔ ایمان اس دستک کو نظر انداز نہیں کر پا رہی تھی۔ پچھلے کئی مہینوں سے ان کے درمیان کافی کلوزنیس ہوگئی تھی پھر بھی سلمان ہمیشہ بہت مہذب اور محتاط رویہ رکھتا تھا۔ جیسے آج اس کا ایمان کو گرنے سے بچانا اور پھر اس کا تھاما ہوا ہاتھ یکدم چھوڑ دینا۔ اس کی تکلیف پہ دائم کا بے تحاشا فکر مند ہو جانا اور اس کو گھر تک پہنچانا...... یہ سب اس کی ملازمت کا حصہ نہیں تھا۔ ایمان کے دل میں نا چاہتے ہوئے بھی دائم کے لیے جذبات سر اٹھانے لگے تھے اور یہ جذبے اسے بے چین کر رہے تھے۔
''کیا سوچ رہی ہو؟'' وہ اپنے خیالوں میں مگن اس بدلتی ہوئی حالت پہ غور کر رہی تھی۔ دائم کا رویہ سوچ کر مبہم سی مسکراہٹ نے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ زیدی صاحب ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھامے اسے دوا دینے آئے تھے۔ وہ ان کی آمد سے بے خبر سامنے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ ایک پیر میں کریپ بینڈیج بندھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے چند روز احتیاط کا مشورہ دیا تھا۔ البتہ ایکسرے میں فریکچر نہیں تھا ہاں موچ شدید تھی۔
''کچھ بھی تو نہیں۔'' ان کی آواز پہ چونک کر اس نے بات بنائی۔ البتہ چہرے پہ عجیب سی شرمندگی تھی جیسے کوئی چوری پکڑلی گئی ہو۔
''دائم کے متعلق سوچ رہی ہو نا؟'' دودھ کا گلاس اسے تھماتے زیدی صاحب اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تھا پر انہوں نے فوراً ہی ٹوک دیا۔
''مجھ سے جھوٹ مت بولنا ایمان! میں تمہاری ماں نہیں لیکن تمہارا باپ ہوں۔ پہلے نہیں سمجھتا تھا لیکن اب تمہیں سمجھ سکتا ہوں۔'' ان کا انداز دھیما مگر

پختہ تھا۔
''ڈیڈ آپ...... ''ایمان کچھ بھی کہہ نہیں پائی۔
''تم اسے پسند کرنے لگی ہو۔'' اس کا ہاتھ تھامے انہوں نے بہت محبت سے سوال کیا تھا۔
ایمان نے محض اثبات میں سر ہلاتے نچلا لب کاٹا۔
''تو پرابلم کیا ہے؟'' اپنی بے تحاشا خوشی کو دباتے وہ بدستور سنجیدہ تھے۔ آخر قدرت کو ان پہ رحم آ ہی گیا تھا۔ ایمان کا نارمل ہونا ان کے لیے رحمت سے کم نہیں تھا۔
''پرابلم وہ خود ہے۔ میرے اسے پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے جب وہ خود مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں۔'' وہ ناراض لہجے میں بولی تھی۔
''اس نے تم سے کچھ کہا؟''
''کچھ کہا ہی تو نہیں۔'' وہ مایوسی سے بولی۔
''کہنے سے زیادہ رویہ اہم ہوتا ہے۔'' انہوں نے سمجھایا۔
''اس کا رویہ ہی تو پریشان کر رہا ہے۔ وہ اتنا کیئرنگ ہے۔ میرے ساتھ کسی پرنسس کی طرح ٹریٹ کرتا ہے حالانکہ اس میں خود کوئی کمی نہیں پھر بھی وہ مجھے اتنی اہمیت دیتا ہے۔ کبھی کبھی لگتا ہے یہ سب وہ صرف پروفیشنلی کر رہا ہے لیکن پھر میرا دل......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔ دائم کا رویہ ہی تو اسے اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔ یہی خوف تو اس پہ برسوں سے غالب تھا کہ کہیں اس کی زندگی میں بھی زیدی صاحب جیسا خود پسند اور اپنی ذات تک محدود انسان شامل نا ہو جائے۔ اسی لیے تو وہ شادی کے نام سے خوف سے کھاتی تھی لیکن دائم الگ تھا۔ اس کا ساتھ الگ تھا۔ ایک عجیب سا تحفظ محفوظ ہوتا تھا جب وہ ایمان کے آس پاس رہتا تھا۔
''تمہارا دل کہتا ہے یہ اس کی جاب نہیں ہے۔'' انہوں نے ایمان کا جملہ مکمل کیا تھا۔ اس نے لب بھینچے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔
''کبھی کبھی دماغ کی نا مان کر دل کی سننا اچھا ہوتا ہے۔ باقی تم خود سمجھ دار ہو۔'' اس کے بالوں کو سہلاتے زیدی صاحب نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا تھا اور پھر اس کے ماتھے پہ بوسہ دے کر اسے جلد سونے کی تاکید کر کے وہ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایمان نے دوا نگلتے دودھ کا گلاس لبوں سے لگایا تھا جب وقار احمد زیدی پلٹے۔
''اور ہاں...... میں تمہارے ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ ہوں کیونکہ میرے لیے میری بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے۔'' وہ بے تحاشا مسکرائی تھی۔ وہ واقعی بدل گئے تھے اور ایمان کے دل میں ان کے محسوسات بھی۔

☆☆☆

دائم جب سے واپس آیا تھا بے حد خاموش تھا۔ کچھ سلمان کا اس سے سچ اگلوانا کچھ ایمان کی سوچ، وہ کافی ڈسٹرب تھا۔ سلمان دوست تھا اس کے سامنے اپنا بھرم قائم نا رکھ پانا یا اپنے احساسات کھلنے دینا اتنا مسئلہ نہیں تھا لیکن یہ بات اگر کسی اور کو معلوم ہو کر ایمان تک پہنچی تو پتا نہیں وہ اس کا سامنا کیسے کر پائے گا۔ اس کا موڈ شدید خراب تھا اسی لیے سلمان کے لاکھ کہنے پر بھی وہ اس کے ساتھ باہر نہیں گیا تھا۔ اس نے یہی سوچا تھا وہ اب ایمان سے فاصلہ قائم کرنے کی حتی الامکان کوشش کرے گا تاکہ کسی کو بھی ان دونوں پہ انگلی اٹھانے کا موقع نا ملے۔ وہ اس کی دسترس سے دور ہے تو اسے خود بھی ایمان سے دور ہی رہنا چاہیے۔ چاند کی خواہش تو سب ہی کرتے ہیں چاند کون سا کسی کے دامن میں آ جاتا ہے۔ یہی سوچ کر اس نے شام سے ایمان کی خیریت پتا کرنے کے لیے بھی ایک کال نہیں کی تھی لیکن رات تک وہ خود پہ لگائی اس پابندی پہ قابو نا رکھ پایا تھا۔ تقریباً دس بجے کے قریب اس نے ایمان کے نمبر پہ کال ملائی تھی۔ فون پہلی ہی بیل پہ ریسیو کر لیا گیا تھا۔ دائم نے محتاط سے انداز میں اس کی خیریت دریافت کی لیکن جواب بڑا عجیب آیا تھا۔
''بڑی جلدی خیال آ گیا آپ کو۔'' اس نے نہایت سنجیدگی سے شکوہ کیا تھا۔ دائم نے سیل فون کان

سے ہٹا کر ایک نگاہ اسکرین پہ ڈالی مبادا اس نے کوئی غلط نمبر تو نہیں ملا دیا۔
''وہ ...... میں ......'' حالانکہ اندر ہی اندر یہ سوچ کہ بڑی کمینی سی خوشی ہوئی تھی کہ ایمان اس کی کال کا انتظار کر رہی تھی۔
''کیا وہ میں ......؟ وہ چڑ کر بولی۔
''میں سمجھا آپ سو چکی ہوں گی۔'' دائم نے بات بنائی۔
''اتنی جلدی نہیں سوتی میں۔'' اس نے برجستہ کہا۔ دائم کو سمجھ میں نہیں آیا اب وہ مزید کیا کہے۔ چند ثانیے خاموش گزرے اور بہت سوچ بچار کے بعد اس نے سوال کیا۔
''درد تو نہیں ہو رہا''؟ دوسری جانب ایمان نے گہرا سانس لیا تھا۔
''ہو رہا ہے ...... بہت زیادہ، آپ ڈاکٹر ہیں جو دوا تجویز کر دیں گے۔'' اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔
''سوری مس ایمان!'' وہ شرمندگی سے بولا۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایمان آخر خفا کس بات پہ ہو رہی ہے یا شاید وہ سمجھنا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔
''یہ مس کہنا ضروری ہے کیا؟'' ایک اور شکایت۔
''سوری......''
''پھر سوری......''
''شاید آپ کا موڈ ٹھیک نہیں میں پھر کال......''
اس وقت یہی مناسب حل تھا۔ شاید اس کے پاؤں کی موچ دماغ پہ اثر کر گئی تھی جو مستقل چڑ رہی تھی۔
''جتنی فضول باتیں آپ کرتے ہیں نا دائم، میرا موڈ ہمیشہ خراب ہی رہے گا۔'' اس نے بے اختیار کہا۔
''لیکن میں نے تو آپ سے کچھ بھی نہیں کہا۔'' دائم روہانسا ہو گیا۔
''تو کیوں نہیں کہا۔ کس نے روکا ہے آپ کو۔'' ایمان کا شکوہ بھی بجا تھا۔
''جی، وہ...... مجھے لگا آپ برا مان جائیں گی۔ غصے میں آکر میرا سر ہی نا پھاڑ دیں۔'' وہ کھسیانا ہو کر اپنا بچاؤ کرنے لگا۔
''اچھا تو وہ جو مجنوں، رانجھا، فرہاد عشق میں امر ہو گئے انہوں نے پتھر نہیں کھائے تھے کیا۔ جو آپ ایک سر پھٹنے سے خوف زدہ ہو گئے۔''
''وہ تو جی سب افسانوی باتیں تھیں۔ کہنے کی حد تک ہی تھا نا سب کچھ، حقیقت میں کون سا کسی نے جان دے دی پھر آپ خود سوچیں نا پھٹا ہوا سر لے کر میں آفس کس منہ سے آتا۔ ویسے بھی میری پرسنلٹی پہ سر پہ گومڑا پڑا عجیب ہی لگتا۔'' اچانک یہ ساری صورتحال دائم کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگی تھی۔ باس کو پرپوز کرنے کے بعد جی ایم کی الم ناک صورتحال۔
''دائم......'' ایمان کے لہجے میں وارننگ تھی۔
''پلیز پلیز فون مت ڈسکنیکٹ کیجیے گا میں ایک ٹرائی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے التجا کی۔
''ٹیکنالوجی جتنی بھی ایڈوانس ہو جائے فون پہ صرف آواز کا اشتعال ہی سنا جا سکتا ہے تھپڑ یا پتھر بلاک ہی رہتے ہیں۔'' گو سوچا تو دل میں تھا لیکن اتنے زور سے سوچا تھا ایمان تک آواز بآسانی چلی گئی تھی۔
''پاگل تو نہیں ہو گئے آپ؟'' وہ شدید حیرت میں مبتلا تھی۔
''پاگل...... ہاں وہ میں پاگل ہی ہو گیا ہوں۔ کیونکہ مجھے آپ بہت اچھی لگنے لگی ہیں۔'' دائم ایک سانس میں بولتا چلا گیا۔
''اور میں مزید پاگل ہونا چاہتا ہوں۔ اس لیے پلیز مجھ سے شادی کر لیں۔ یقین جانیں میں آپ کو بہت خوش رکھوں گا۔ صبح اپنے ہاتھوں سے گرما گرم کافی بنا کر پلایا کروں گا اور ہاں...... وہ میں ہمیشہ پروف ریڈ کے بعد ہی آپ کو ساری رپورٹس بھیجا کروں گا۔ بس آپ مجھ سے شادی کر لیں۔'' ایمان نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ یقیناً یہ دنیا کا پہلا اور اپنی طرز کا انوکھا پرپوزل تھا جو اکسا کر لیا گیا تھا۔

''کہہ چکے؟'' دل تو قہقہے لگانے کو چاہ رہا تھا پر اس نے بڑے ضبط سے خود کو روکا اور بے حد سنجیدگی سے سوال کیا۔

''ہاں...... کہہ دیا۔ ارے میں نے واقعی کہہ دیا۔'' اسے اپنی ہمت پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

''کل صبح آ کر ملیں۔'' ایمان نے دوٹوک انداز میں سنجیدگی سے کہا۔

''آپ سے؟''

''ڈیڈ سے......''

''لیکن میں تو آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' سلمان عجیب ٹینشن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''رشتے کی بات تو ڈیڈ سے کرنا پڑے گی نا بدھو۔'' احمق انسان سے محبت کرنے کا بس یہی نقصان ہے، اس نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا۔

''اوہ ہاں...... ٹھیک ہے میں کل صبح نو بجے پہنچ جاؤں گا۔'' وہ مستعدی سے کہتا اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''دائم آفس میں نہیں پہنچنا، آپ کو ہمارے گھر آنا ہے۔'' ایمان نے یاد دلایا تھا۔ دائم اپنے اردگرد دیکھتا واپس صوفے پہ بیٹھ گیا۔ البتہ وہ اب بے حد پرسکون تھا۔ اتنے دنوں سے چل رہی کشمکش اتنی آسانی سے دور ہو جائے گی اور منزل اتنی جلدی پاس آ جائے گی یہ اس نے کہاں سوچا تھا۔

☆☆☆

ان دونوں کی شادی روایتی انداز میں ہوئی تھی۔ ایمان نے سرخ رنگ کا روایتی شادی کا لباس پہنا ہوا تھا اور بے پناہ خوب صورت نظر آ رہی تھی۔

''بڑی عجیب سی خوشی ہو رہی ہے قسم سے۔ میں بیان نہیں کر سکتا۔'' دائم نے اس کی انگلی میں خوب صورت انگوٹھی پہناتے ایکسائٹمنٹ سے کہا۔ ایمان نے اپنی جھکی ہوئی پلکیں نہیں اٹھائیں۔

''ایک بات کہوں ایمان؟'' ایمان نے بس سر ہلا کر اجازت دی تھی۔

''آپ بہت خوب صورت ہیں لیکن جیسی آج لگ رہی ہیں اس طرح پہلے کبھی نہیں لگیں۔'' اس نے آج سے پہلے ایمان کو زیادہ تر جینز میں دیکھا تھا اور میک اپ تو وہ برائے نام کرتی تھی البتہ اس سب کے بغیر بھی ہمیشہ پرکشش دکھائی دیتی تھی پر آج اس مخصوص روپ سنگار نے اس کے روپ کو چار چاند لگا دیے تھے۔ دائم اس وقت خود کو دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان سمجھ رہا تھا۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے دائم آپ کا دیکھنے کا انداز بدل چکا ہو۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''ہاں بالکل ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی آج آپ میری جو لگ رہی ہیں۔'' اس نے ایمان کے دونوں ہاتھ تھام کر بچوں کی سی ایکسائٹمنٹ سے کہا۔

''ویسے تو اس موقع پہ آپ کی تعریف میں کوئی اچھا سا شعر کہنے کا دل چاہ رہا تھا لیکن گھبراہٹ میں اس وقت سارے ٹرکوں کے پیچھے لکھے شعر ہی یاد آ رہے ہیں۔'' سلمان کی سنگت کا اثر تھا۔ ایمان نے ہنسی دبائی۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں آپ سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں۔'' کچھ سوچتے ہوئے دائم نے مزید کہا لیکن اس بار لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''اور میں نہیں چاہتا ہماری نئی زندگی کی شروعات کسی جھوٹ سے ہو اس لیے میں آپ کو اپنی ایک غلطی کے متعلق بتانا چاہتا ہوں۔'' ایک گلٹ تھا پہلے دن سے دائم کو ایمان سے نظریں نہیں ملانے دے رہا تھا۔ وہ مینیجر والی بات اس کے حلق کا کانٹا بنی ہوئی تھی۔ سلمان کی باتوں میں آ کر اور کچھ ان دنوں ایمان کے رویے سے عاجز ہو کر وہ ایک غلطی کر بیٹھا تھا لیکن اب اسے اپنی یہ غلطی اخلاقی جرم محسوس ہو رہی تھی۔ ایک پچھتاوا تھا جو دل میں ہر وقت ابلتا رہتا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس سے نجات کیوں کر حاصل کرے لیکن ایمان کو کھونے کا خوف بھی دل میں کنڈلی مارے ہوئے تھا۔ وہ اگر اس کی بات کو منفی انداز میں سمجھتے ہوئے اس پر برس پڑی اور اسے دھوکے باز کہا تو وہ کیا کرے گا۔ وہ اس کے بغیر کیسے

رہ پائے گا پھر اس نے ہمت کر کے ایمان کو سچائی بتانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ لفظوں کو جانچ رہا تھا جب اسی وقت ایمان کے سیل فون پہ بپ بجی۔

"ایک منٹ......" ایمان نے اسے ٹوک کر اپنا فون اٹھایا۔ اسکرین پہ ایک نیا میسج جگمگا رہا تھا۔

"مبارک ہو تم کو ساں یہ سہانا...... میں خوش ہوں میرے آنسوؤں پہ نا جانا۔ میں تو دیوانہ دیوانہ......کل رات ہی میں عمرہ کی ادائیگی سے واپس لوٹا ہوں اور یقین جانیں میں نے آپ کی خوشیوں کے لیے جھولی پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگی ہیں کہ آپ اپنے پھٹیچر توتے کی ناک والے جی ایم کے ساتھ ہمیشہ خوش رہیں۔" ایمان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اتنے مہینوں کے بعد اچانک وہ درد سر لوٹ آیا تھا۔

"دائم یہ وہ ہی ہے۔ دیکھیں یہ پھر سے میسج کر رہا ہے اور اسے یہ بھی پتا چل گیا کہ ہماری شادی ہو گئی ہے اس کا مطلب یہ اب بھی مجھے اسٹاک کر رہا ہے۔" اس نے بے اختیار چیخ مارتے ہوئے سلمان کو اپنا فون دکھایا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" خود اسے بھی شاک لگا تھا۔ وہ اس نمبر اور اس میسج کو بھیجنے والے سے واقف تھا۔

"میں نے کہا تھا نا آپ سے اسے پولیس کو دے دیں۔" ایمان نے اس کا کندھا ہلاتے ہوئے شکایت کی۔ وہ سن سا بیٹھا بے یقینی سے سلمان کی اس حرکت کو نوٹ کر رہا تھا اور پھر اچانک بجلی کی سی تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" ایمان نے حیرانی سے پوچھا۔ دائم ایک پل کو رکا اور پلٹ کر ایمان کو دیکھا پھر اگلے ہی لمحے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"کمینے انسان یہ کیا کر رہا ہے تو......" باہر جا کر اس نے فی الفور سلمان کے نمبر پہ کال ملائی تھی جسے اس نے ہنستے ہوئے اٹینڈ کیا تھا۔

"رنگ میں بھنگ ڈالنے کی چھوٹی سی کوشش میری جان!" وہ اتراتے ہوئے بولا۔

"میں خون پی جاؤں گا تیرا۔" دائم نے دھمکایا تو سلمان نے بے اختیار اس کی بے بسی سے مزا لیتے ہوئے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔

"ویسے سچ بتا تو اپنی اخلاقیات کا جھنڈا گاڑنے کے چکر میں اس ہٹلر کو سچ بتانے والا تھا نا۔" وہ اس کا دوست تھا اور اس کی رگ رگ سے واقف۔ جانتا تھا دائم کے اندر پچھتاوے سر اٹھا رہے ہوں گے۔

"ہاں...... وہ...... میں...... نہیں۔" دائم نے بات بنانی چاہی پر سچ تو یہی تھا وہ واقعی اس وقت ایمان کو سب بتانے والا تھا اور اگر سلمان کا میسج نا آتا تو اب تک بتا چکا ہوتا۔

"مت کر آئیں بائیں شائیں کمینے۔ اس میسج پہ اس کا رسپانس دیکھ لیا نا۔ کیسی لگ رہی تھی؟" سلمان کا انداز شرم دلانے والا تھا۔

"ایک دم بھڑک اٹھی۔ کہہ رہی تھی پولیس کو انوالو کیوں نہیں کیا۔" اچانک دائم کو ایمان کا خیال آیا۔

"تو بیٹا زیادہ سچل سرمست بننے کی ضرورت نہیں، جو ہو گیا اس پہ مٹی ڈال اور جو ہو رہا ہے اسے انجوائے کر۔ تیرا ایک سچ تجھے ابھی کے ابھی طلاق دلوا

دے گا اور تو پہلا دولہا ہوگا جو سہاگ رات پہ مطلقہ بن جائے گا لہٰذا اپنا نیا نیا بسا گھر اپنے ہاتھوں برباد مت کر۔" سلمان نہایت مزے لے کر اسے اس ہولناک انجام کے متعلق بتا رہا تھا جس کے بارے میں شاید اس نے اب تک سوچا بھی نہیں تھا۔

"لیکن وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" وہ منمنایا۔

"وہ اب تیری بیوی ہے اور بیویاں زبان کے ساتھ ساتھ بیلن کا استعمال بھی بہت زیادہ کرتی ہیں۔ اور محبت کی شادی کے بعد زخمی ہونے کا ریٹ تو اور بھی زیادہ ہے۔" سلمان کا انکشاف جان لیوا تھا۔

"یار سلمان! اب ڈرا تو نا مجھے۔" شکستہ لہجے میں کہتے دائم نے سر پکڑ لیا۔ اسے تو یہ سب سوچ کر ہی چکر آ رہے تھے۔

"حقیقت بتا رہا ہوں تجھے پاگل آدمی! چل اب جا مجھ سے فون پہ رومانس کرنے کے بجائے اپنی بیوی کے پاس جا اور اسے اگر وہ میسج والی بتائی تو یاد رکھنا میں پنکھے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لوں گا۔" سلمان نے اپنے تئیں دھمکی دی تھی۔

"ابے چل...... تیری بھالو جیسی جسامت پہ بے چارہ پنکھا چھت سمیت نیچے آ جائے گا۔" دائم کے کان پہ البتہ جوں بھی نہیں رینگی تھی۔ اسے چار باتیں سنا کر دائم نے فون بند کیا اور اپنے حواس بحال کرتا واپس کمرے میں آیا۔

"کہاں گئے تھے آپ؟" ایمان حیرت زدہ سی اس کی منتظر تھی۔ اس کے اندر آتے ہی سوال کیا۔

"وہ میں ڈور لاک کرنا بھول گیا تھا تو وہی لاک کر رہا تھا۔" دائم بہانہ سوچ کر آیا تھا۔

"یہ خبیث پھر سے میسج......" وہ دانت پیستے کہنے لگی تو دائم نے اس کا فون اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"اسے جواب لکھیں۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"پھر سے؟" ایمان کو حیرت ہوئی۔ دائم نے اسے سر کے اشارے سے وہ ہی کرنے کو کہا جو وہ کہہ رہا تھا۔ ایمان کندھے اچکا کر میسج ٹائپ کرنے لگی۔

"بہت شکریہ یہ تمہاری دعاؤں کا بھائی۔ ہم بھی جلد عمرہ پہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور تمہارے لیے خصوصی دعا کر کے تمہارا قرض اتار دیں گے۔"

"دائم! آپ بھی نا۔" ایمان نے سر جھٹک کر ہنستے ہوئے میسج بھیج دیا تھا۔ چند منٹوں تک کوئی جواب نہیں آیا۔ دائم جانتا تھا، سلمان اب پرسکون ہو چکا ہوگا۔

"اچھا آپ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ کچھ غلطی......" فون بیڈ سائڈ ٹیبل پہ رکھتے ایمان کو دائم کی ادھوری بات کا خیال آیا جو اس سارے معاملے میں درمیان میں ہی رہ گئی تھی۔

"وہ...... وہ تو میں یہ کہنا چاہتا تھا آپ سے ایمان کہ میں نے......" ہونٹوں پہ زبان پھیرتے اس نے سوچا کہ اب اسے ایمان کو کیا کہنا ہے۔

"آپ نے؟" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"میں نے آج جلدی میں دو الگ رنگ کے موزے پہن لیے تھے۔" دائم نے اپنے دونوں پاؤں سامنے کرتے ایمان کو دکھائے۔ وہ چند سیکنڈ حیرت میں مبتلا اس کے سفید اور سیاہ موزوں کو تکتی رہی اور پھر اپنی ہنسی پہ ضبط نا رکھتے ہوئے بے تحاشا قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی تھی۔ دائم بھی کھسیانا سا اس کی ہنسی میں شامل ہو گیا۔

اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ بیویوں کو اگر سب کچھ یعنی شوہر حضرات کی نادانیاں، پریشانیاں اور بے ایمانیاں پتا چلنا شروع ہو جائیں تو زندگی سے سکون ایگزٹ آؤٹ کر (باہر نکل) جائے گا اسی لیے کچھ نا کچھ پردہ بنا رہنا چاہیے۔ آخر کو بیوی، بیوی ہی ہوتی ہے اور اگر اپنی ہو تو اس سے ڈر کے رہنے میں ہی عافیت اور سکون ہے۔ لہٰذا اس میسج والے کو ٹھرل کو راز ہی رہنے دیں اور ایمان کو دائم کے ساتھ ہنسی خوشی ہنی مون پہ جانے دیں اور ہاں آپ سب بھی اپنے اپنے کام پہ لگ جائیں شاباش۔

☆☆

فرح بھٹو

اے تیری چاہت



''امی آپ پلیز ایک بار ہنی سے مل تو لیں۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کو بہت پسند آئے گی۔'' میرا بیٹا مومن منت بھرے لہجے میں بولا تو میں نے ایک تیکھی نظر اس پر ڈالی۔

''نو نیور...... مجھے اس لڑکی سے تمہاری شادی نہیں کرنی تو ملنے کا فائدہ کیا۔'' میری قطعی بات پر اس کا چہرہ اتر گیا۔

''مگر کوئی وجہ بھی تو ہو اس سے ناپسند کرنے کی۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''وجہ تم جانتے ہو۔'' میں نے بے نیازی سے کہہ کر اپنا نظر کا چشمہ پہنا اور آئی پیڈ کھول لیا۔

''آپ اتنی ایڈوانس ہو کر بھی ایسی پسماندہ سوچ رکھتی ہیں۔'' وہ جھنجلا کر ذرا تلخ ہوا۔

''کالج یونیورسٹی میں عشق محبت کے چکر چلانے والی لڑکیاں گھر نہیں بسایا کرتی بیٹا۔۔۔یہ میرا تجربہ ہے۔'' میں نے کہہ کر نظریں پھر سے آئی پیڈ پر جمائیں۔

''اس نے کوئی چکر نہیں چلایا ماں! میں خود ہی اس کی محبت میں مبتلا ہوا ہوں۔'' وہ فوراً ہنی کے دفاع میں بولا۔

''میرے بچے! تمہاری عمر ابھی کم عقلی کی ہے فطرتاً بھی تم سادہ مزاج ہو۔تم پر ڈورے ڈالنا کچھ مشکل نہیں۔ بہر حال میں تمہیں ہرگز اس چالاک لڑکی کا شکار نہیں ہونے دوں گی میں تمہاری شادی اپنی پسند کی لڑکی سے کروں گی جو تمہاری طرح سادہ مزاج اور گھر بسانے والی ہو۔'' میں نے کھڑے لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

''ممی پلیز! آپ ایک بار ہنی سے مل لیں پھر اس کے بارے میں رائے قائم کریں۔'' مومن نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔میں نے سرد نظروں سے اس کو دیکھا۔

''اچھا۔اگر مل نہیں رہیں تو ایک بار اس کی صورت دیکھ لیں۔ میں ابھی آپ کو اس کی پک واٹس ایپ کرتا ہوں۔'' اس نے خائف ہو کر ایک تصویر میرے موبائل پر سینڈ کی۔

''تم اب پرائی لڑکی کی تصویریں سیل میں لیے گھومتے ہو۔'' میں نے غصہ دکھایا۔

''ارے نہیں ممی یہ ہماری یونی کے ایک فنکشن کی گروپ فوٹو ہے۔'' وہ گھبرا کر وضاحت دینے لگا۔

''مومن میں ایک بات کلیئر کر دوں۔شادی تو تمہاری خالص میری پسند کی لڑکی سے ہوگی۔ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔تم لڑکے صرف اچھی شکلوں پر ریجھ جاتے ہو۔فیملی بیک گراؤنڈ۔لڑکی کا اخلاق و کردار کچھ نہیں دیکھتے۔میں سب دیکھ پرکھ کر تمہاری شادی کروں گی۔سو تم اس ہنی نامی لڑکی کو اپنے دل سے نکال دو۔'' میں نے کچھ تیز لہجے میں کہہ کر اس کا چہرہ جانچا جہاں مایوسی کا تاثر تھا۔

''اپنی پوری جوانی تم پر وار دی ہے بچے۔اپنی ماں پر بھروسا رکھو میں تمہارے لیے ہیرا ہی چنوں گی۔'' پھر میں نے نرم ہو کر کہا تو مومن نے ایک گہرا سانس بھرا اور سر جھکا لیا۔

☆☆☆

میں یعنی مسز آفاق...... بہت کم مدت کی ازدواجی زندگی گزار کر بیوہ ہوگئی تھی۔آفاق میرے پیارے شوہر شادی کے تیسرے سال کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو گئے۔بدقسمتی ہے اس بات کا علم تب ہوا جب یہ مرض اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے ان کو دو ماہ کا مہمان بتایا لیکن وہ اس دنیا میں مزید پندرہ دن حیات رہے اور چل بسے۔اس وقت مومن محض دو سال کا تھا۔میری تو دنیا اندھیر ہوگئی۔زندگی کے تقاضوں نے زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیا۔عدت کے بعد میں پھر سے اپنی ملازمت پر لگ گئی۔شکر کا مقام یہ تھا کہ میں مقامی

کالج میں لیکچرار تھی سو مجھے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑے، نہ میں نے اپنے شوہر کا گھر چھوڑا۔ والدین نے مجھے تنہا رہنے کے نقصانات سے آگاہ کیا اور دوسرے نکاح کا کہا مگر میں طے کر چکی تھی کہ مجھے اپنے بچے کو خصوصی توجہ دینی ہے جو سوتیلے باپ کے ساتھ ممکن نہیں تھی۔ ویسے بھی میں کوئی دبو قسم کی عورت نہ تھی اپنے بل پر جینے والی عورت تھی۔ سو والدین کا اصرار میرے ارادوں کے آگے دم توڑ گیا اور میں نے حوصلے سے اپنی زندگی کے نئے موڑ کی ابتدا کر دی۔

میری زندگی کا محور و مرکز اب صرف میرا بیٹا مومن تھا۔ کالج سے واپس آ کر میں سارا وقت اسے دیتی۔ میں نے اس کی تربیت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس کو ہر وہ سہولت دی جو میری استطاعت سے بڑھ کر تھی۔ بدلے میں اس نے بھی مجھے مایوس نہیں کیا۔ مومن انتہائی ذہین اور تابعدار بچہ ثابت ہوا تھا۔ وہ میرا کہنا آنکھیں بند کر کے مانتا اور ہر جماعت میں پوزیشن حاصل کرتا۔ لوگ جب کہتے مسز آفاق آپ نے سنگل پیرنٹ ہو کر بیٹے کی اتنی اعلا تربیت کی ہے تو میں خوشی سے پھول جاتی۔

میرا بیٹا میری کل متاع تھا۔ وہ جوانی میں بھی ہر قسم کی برائی سے دور رہا تھا۔ میں اس کی طرف سے بہت مطمئن تھی کہ اچانک اس پرسکون کیفیت میں ''ہنی'' نام کی بلا نجانے کہاں سے کود کر ہلچل مچا گئی۔

وہ مومن کا یونی کا آخری سال تھا جب اس نے اپنی ایک یونی کی دوست 'ہنی' کا مجھ سے تذکرہ کیا۔ یہ تذکرہ سرسری نہیں تھا۔ وہ بہت محبت سے ہنی کا ذکر کر رہا تھا۔ اس نے بغیر لگی لپٹی مجھے بتایا کہ وہ اس لڑکی کے لیے سنجیدہ ہے اور اب جلد ہی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

میں یہ سن کر بری طرح چونکی۔ حالانکہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ میرا بیٹا جوان تھا مخلوط تعلیمی ادارے میں پڑھتا تھا۔ کسی کو پسند کر کے شادی کرنے کی سوچ فطری تھی۔ لیکن اس کے اصرار کی شدت نے مجھے بے چین کر دیا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے شدید تحفظات نے آ گھیرا۔ میری محنت سے کمائی ہوئی کمائی مجھے اپنے ہاتھوں سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ایسا نہیں تھا کہ مجھے بیٹے کی شادی نہیں کرنی تھی۔ مجھے بس اس کی محبت کی شادی نہیں کرنی تھی۔ کسی ایسی لڑکی کے ساتھ جو اس کے دل میں پہلے سے بسی ہو۔ میں اس کی شادی خالص اپنی پسند کی لڑکی سے کروانا چاہتی تھی۔ میرا مشاہدہ تھا کہ دل میں پہلے بس جانے والی لڑکی بیوی بن کر سر پر بیٹھ جاتی ہے اور بیوی بننے کے بعد لڑکی کو دل میں بسانے میں وقت لگتا ہے۔ بہرحال یہ میری ذاتی سوچ تھی۔

مومن کا اصرار اس روز سے زور پکڑتا گیا جب اس کو اچھی جاب بھی لگ گئی۔ میں پہلے پہل تو اس کو مختلف بہانوں سے ٹالتی رہی تھی اب جب وہ اپنے پیروں پر جم گیا تو میرا ہر بہانہ دم توڑ گیا۔ خیر میں بھی اپنے انکار پر جمی رہی۔ جس سے وہ خائف ہو کر بار بار مجھ سے ہنی کی خوبیاں بیان کرنے لگا۔ مجھے اس ان دیکھی لڑکی سے نفرت ہونے لگی۔ جس نے میرے لاڈلے کو اپنی اداؤں سے پھانس لیا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں مومن سے اس لڑکی کے ساتھ رابطے کا ہر ذریعہ چھین لیتی۔ اس لڑکی کے گھر جا کر اس کو اتنی کھری کھری سناتی کہ وہ میرے بیٹے کے بارے میں سوچنے سے بھی پرہیز کرتی لیکن پھر میں مومن کے آگے ہلکی پڑ جاتی۔ سو میں نے دوسرا طریقہ اپنایا اور اپنے ماں والے رتبے کو ڈھال بنا کر میدان میں کود پڑی۔

میرا انکار قطعی حیثیت اختیار کرتا گیا اور مومن

کا اصرار ست پڑنے لگا آخر ایک وہ دن بھی آیا جب اس نے بالکل چپ سادھ لی۔

☆☆☆

مومن کی خاموشی میری جیت تھی۔ میں اس جیت کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتی تھی۔ مومن کے سر سے ہنی کا بھوت مزید اتارنے کے لیے میں نے اس کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اپنی قریبی سہیلی کو اس کام کا ذمہ سونپا کہ وہ میرے بیٹے کے لیے اچھی سی لڑکی تلاش کرے۔ حنا میری بچپن کی ہمراز سہیلی تھی۔ میں اس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا کرتی تھی۔ اب بھی اس کو یہ کام سونپ کر میں مطمئن ہو گئی۔

پھر تھوڑے ہی دنوں بعد حنا نے مجھے ایک لڑکی کے متعلق بتایا اور بہت تعریفیں کیں تو میں اگلے ہی دن اس لڑکی کو دیکھنے حنا کے ساتھ گھر سے نکل پڑی۔

پوش علاقے میں واقع ایک خوبصورت بنگلے کی رہائشی اس لڑکی کے والدین اور بہن بھائی سے ملاقات پر ہی میں ان کے اخلاق اور وضع داری کی قائل ہو گئی۔ پھر لڑکی جس کا نام مائیدہ تھا کمرے میں داخل ہوئی تو گویا روشنی سی بھر گئی۔ حسین صورت متناسب سراپا اور دھیمے لہجے میں بات کرتی مائیدہ میرے دل میں اتر گئی۔

میں نے تو اسی وقت مومن اور مائیدہ کو تصور کی آنکھ سے اسٹیج پر بیٹھے دیکھ لیا۔ ’’کیا ہی چاند سورج کی جوڑی دکھائی دی۔‘‘

میں نے رشتہ ڈال کر مائیدہ کے والدین سے جلد مثبت جواب کی درخواست کی اور سنیچر کے دن اپنے گھر بلالیا۔

وہ بھی اپنی باتوں سے نیم رضامند دکھائی دیے۔

واپسی پر میں بہت زیادہ خوش تھی۔ گھر آ کر مومن کو مائیدہ کی تصویر دکھائی اور تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ مومن خاموشی سے سنتا رہا۔ اس کے لبوں پر نہ ہاں تھی نا ہی ناں۔ مجھے اس کی خاموشی سے ہی حوصلہ ملا تھا سو میں بے پروا رہی۔

☆☆☆

عید الفطر کے تیسرے روز شادی کی تاریخ طے ہوئی۔ درمیان میں تیاری کے لیے دن بہت کم تھے۔ میں تقریباً روز ہی حنا کے ساتھ مل کر شاپنگ پر جاتی۔ دلہن کا عروسی جوڑا لینے کا وقت آیا تو میں نے مائیدہ کو اس کی پسند سے جوڑا دلوانے کا سوچا کہ پہننا تو اس کو تھا اسی موقع پر میں نے مومن کو ساتھ چلنے کا کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

"اس نے ویسے بھی کچھ دن بعد میرے پاس آنا ہے پھر اس ملاقات کی کیا ضرورت"۔

وہ سادہ لہجے میں بولا تو میں دل مسوس کر کے رہ گئی مومن اپنی شادی کے معاملات میں بہت کم دلچسپی لے رہا تھا۔ یہ بات میرے لیے پریشان کن تھی۔ پھر رمضان کا ماہ مبارک شروع ہوا تو دن رات کی روٹین ہی بدل گئی۔ کالج سے آ کر میں ملازمہ کے ساتھ مل کر افطار تیار کرتی گھر میں ہم دو بندے تھے لیکن مجھے شروع سے افطاری کا اہتمام کرنا اچھا لگتا تھا۔ مومن بھی بہت خوش خوراک تھا لیکن اس بار مجھ سے فرمائشیں نہیں کر رہا تھا۔

مجھے دکھ ہوا مگر پھر سوچا خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔

☆☆☆

آخر وہ دن بھی آ گیا جب میری پسند کی بہو میرے گھر میں چراغاں کرنے چلی آئی۔ میری خوشی نرالی تھی۔ بیٹے کی تابعداری پر مہر ثبت ہو گئی تھی میں کیسے خوش نہ ہوتی۔ سب لوگ دولہا دلہن کی جوڑی کو سراہ رہے تھے اور میں فخر سے داد وصول کر رہی تھی۔

آج تو مومن بھی مسکرا رہا تھا۔ مائیدہ اتنی پیاری جو لگ رہی تھی وہ کیسے خوش نہ ہوتا۔ "شکر اس منحوس ہنی سے میرے بچے کی جان چھوٹی" میرے دل کو اطمینان ہوا۔

☆☆☆

مائیدہ گھر میں آئی تو گویا رونق سی آگئی۔ اس نے آتے ہی گھر کا نظام سنبھال لیا۔ وہ بہت سادہ مزاج اور ہنس مکھ لڑکی تھی۔ مومن بھی اس کی رفاقت میں مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ میں نے مائیدہ کو پہلے دن سے اپنے رعب میں رکھا تھا۔ وہ ہر بات مجھ سے پوچھ کر کرتی تھی۔ کچن کا مینو میری مرضی سے ترتیب پاتا۔ اس کا کہیں آنا جانا بھی مجھ سے اجازت لے کر ہوا کرتا۔ حتیٰ کہ مائیدہ کو روز پہننے کے کپڑے بھی میں سلیکٹ کر کے دیتی تھی۔ مومن ان معاملات سے بالکل لاتعلق رہتا۔ میں مائیدہ کو بعض اوقات کسی اونچ نیچ پر اس کے آگے ہی ڈانٹ دیتی تھی وہ لاپروا نظر آتا۔ میں دل میں عجیب سی راحت محسوس کرتی اگر جو اس کی دل چڑھی "ہنی" اس جگہ ڈانٹ کھاتی تو شاید وہ برداشت نہ کر پاتا یا پھر وہ چالاک لڑکی ہی اس کو مجھ سے متنفر کر دیتی۔ ادھر تو مائیدہ سر جھکا کر خاموشی سے میری اچھی بری سن لیتی تھی۔

☆☆☆

ایک سال پلک جھپکتے میں بیت گیا اور ماہ رمضان اپنی برکتیں نچھاور کرنے ایک بار پھر سے آگیا۔ مائیدہ ہمارے لیے بہت خوش قسمت ثابت ہوئی تھی مومن کو ملازمت میں ترقی مل گئی تھی۔ میرا بھی گریڈ بڑھ کر انیس اسکیل تک جا پہنچا تھا۔ اور اب تو ہمارے آنگن میں کھیلنے والا ننھا فرشتہ دنیا میں آیا ہی چاہتا تھا۔

مائیدہ پورے دنوں سے تھی۔ میں اس کا خیال رکھنے لگی تھی۔ آخر کو وہ ہماری نسل کی امین بننے

جا رہی تھی۔ پھر عید الفطر کے تیسرے دن فجر کے وقت میری آنکھ دروازے کی دھڑ دھڑ سے کھلی۔ میں نے فوراً اٹھ کر بیڈ روم کا دروازہ کھولا تو سامنے مومن کی گھبرائی صورت نظر آئی۔

''امی وہ مائیدہ کی کنڈیشن خراب ہے۔'' اس کے کہتے ہی میں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی مائیدہ درد سے بے حال تھی۔

''مومن گاڑی نکالو، ہاسپٹل چلنا ہے۔''

میں نے کہا تو اس نے جھٹ سے چابی اٹھا کر بٹوہ جیب میں اڑس لیا۔ میں نے بھی عجلت میں چادر پہنی اور مائیدہ کو تھام کر گاڑی میں آ بیٹھی۔ تمام راستہ میرے لبوں پر دعائیں رہی۔

ہاسپٹل جاتے ہی مائیدہ کو ایڈمٹ کر لیا گیا۔ میں اور مومن اسپتال کے ٹھنڈے فرش پر ٹہلتے کسی خیر کی خبر کے منتظر تھے۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد نرس نے باہر نکل کر چاند سے پوتے کی خوش خبری سنائی تو میں نے وہیں مصلا بچھا کر سجدہ شکر ادا کیا پھر اس کمرے میں چلی آئی جہاں میری بہو اور پوتے کو شفٹ کیا گیا تھا۔ اندر سے مومن کی آواز آ رہی تھی۔

'ہنی میری جان! اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ تم اور میرا بچہ خیریت سے ہو۔ تم نہیں جانتی کہ آج میں کتنا خوش ہوں۔ اللہ نے میرے نصیب میں دنیا کی سب نعمتیں ڈال دی ہیں۔ وہ بھی جن کی کبھی میں نے تمنا کی اور وہ بھی جن کی خواہش بھی نہ کی تھی۔

مومن جذبات سے مغلوب ہو کر بول رہا تھا۔

''بے شک اللہ بہت مہربان ہے۔ مومن تم جانتے ہو آج وہی تاریخ ہے جس دن ہماری یونی میں پہلی ملاقات ہوئی پھر اسی دن ہمارا نکاح ہوا اور اب اسی تاریخ کو ہمارا بچہ دنیا میں آیا ہے۔

مائیدہ عرف ہنی نے تشکر سے کھنکتے لہجے میں یاد دلایا۔

''بالکل میڈم خاکسار کے دل پر درج ہے یہ تاریخ۔'' مومن شوخی سے بولا۔ وہ اور بھی کچھ کہتا رہا مگر میرے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ میں وہیں سے واپس پلٹ آئی اور برآمدے میں رکھی بینچ پر بیٹھ گئی۔ پھر موبائل کی گیلری کھول کر ڈیڑھ سال پہلے مومن کی طرف سے بھیجی گئی ایک گروپ فوٹو بغور دیکھی۔ تھوڑا زوم کرنے پر مائیدہ کا سراپا واضح ہوا تھا۔ میری آنکھیں دھندلا گئیں۔

''کیا ہوا امی آپ ابھی تک ادھر بیٹھی ہیں۔'' مومن کی آواز سنائی دی تو میں نے سر اٹھایا۔

''یہ سب کیا ہے مومن؟ مجھ سے اتنی بڑی بات چھپالی۔ مائیدہ ہی تمہاری "ہنی" ہے۔'' میں نے انتہائی خفگی سے موبائل اس کے سامنے کیا۔ وہ فوٹو دیکھ کر تھوڑا چونکا پھر مسکرا کر میرے برابر بیٹھ گیا۔

''امی آپ مجھ سے خفا ہیں؟'' اس نے میرے کندھے پر بازو پھیلایا۔

''امی یقین کریں۔ میری شادی خالصتاً آپ کی مرضی سے ہوئی اس رشتے کو آپ تک پہنچانے میں میرا کوئی دخل نہیں تھا۔'' وہ زور دے کر بولا تو میں نے مشکوک نظر اس پر ڈالی۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں آپ نے حنا آنٹی کے ساتھ جو لڑکی پسند کی وہ میری محبت ہنی ہو گی یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ میں تو آپ سے اصرار کر کر کے ہار گیا تھا۔ ادھر مائیدہ کے تواتر سے رشتے آ رہے تھے اس کو دھڑکا تھا کہ اس کے والدین کسی ایک کو اوکے کر دیں گے۔ ادھر آپ راضی نہیں ہو رہی تھیں۔ میری زندگی ایک عذاب میں گرفتار تھی۔ میں نے مائیدہ کے سامنے کورٹ میرج کا آپشن رکھا لیکن وہ بدک گئی مجھ سے کہا جس شادی میں بڑوں کی دعائیں ساتھ نہ ہوں وہ

کبھی کامیاب نہیں ہوتی اور یہ کہ ہم والدین کا دل دکھا کر خوش نہیں رہ سکتے۔ اگر آپ کی رضا نہیں تو میں اس کو بھول جاؤں۔" مومن کے لہجے میں سچائی کی خوشبو تھی۔ میں دل ہی دل مائیدہ کی عمدہ سوچ کی معترف ہوئی۔

"ہنی کو بھلا دینا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ لیکن مجھے یہ صبر کا گھونٹ بھرنا پڑا۔ خدا گواہ ہے پھر میں نے اس کو اپنے ذہن سے نکال دیا کہ دل سے نکالنا ممکن نہ تھا لیکن پھر اچانک ایک معجزہ ہو گیا۔ آپ اس کی تصویر لے کر میرے سامنے چلی آئیں اور اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ میں حیران رہ گیا تمنائیں یوں بھی پوری ہوتی ہیں۔"

"میں نے عرصہ بعد ہنی کو فون ملایا وہ بھی اللہ کی شکر گزار تھی جس نے ہمارا ملن ممکن بنا دیا تھا۔ پھر ہم نے طے کیا کہ اب ہم دونوں کو خاموش رہنا ہے آگے کے معاملات اللہ کے فضل سے خود ہی طے ہوتے گئے۔ آپ بھی خوش تھیں ہم بھی خوش۔" وہ آخر میں شرارتاً مسکرایا تو میرے لبوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔

"بہت بڑے ایکٹر ہو مومن! پہلے دن سے ایسے بی ہیو کرتے رہے جیسے مائیدہ سے نکاح مارے باندھے کر رہے ہو۔ پھر شادی کے بعد بھی بہت خوبی سے ایک سال گزار دیا اور مجھے اصل کہانی کی ہوا تک نہ لگنے دی۔" میں نے بے اختیار شکوہ کیا۔

"لو آپ کو بتا کر پٹنا تھا کیا۔" وہ فوراً بولا۔

"تو اب کیا مجھ سے بچ جاؤ گے۔ میں ابھی بھی تمہاری ٹھکائی کروں گی۔" میں نے مصنوعی غصہ دکھایا تو وہ ہنسنے لگا۔

"نہیں اب آپ ہمیں کچھ نہیں بول سکتیں۔ کیونکہ آپ کو خوب صورت پوتے کا گفٹ مل گیا ہے۔" وہ اعتماد سے بولا تو میں چونک گئی۔

"ارے اتنی دیر سے مجھے باتوں میں لگا کر بیٹھے ہو۔ ادھر میری بہو اور پوتا ادھر میرے انتظار میں ہوں گے۔" میں نے عجلت میں قدم روم نمبر تین کی طرف بڑھائے تو مومن میرے پیچھے چلا آیا۔

سامنے ہی بیڈ پر مائیدہ میرے صحت مند اور خوب صورت پوتے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔

میں نے آگے بڑھ کر اپنی بہو کی پیشانی چوم لی اور اپنے پوتے کو بانہوں میں بھر لیا۔

میرا جونیئر مومن میرے ہاتھوں میں تھا۔ ہماری فیملی اس چھوٹے سے وجود سے کتنی مکمل ہو گئی تھی۔

میں نے شاد ہو کر سوچا اور بچے کے گال پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ ذہن میں کہیں یہ الفاظ گونجنے لگے تھے۔

ایک تیری چاہت ہے۔ ایک میری چاہت ہے

ہو گا وہی جو میری چاہت ہے۔

☆☆

مکمل ناول

صائمہ قریشی

لذت غم عشق

"میرے نزدیک محبت کے صرف دو اصول ہیں، جس سے محبت ہے اس کے لیے ساری حدیں توڑ دو۔ مٹ جاؤ اس کی چاہت میں اور اگر وہ اس بے انتہا محبت کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا تو مٹا دو محبت کو۔ دل سے کھرچ کر نکال دو، محبت کے بدلے محبت کی کبھی بھیک نہ مانگو۔"

"یہ کہنا آسان ہے، کرنا مشکل۔ محبت کو کھرچ دینا ممکن نہیں ہوتا۔"

"محبت کسی وجہ، کسی کے کہنے یا سامنے والے کی محبت کی گہرائی یا سچائی دیکھ کر نہیں ہوتی۔ یہ بس ہو جاتی ہے اچانک...... جب ہونے لگتی ہے تو ایک لمحہ بھی نہیں لگتا۔ بس ایک پل...... کوئی ایک پل...... آپ کو قید کر دیتا ہے۔ اپنا اسیر بنا لیتا ہے اور نہ ہونی ہو تو...... تو نہیں ہوتی۔ صدیاں بیت جاتی ہیں، وہ شدت، وہ جذبے، وہ تڑپنا، وہ آنسو سب رائگاں کر دیتی ہے، مٹی میں رول دیتی ہے۔ جہاں محبت نہایت مہربان ہے وہاں محبت سے زیادہ سفاک کوئی دوسری چیز دنیا میں نہیں۔ ابھی بھی وقت ہے، سمجھ جاؤ، سنبھل جاؤ۔ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ تم میرے لیے خاص نہیں ہو۔ تم وہ نہیں ہو جو مجھے چاہیے، تم میری تلاش نہیں ہو۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل رہا تھا۔

"محبت سے زیادہ سفاک کوئی دوسری چیز دنیا میں نہیں۔" وہ زیر لب اس کے الفاظ کو دہرا کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں یہ نہیں کہتی کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ محبت ہے کیا؟ یہ کیسے ہوتی ہے میں نہیں جانتی۔ یہ ہو جائے تو کیا ہوتا ہے میں یہ بھی نہیں جانتی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ رہو، ہر وقت، ہر لمحہ۔ چودھویں کے چمکتے چاند کو ہم ہمیشہ ساتھ کھڑے ہو کر دیکھیں، برستی بارش میں ایک ساتھ بھیگیں۔ ساحل سمندر پر جائیں تو گیلی ریت کی مسافت کو ہاتھ تھام کر طے کریں۔ سمندر کا ٹھنڈا پانی آپ کے قدموں کو چھوتا ہوا میرے قدموں میں جذب ہو جائے، بس آپ میرے رہو، میرے ساتھ، میرے پاس...... اور صرف میرے ہمیشہ......" وہ اس پل برستی بارش اور خزاں کے دلکش منظر کو دیکھ کر بولی۔

"ہمیشہ کوئی چیز نہیں رہتی۔" ایک اور گھائل کرتا وار۔

"محبت ہو جائے تو اس کو روکا کیسے جاتا ہے، میں نہیں جانتی...... میں نہیں جانتی...... میں کچھ نہیں جانتی۔ سوائے اس کے کہ میں نے محبت کی وہ "وائٹ لائن" کراس کر دی ہے جس کے بعد سوائے آگے بڑھنے کے اور کوئی آپشن نہیں ہوتا۔ میں فقط اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرے لیے خاص ہیں۔ آپ وہ ہو جو مجھے چاہیے، آپ وہ ہو جس کی

مجھے تلاش تھی۔ میں کیسے سنبھلوں؟ میں کیا سمجھوں؟ میں نہیں جانتی۔" بے بسی اس کے ہر ایک لفظ سے جھلک رہی تھی۔

"یہ سراسر پاگل پن ہے، حماقت ہے۔ محبت کوئی ارینج میرج نہیں ہوتی کہ مرضی ہو نہ ہو، زبردستی کر کے گزارہ کر لیا جائے۔" لہجہ تلخ تھا اور الفاظ کی چبھن اس نیزے کی سی جو لمحوں میں دل چیر کے رکھ دیتا ہے۔

"میرے جذبوں میں، میری محبت میں وہ شدت ہے کہ..... آپ کو محبت ہو جائے۔"

"محض مفروضے کی بنا پر میں کوئی رشتہ نہیں جوڑ سکتا۔" ایک اور دھتکار۔

"آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میری محبت بہت کم ہے؟" گہری کھائی سے نکلی ایک سسکاری۔

"میں کم یا زیادہ نہیں صرف سچ جانتا ہوں اور سچ یہی ہے جو میں متعدد بار تمہیں بتا چکا ہوں۔ تم نہیں سن پائیں تو ایک بار پھر کہتا ہوں۔" مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں نفرت نہیں، انتہاؤں کو چھوتی سرد مہری اور سفاکی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر آپ فیصلہ کریں۔ میں..... میں اس فیصلے کو..... آپ کے فیصلے کو نبھاؤں گی۔" چند لمحوں تک بھی اس کی الفاظ کی گونج کم نہ ہوئی تو وہ کپکپائے لہجے میں بولی۔

"تم اس محبت کو یہیں دفن کر دو اور چلی جاؤ یہاں سے۔" سفاکی کا ایک دوسرا رخ۔

"اس کے لیے میرے وجود کو بھی مٹنا ہوگا۔ مجھے بھی دفن ہونا پڑے گا۔" اپنے دل کے چیخنے کی آواز اس نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔

"میں اس سے زیادہ تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔" وہ رخ موڑ کر گویا قصہ ختم کر چکا تھا۔

"محبت کے حصول کے لیے میں جتنی کوشش کی تھی، میں کر چکی۔ جتنی دعائیں مانگنی تھیں مانگ لیں۔ جتنی منتیں کرنی تھیں کر لیں۔ اب اس محبت کی قسمت کا فیصلہ وقت کرے گا۔ آج کے بعد یہ محبت آپ کے راستے میں کبھی نہیں آئے گی لیکن یہ دفن نہیں ہو سکتی، یہ اب کم نہیں ہو سکتی۔ ہماری منزل ایک نہیں، رستے بھی الگ ہیں لیکن اگر میرے جذبوں کو آپ نے محبت کا نام دیا ہے تو یہ محبت کبھی الگ نہیں ہوگی، کبھی دفن نہیں ہوگی..... کبھی نہیں.....!"

"دیکھو یہ..... یہ ممکن نہیں ہے۔ تم غلطی کر رہی ہو....." ایک بار پھر اس کے تلخ انداز پر اس نے پلکیں جھکائی تھیں۔

"مجھے لگتا ہے کہ یہ محبت نہیں ایک وقتی اٹریکشن ہے اور تم....."

"جو آپ کو لگتا ہے وہ صرف آپ کی سوچ ہے۔" وہ ان حدوں تک پہنچ چکی تھی۔ جہاں پر کچھ بھی سمجھنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ سامنے دلدل ہوتی ہے لیکن قدم آگے بڑھتے جاتے تھے۔

"اور..... وہ..... آگے بڑھ رہی تھی۔ محبت کو اس کے قدموں تلے کچلتے ہوئے، روندتے ہوئے دیکھنا، اب کے بس میں نہ رہا تھا۔ تواتر سے برستی بارش کی رفتار میں اضافہ ہوا تھا، اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔ ہر طرف بکھرے خزاں کے منظر جو کبھی پہلے دلکش لگا کرتے تھے، ویرانی میں ڈھل گئے۔ تیز بارش میں بھیگتی ہوئی، درختوں کے بکھرے پتوں کو، بارش کے پانی کو روندتی ہوئی وہ آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اپنے بھیگ جانے کا احساس نہیں تھا اس کو، وہ بھاگ رہی تھی۔ ہر طرف سے بے گانہ تھی، ہر طرف سے انجان..... یہ بھی نہ جان سکی کہ دو گہری کالی آنکھوں نے اس کا تعاقب کیا، دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ وہ بے خبر تھی، لاتعلق تھی لیکن بھاگ رہی تھی۔

☆☆☆

"عروش تمہیں یہ گولڈن چانس کسی صورت مس نہیں کرنا چاہیے۔ بہت کم لوگوں کو ایسے موقعے

ہیں کہ وہ اپنا فیوچر سیکیور کرلیں۔" بھاپ اڑتی کافی کا مگ ہاتھ میں تھامے وہ کمرے میں داخل ہوئی تو عروش کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی' اس کی بات پر پلٹ کر اس کو دیکھا۔

"ہاں گولڈن چانس تو ہے لیکن...... ڈھیروں ڈھیر مسائل کے ساتھ وارد ہوا ہے۔" عروش کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر اس کی طرف بڑھتی ہوئی قدرے بےزاری سے بولی۔

"کیوں؟ اب کیا پریشانی ہے؟" وہ کافی کے سپ کو لیتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔

"پریشانی نہیں، پریشانیاں کہو۔" عروش نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"خدا خیر کرے، یہ ایسی کون سی پریشانیاں ہیں جو اچانک نازل ہو گئیں۔"

"یار یہاں کے بکھیڑے اور ان مسائل کو ادھورا چھوڑ کر کیسے......؟" عروش دل مسوس کر رہ گئی۔

"میں جانتی ہوں کہ یہ ایک ایسا چانس ہے جس کا مجھے بہت فائدہ پہنچنے والا ہے لیکن......" اس کے پرسوچ چہرے کو دیکھتے ہوئے عروش پھر گویا ہوئی تو اس کے لہجے میں جھانکتی اضطرابیت نے اس کو بھی بےچین کر دیا تھا۔

"ہاں وہی میں بھی سوچ رہی ہوں کہ کیا ہو سکتا ہے۔" وہ عروش کی طرف دیکھ کر بولی۔

"باقی مسئلے ایک طرف اور...... لالہ جی تو پورا مسئلہ کشمیر ہیں۔" عروش انتہائی مایوسی سے بولی۔

"ہاں میں سمجھ سکتی ہوں، اگر تم چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔" کافی کا آخری سپ لے کر مگ کو میز پر رکھتے ہوئے اس نے مسکراتی نظروں سے عروش کو دیکھا اور فراخ دلی سے بولی۔

"واٹ؟ مطلب میڈم عفاف آپ میری مدد کریں گی؟" عروش ہنستے ہوئے اس سے تصدیق چاہ رہی تھی۔ جانتی تھی کہ اس کا شیڈول کس قدر بزی ہے۔

"سچی...... کیسے کیسے؟" اس کے اثبات میں سر ہلاتے ہی عروش پلک جھپکتے ہی جمپ لگا کر ایک ہی جست میں عفاف کے ساتھ تقریباً اس کی گود میں آ گری۔

"ہاں سچی مچی۔" وہ بےساختہ ہنسی۔

"ہائے عفاف! تم واقعی میری جانو دوست ہو۔" عروش اس کا ہاتھ پکڑ کر دباتے ہوئے پرمسرت انداز میں بولی تو وہ فقط مسکرا کر رہ گئی۔

"سو تو ہوں ہی......" دوسرے لمحے عفاف شاہانہ انداز میں بولی۔

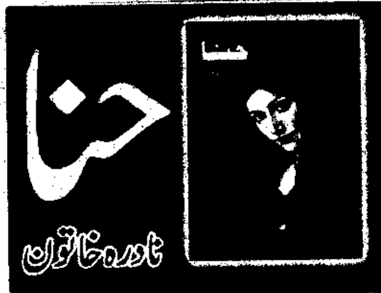
"ہاں لیکن کیا کرو گی؟" عروش نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارے انسٹی ٹیوٹ میں پارٹنرشپ کر سکتی ہوں۔ کچھ نئے اسٹاف کو بھی اپائنٹ کر سکتی ہوں اور......"

"اور......؟" عروش بےانتہا حیرت سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے مسکراہٹ دبا کر خاموش ہونے پر عروش نے پوچھا۔

"اور لالہ جی کو پٹانے کے لیے تمہیں ٹپ دے سکتی ہوں۔" عفاف آنکھ دبا کر بولی۔

"لالہ جی کو پٹانا نہیں ہے، راضی کرنا ہے۔" عروش نے اسے گھورا تھا۔



"ہاہاہا...... ہاں وہی راضی کرنا ہے تو اس کے لیے تمہیں پوائنٹس دے سکتی ہوں۔" عفاف ہنستے ہوئے بولی۔

"تم سوچ لو، اگر تم یو کے جانا چاہتی ہو، اگر تم چاہتی ہو کہ لالہ جی مان جائیں تو میں تمہارے لیے یہ کر سکتی ہوں۔" عروش کو سوچتے دیکھ کر عفاف پھر بولی۔

"اس کے پیچھے میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے، پارٹنر شپ کی بات اس لیے کی ہے کہ میں جانتی ہوں کہ تم ایسے ہی یہ ذمہ داری مجھے نہیں دو گی۔" عروش کو مسلسل سوچ میں گم دیکھتے ہوئے عفاف نے اپنا دفاع کرنا ضروری سمجھا۔

"نہیں...... نہیں مجھے تمہاری خلوص نیت پر کوئی شک نہیں ہے۔ تم پر مکمل بھروسا بھی ہے۔ پارٹنر شپ کیا میں پورا انسٹی ٹیوٹ تمہارے نام کرنے کو تیار ہوں۔" عروش کے لہجے میں اس کے لفظوں کی سچائی عیاں تھی۔ عفاف نے مسکرا کر اس کو دیکھا اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"تو بس پھر بے فکر ہو کر فارم جمع کرواؤ اور پیکنگ اسٹارٹ کر دو۔" عفاف نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں، لیکن اصل مسئلہ تو ابھی وہیں کا وہیں ہے ناں۔" عروش ہاتھ چھڑا کر متفکر لہجے میں بولی۔

"کون سا مسئلہ؟" عفاف نے اس کے الجھن سے لبریز، متغیر چہرے کو دیکھا۔

"لالہ جی!" عروش لاچاری سے بولی تو عفاف کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سوچتے ہیں ناں کچھ۔" عفاف قدرے سنجیدگی سے بولی۔

"کیا تم بھی یو کے چل سکتی ہو؟ تمہارا ساتھ ہوا تو لالہ جی آسانی سے مان جائیں گے۔" دوسرے پل عروش نے عفاف سے کہا۔

"نہیں یار! میں کیسے جا سکتی ہوں۔" عفاف نے صاف انکار کر دیا۔

"پلیز عفی...... میری خاطر، بس دو سال ہی کی تو بات ہے ناں۔ یا ایسا کرنا تم مجھے چھوڑ کر واپس آ جانا۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟ کیا تم دوسری گلی میں جا رہی ہو جو میں چھوڑ کر فٹافٹ واپس آ جاؤں گی۔ یہ لندن کا ٹرپ ہے میڈم! سات سمندر پار اور ساٹھ، ستر ہزار روپے کیا میں ایسے ہی ضائع کر دوں۔" عفاف نے مصنوعی خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"عجیب محبت ہے تمہاری، میری خاطر اتنے سے روپے نہیں خرچ کر سکتی۔" عروش منہ بسور کر بولی۔

"خرچ کر سکتی ہوں، ضائع نہیں۔ ویسے چند کیسز ایسے ہیں کہ میں اس سال یو کے نہیں جا سکتی...... فکر نہ کرو، لالہ جی سے میں بات کروں گی۔" دوسرے پل اس نے جیسے بات ختم کر دی تھی۔

"تم...... تم ملو گی لالہ جی سے؟ میرے لالہ جی سے؟" عفاف نے بات ہی ایسی کی کہ عروش کا چونک جانا لازمی تھا۔

"ہا...... ہاں...... کیوں نہیں۔ کیا میں نہیں مل سکتی ان سے؟" عفاف موضوع بدلنے کے لیے بنا سوچے سمجھے بول گئی تھی اور اب پچھتا رہی تھی۔

"کیوں نہیں مل سکتی، ضرور مل سکتی ہو۔ میں تو چاہتی تھی؟ چاہتی ہوں کہ تم ملو لالہ جی سے۔ وہ بہت بہت اچھے ہیں لیکن تم ہی ہمیشہ کنی کترا کر گزر جاتی ہو۔" عروش بے انتہا خوش ہو رہی تھی، کتنے عرصے سے وہ عفاف اور لالہ جی کی ملاقات کروانا چاہ رہی تھی لیکن عفاف کی طرف سے ہمیشہ انتہائی سپاٹ ردعمل اس کی سارے شوق کو ریزہ ریزہ کر دیتا تھا۔

"میری مصروفیت کا تمہیں اندازہ تو ہے نا۔" عفاف نے سنجیدگی سے کہا، تو عروش نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر شکایت کیسی؟" عفاف نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اچھا یار! معاف کر دو۔ تو کل شام پانچ بجے "مبین مینشن" تمہارا منتظر ہو گا۔" عروش شاہانہ

انداز میں بولتی اس کی دھڑکنوں کو مضطرب کر گئی تھی۔
''کل شام...... نہیں نہیں...... کل تو میں بزی ہوں گی۔'' عفاف نے صاف دامن بچایا۔
''رہنے دو، مجھے پتا تھا تم نے آنا ہی نہیں ہے، اب بہانے نہ بناؤ۔'' عروش نروٹھے لہجے میں بولی۔
''اب ڈرامے نہیں کرو، او کے کل آجاؤں گی لیکن پانچ بجے نہیں، تھوڑا لیٹ ہو جاؤں گی۔'' عفاف نے یک لخت ہی ہتھیار ڈال دیے تھے۔
''تم لاتوں والی بھوت ہو، ڈراموں کے بغیر مانتی کہاں ہو۔'' عروش مسخر سے انداز میں بولی تو عفاف اس کو گھور کر رہ گئی۔
''آؤں گی تو لیکن......''
''تم آؤ تو ''لیکن'' پھر ڈیسائیڈ کرلیں گے۔'' عروش جانتی تھی کہ اب کھانے پینے کے تکلف کی بابت کہنے لگی ہے۔ اس لیے اس کی بات کاٹ کر الہڑ انداز میں بولی تو عفاف ہنسنے لگی۔

☆☆☆

''عفی! دس از ناٹ فیئر۔ میں نے لالہ جی سے ٹائم بھی لے لیا تھا۔ تم جانتی ہوناں وہ کتنے بزی رہتے ہیں۔'' عروش کا مخصوص نروٹھا لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔
''رئیلی سوری، عروش پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں کل آجاؤں گی ناں۔'' عروش کے اصرار پر وہ قدرے اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولی حالانکہ کہنا چاہتی تھی۔
''عروش میری مصروفیت سے بھی تو تم انجان نہیں ہوناں۔'' لیکن وہ دوٹوک لہجے کو برتنے سے ہمیشہ اجتناب برتتی تھی۔ اس لیے بھی وہ اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش میں تھی۔ خلاف معمول وہ اپنا وعدہ پورا نہ کرسکی تھی۔ عروش مسلسل انتظار سے تنگ آکر اس کو کال کر رہی تھی اور اب اس کے نہ آنے پر اس سے خفا......
''پلیز ایسے خفا نہ ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں وعدہ کرلوں تو پورا کرتی ہوں، آج میری طبیعت ٹھیک

یقین ہے۔"

"جھوٹ۔" اس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود وہ اس کے بہانے پر یقین نہیں کر رہی تھی، عفاف ہنس دی۔

"پاگل...... کل پکا آؤں گی۔" عفاف نے ایک بار پھر وعدہ کیا۔

"کل کی کل دیکھیں گے، آج لالہ جی سے کیا بولوں۔" عروش کو اب لالہ جی کے غصیلے تیوروں کی پریشانی ہو رہی تھی۔ عروش کا یہی ڈر اور خوف ہی عفاف کو کترانے پر مجبور کر رہا تھا۔

"بول دو، میں مصروف ہو گئی ہوں اس لیے آج آنے سے معذرت کی ہے اور کل آنے کو کہا ہے۔" عفاف اس کو بتانے لگی لیکن درحقیقت وہ بھی لالہ کے غصے سے خوف زدہ تھی۔

"اوکے، تو کل ملاقات ہو گی پھر......" عروش نے گہرا سانس لے کر کہا اور فون بند کر دیا۔

عفاف کتنی ہی دیر بیٹھی نجانے کیا سوچتی رہی لیکن اپنی ہی سوچوں کا کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ آیا۔

☆☆☆

"لالہ! میں آ جاؤں۔" مبین نیازی اسٹڈی روم میں بک شیلف کے پاس کھڑے کسی کتاب کو تلاش کر رہے تھے کہ ہلکی سی دستک کے بعد وہ اندر جھانک کر ان سے اجازت لینے لگی۔

"ہاں آ جاؤ۔" وہ ایک کتاب کو اٹھائے کھڑے تھے لیکن شاید یہ ان کی مطلوبہ کتاب نہ تھی۔ واپس رکھ کر پلٹ کر اسے دیکھا اور مسکرا کر اجازت دی۔

"خیریت؟" مبین نیازی بک شیلف سے ہٹ کر اب اپنی روکنگ چیئر کی طرف بڑھے تھے لیکن وہ وہیں کھڑی تھی۔

"ہاں لالہ! وہ آپ سے معذرت کرنی تھی۔" عروش مدھم آواز میں بولتی ان کو چونکا گئی۔

"معذرت؟" وہ یقیناً نہیں سمجھے تھے۔

"لالہ وہ میری دوست ہے ناں عفاف! آپ کو بتایا تو تھا کہ آج آئے گی لیکن اس کی طبیعت خراب ہو گئی اس لیے نہیں آ سکی۔" عروش نے نظر جھکا کر بتایا۔

"کیا ہوا اس کی طبیعت کو؟" مبین نیازی کے سوال نے عروش کو چونکا دیا۔

"یہ تو میں نے نہیں پوچھا۔" عروش صاف گوئی سے بولی۔

"ہم...... اچھا تم جا کر اس سے پوچھو اور معذرت کی ضرورت نہیں ہے، وہ اگر آتی تب بھی شاید میں ملاقات نہ کر پاتا، مجھے کہیں جانا ہے۔" حسب عادت مبین کا سنجیدہ و سپاٹ لہجہ اس کو سٹپٹا گیا۔

"پھر تو اچھا ہی ہوا، عفاف نہیں آئی خواہ مخواہ لالی جی کی وجہ سے اس کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا۔" عروش نے ان کے مصروف انداز کو دیکھ کر دل ہی دل میں عفاف کے نہ آنے پر شکر ادا کیا۔

"لالہ! آپ کھانا ابھی کھائیں گے یا واپس آ کر؟" عروش جاتے جاتے پلٹی تھی۔

"میں بزنس ڈنر پر جا رہا ہوں، تم لوگ کھانا کھا لینا۔" مبین نیازی نے اچٹتی نظر اس پر ڈالی اور بولے۔

"ٹھیک ہے لالہ! اللہ نگہبان۔" عروش نے اثبات میں سر ہلایا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔

"سنو عروش!" دوسرے پل مبین کی آواز پر وہ رک گئی، پلٹ کر دیکھا تو وہ اپنا موبائل ہاتھ میں پکڑے کھڑے تھے۔ عروش نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"جب کوئی اپنی طبیعت کی خرابی کا بتاتا ہے تو یہ ہمارا اخلاقی فرض ہوتا ہے کہ ہم عیادت کریں۔" مبین نیازی نے عروش کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"جج...... جی لالہ...... عفاف کے آنے پر خفا تھی اس سے، اس لیے نہیں پوچھا۔" عروش نے بے حد حیرت سے لالہ جی کو دیکھا تھا۔

"ناراضی اپنی جگہ اور خیال رکھنا اپنی جگہ۔"

جب ناراضی میں استحقاق دم توڑ دے تو رشتہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔'' مبین نے کہا تو عروش نے متعجب نظروں سے دیکھا، وہ پھر کتابوں کی الماری کی طرف بڑھ گئے اور عروش سوالوں کا انبار لیے اسٹڈی روم سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''بابا! سب خیریت ہوگی، آپ جانتے تو ہیں ان کی عادت ہے پریشان کرنے کی۔'' مسلسل انتظار احسن ندیم کے لیے اس قدر گراں گزر رہا تھا کہ اب وہ شدید ڈپریشن کا شکار ہو گئے تھے۔ اب وہ ان کے پاس بیٹھا ان کو تسلی دے رہا تھا۔

''ہاں عادت ہے، لیکن یہ عادت اب میری سانسیں تنگ کرنے لگتی ہے۔'' احسن ندیم انتہائی مضطرب دکھائی دے رہے تھے۔

''بابا جان! پلیز ایسی باتیں تو نہ کریں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں ناں۔'' وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو تسلی دے رہا تھا۔

''بیٹا جب اپنی ہی اولاد آپ کے خلوص و محبت کی قدر نہ کرے تو اس تکلیف کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے، یہ درد وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کو برداشت کر رہا ہوتا ہے۔'' وہ انتہائی یاسیت آمیز لہجے میں بولے تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

''بابا جان! حوصلہ کریں، کوشش کرتا ہوں میں کہ رابطہ ہو سکے۔'' وہ موبائل نکال کر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ مسلسل بیل جا رہی تھی لیکن کوئی جواب موصول نہ ہو رہا تھا۔

''وہ شاید مصروف ہیں، اس لیے کال ریسیو نہیں کی۔'' اس نے موبائل واپس پاکٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اس کی مصروفیت تو محض ایک بہانہ ہے۔'' احسن ندیم نے یاسیت آمیز انداز میں کہا۔

''بابا جان! اگر آپ کہیں تو...... ایک منٹ، دیکھیں کال بیک آ گئی۔'' وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ موبائل اسکرین پر جگمگاتا وہ نام اس کے اندر اطمینان کی ایک لہر دوڑا گیا۔ احسن ندیم کو بتا کر اس نے موبائل کان سے لگایا۔

''ہم آپ سے بہت بہت ناراض ہیں۔'' دوسری طرف سے ہیلو کرتے ہی وہ بولا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' جتنا ادھر سے ناراضی کا اظہار کیا گیا تھا، اتنا ہی دوسری طرف سکون تھا۔

''آج دو ہفتے کے بعد آپ سے رابطہ ممکن ہوا ہے، بابا جان بہت یاد کر رہے ہیں آپ کو۔'' اس نے احسن ندیم کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاں، جانتی ہوں۔ بابا جان کو میں بھی یاد کر رہی تھی بس کچھ مصروف رہی جس کی وجہ سے رابطہ نہیں کر سکی۔'' انتہائی تحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

''بیٹا! واپس آ جاؤ۔ اپنے بابا جان کے پاس لوٹ آؤ۔'' دوسرے پل احسن ندیم نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔

''بابا جان! کیسے ہیں آپ؟'' بہت کوشش کے باوجود بھی اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! تمہاری بہت یاد آتی ہے۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولے۔

''ممی کیسی ہیں بابا جان؟'' وہ ان کی دوسری بات کو درگزر کر کے بولی۔

''ادھر سب خیریت ہے بیٹا! لیکن تمہارے بنا سب ادھورے ہیں۔'' احسن ندیم پھر بولے۔

''بابا جان! کوئی کسی کے بغیر ادھورا کہاں ہوتا ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

''بیٹا! جو لوگ ہماری زندگی کا حصہ ہوتے ہیں ان کی دوری ایک خلا پیدا کر دیتی ہے، جو بظاہر نظر تو نہیں آتا لیکن ہر لمحے کچوکے لگاتا رہتا ہے، گھائل کرتا رہتا ہے۔'' احسن ندیم پھر بولے۔

''بابا جان!'' وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ پائی۔

''جاب کیسی جا رہی ہے؟'' احسن ندیم نے موضوع بدل دیا۔

''ابھی جا رہی ہے بابا! بے حد مصروف۔''

''ہاں، اس کا تو اندازہ ہے مجھے۔'' وہ ہلکے سے ہنس کر اس کو چھیڑ رہے تھے۔

''وہ بس بابا جان کچھ میٹنگز میں الجھی رہی تو اس لیے زیادہ دن لگ گئے کال کرنے میں۔''

''کتنے ہی دن گزر گئے، اپنی تصویریں بھی نہیں بھیجیں۔ تمہیں دیکھنے کے لیے بھی دل مچل رہا ہے اب۔'' وہ ہولے سے ہنسے تھے۔

''بابا جان! ابھی کچھ دن پہلے ہی تو بھیجی تھیں، اتنی ساری تصویروں کا کیا کریں گے؟'' وہ حیران ہی تو ہوئی تھی۔

''خود نہیں آتی تو کیا اب تصویروں پر بھی پابندی لگاؤ گی؟'' احسن ندیم روٹھنے لگے تھے۔

''نہیں بابا جان! پابندی تو نہیں ہے۔ اچھا میں بھیج دوں گی لیکن پھر یہ نہ کہنا کہ کمزور ہو گئی ہو۔'' اس نے پہلے ہی وارن کر دیا تھا۔

''نہیں کہوں گا لیکن اگر کمزور لگی تو ڈانٹوں گا ضرور۔'' احسن ندیم نے پہلے ہی اسے آگاہ کر دیا تھا۔

''بابا جان آپ بھی ناں۔'' وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''آپی پلیز! اب اپنی پکس بھیج دینا ورنہ بابا جان مجھے بہت تنگ کریں گے۔'' اس سے پہلے کہ احسن ندیم کچھ کہتے عدی نے ان کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔

''ہاں جلدی بھیج دوں گی۔'' وہ مسکراتے لہجے میں بولی۔

''اور بابا جان کو بھی ذرا سمجھا دیں کہ ٹینشن ذرا کم لیا کریں۔ میری تو کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔'' وہ نروٹھے لہجے میں اس سے بولا اور خشمگیں نظروں سے احسن ندیم کو دیکھا جو مسکرا رہے تھے۔ اچانک ہی ان کے چہرے پر ایک اطمینان جھلکنے لگا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہاری کوئی اہمیت نہ ہو۔'' اس کے چلبلے اور فریش انداز نے اس کو مطمئن کر دیا تھا کہ وہ بابا جان اور ان کا خیال رکھ رہا ہے۔

''آپی! کیا آپ کی ان بے سہارا دوشیزاؤں میں سے کوئی ایسی من موہنی صورت نہیں جو اس ناچیز کو تھوڑا سا سہارا دے سکے۔'' وہ مسخرانہ انداز میں بولتا اس کو چونکا گیا۔ احسن ندیم کا بلند ہوتا قہقہہ بھی اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔

''خیریت تو ہے ناں، آج سہاروں کی کیوں ضرورت پیش آ رہی ہے؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی تھی۔

''آپی جان! بندہ بشر ہوں، دل و جذبات بھی رکھتا ہوں اور سہاروں کی ضرورت تو سب کو ہوتی ہے۔ اب ہر کوئی آپ کی طرح بہادر تو نہیں ہوتا ناں، جو اتنی بھاری زندگی کا بوجھ تن تنہا اٹھا کر بھی ہنسی خوشی رہے۔'' عدی آج پہلی بار اس سے ایسے بات کر رہا تھا۔ یک دم اس نے اپنا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر اپنے آپ کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

''ہیلو......'' کتنی ہی دیر تک وہ کچھ نہ بولی تو عدی کی لمبی ہیلو نے اس کو چونکا دیا۔

''ہاں...... سن رہی ہوں۔'' وہ چونک کر گہرا سانس لے کر بولی۔

''تو ہے کوئی نظر میں، جو آپ کی بھابھی بننے کے قابل ہو۔'' وہ ابھی تک اسی موضوع پر بات کر رہا تھا۔

''ہیں تو بہت ساری، تم بتاؤ۔ تمہیں کیسی لڑکی چاہیے؟'' یک دم ہی وہ سنجیدگی کے حصار کو توڑ کر شریر لہجے میں پوچھنے لگی۔

''آپی! لڑکی ایسی ہو کہ جس کو دیکھتے ہی چاروں طرف گھنٹیاں سی بج اٹھیں، نظر ٹھہر جائے، قدم جکڑ لیے جائیں، دھڑکنیں بھگدڑ مچا دیں اور......''

''گھنٹیاں وہ والی جو مندر میں بجتی ہیں یا یہ کوئی اور ہیں۔'' اس سے پہلے کہ عدی مزید کوئی گوہر افشانی کرتا اس نے بے تحاشا ہنستے ہوئے اس کی بات کاٹ کر دریافت کیا۔

''ارے آپی! گھنٹیاں تو گھنٹیاں ہوتی ہیں

ناں، کسی مندر کی ہوں یا کسی گھنٹہ گھر کی۔'' وہ بھی شریر لہجے میں بولا۔

''اور دھڑکنوں کی بھگدڑ کی تو ذرا وضاحت کرو۔ دھڑکنیں ہیں یا مال مویشی۔'' وہ بھی مکمل مذاق کے موڈ میں تھی۔

''ہاہاہا...... دھڑکنیں مال مویشی ہی تو ہوتی ہیں ناں۔'' عدی نے اس کی بات کو بھرپور انجوائے کیا تھا۔

''ہیلو، مے آئی کم ان۔'' اس سے پہلے وہ کچھ کہتی زوردار ٹھک ٹھک کے بعد عروش کمرے میں داخل ہوئی۔

''واہ بجی گھنٹیاں...... یہ کون ہے؟ اتنی کھنک دار آواز والی؟'' اس سے پہلے کہ عفاف کچھ کہتی عدی کی شوخ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''ڈونٹ ٹاک ربش، میری دوست ہے عروش! یس عروش کم ان۔'' اس کو بتاتے ہوئے عفاف نے اسے بھی ویلکم کیا۔

''اچھا عدی! بابا اور ممی کا خیال رکھنا، میں پھر بات کروں گی۔'' دوسرے پل وہ عدی سے بھی اجازت لینے لگی۔

''خیال تو رکھوں گا ان لوگوں کا لیکن ایک شرط پر۔'' دوسرے لمحے عدی کی بات نے اس کو حیران کردیا۔

''یہ آواز ناں دل کی دھڑکن کو چھیڑ گئی ہے، کیا اسے میرا خیال رکھنے کی ذمہ داری دی جاسکتی ہے؟'' عدی کی شرارت بھری آواز نے اسے چونکا دیا۔

''بکواس نہ کرو۔''

''ہاہاہا...... اللہ حافظ۔'' بے ساختہ قہقہے کے بعد عدی نے فون بند کردیا تو عفاف نے یک لخت عروش کو دیکھا جو صوفہ پر بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' وہ موبائل ایک طرف رکھ کر اس کی طرف بڑھی تو اس کی ٹکٹکی بندھی نظروں نے اسے ٹپٹا دیا۔

''آج سے پہلے میں نے تمہیں کبھی ایسے ہنستے ہوئے اور فریش نہیں دیکھا۔ کس سے بات کررہی تھیں؟'' عروش کا لہجہ سرسری تھا لیکن انداز سراسر تجسس سے بھرا تھا۔

''اپنے بھائی اور بابا جان سے۔'' وہ دھیرے سے مسکرا کر اس کے ساتھ والے صوفہ پر بیٹھ گئی۔

''بھائی سے...... کون؟ کیا مطلب؟'' عروش حیران ہی تو ہوئی تھی۔

''ہاہاہا...... عدی، میرا بھائی۔'' عفاف نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کتنی عجیب بات ہے ناں۔'' عروش خلاف معمول کچھ گم صم سی تھی۔

''کون سی بات عجیب ہے؟'' عفاف نے گہری نظر سے عروش کی طرف دیکھا تھا۔

''ہماری دوستی کو کتنا وقت گزر گیا، میں تمہارے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہوں۔ میری زندگی کا ہر رنگ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔'' عروش اس کی طرف دیکھ کر قدرے سنجیدگی سے گویا ہوئی تو عفاف نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اور تمہاری زندگی کے کسی رنگ کی ذرا سی جھلک بھی میں نہیں دیکھ سکتی۔ اتنے سال ہوگئے اور مجھ پر آج یہ راز کھلا ہے کہ تمہارا بھائی بھی ہے۔'' عروش اس سے ملنے اس کے آفس آئی تھی، لیکن اس کے کل شام مبین مینشن نہ آنے پر ابھی تک اس سے ناراض تھی۔

''کیا ہوا؟ یہ تو کوئی راز نہیں ہے۔'' عفاف نرم لہجے میں بولی۔

''لیکن میں پھر بھی انجان ہوں۔'' عروش نے متغیر نظروں سے عفاف کو دیکھا۔

''میری اس سے بہت کم بات ہوتی ہے، اس لیے کبھی ذکر بھی نہیں ہوا۔'' عفاف نے لاپروائی برتی لیکن عروش مسلسل ایک الجھن کا شکار تھی۔

''خیر چھوڑو، یہ بتاؤ ڈانٹ تو نہیں پڑی ناں۔'' عفاف نے موضوع بدل کر بشاش لہجہ اپنایا۔

''نہیں، خیر لیکن تم نہیں جانتیں لالہ جی کے

غصے کو۔'' عروش نے گہرا سانس لیا، اپنے بالوں کو سمیٹتے ہوئے بولی۔

''جانتی ہوں۔'' عفاف بے دھیانی میں بولی۔

''واٹ......تم......تم کیسے جانتی ہو؟'' عروش بے تحاشا حیرت کے زیر اثر اس کی طرف دیکھ کر پوچھ رہی تھی اور اس کے ردعمل پر عفاف اپنے ان دو لفظوں پر پچھتائی تھی۔

''آئی مین مجھے اندازہ ہے کہ بڑے بھائیوں کا غصہ کیسا ہوتا ہے اور اب اپنی ناراضی کو الوداع کہہ دو، پلیز۔'' عفاف نے مسکراتے ہوئے کہا تو عروش گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''ہمم، اچھا۔'' عروش نے حتی الامکان اپنی ناراضی کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

''اچھا مجھے ایک میٹنگ میں جانا ہے، تم فارم کی تفصیلات مجھے ای میل کر دینا اور انسٹی ٹیوٹ اسٹاف کی لسٹ بھی۔ میں فارغ ہوتے ہی سارا پیپر ورک مکمل کر کے تمہیں اپ ڈیٹ کر دوں گی، اوکے؟'' عفاف نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے اسے کہا تھا۔ اس نے سوچوں کے گرداب میں پھنستے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

عفاف نے آفس کے لاکر سے کچھ فائلز نکال کر عروش کو دیکھا۔

''عروش؟'' اس کی طرف بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر عفاف نے اسے مخاطب کیا۔

''ہاں، ہاں ٹھیک ہے۔ میں آج رات کو ہی ساری ڈیٹیل تمہیں فارورڈ کر دوں گی اور میں بھی چلتی ہوں۔ اب تم فارغ ہو کر میری طرف ہی آ جانا، لنچ ساتھ ہی کرتے ہیں۔'' عروش نے کہا۔

''لنچ تک تو شاید میں فارغ نہیں ہوں گی، ہاں مگر ڈنر تمہارے ساتھ کر سکتی ہوں اور مبین مینشن میں اتری آج کی شام کو رونق بخشی جا سکتی ہے۔'' عفاف نے شریر لہجے میں کہا۔

''اور تم ٹینشن نہ لو، میں آج شام ہی تمہارے ہٹلر لالہ سے بات کروں گی، وہ اجازت دے دیں گے۔'' عفاف نے بیگ اٹھا کر کندھے پر لگایا تو عروش بھی اس کے ہمراہ چل پڑی، دونوں ایک ساتھ ہی آفس سے باہر نکلی تھیں۔ عفاف اپنی میٹنگ اٹینڈ کرنے چلی گئی اور عروش اسٹاف روم کی جانب چلی گئی۔

☆☆☆

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

نور جہاں کی دل گیر آواز اسٹڈی روم میں گونجنے لگی تھی، یک دم ہی ان کی ساری توجہ ایک یاد نے سمیٹ لی تھی۔

دن گزارا تھا بڑی مشکل سے
پھر تیرا وعدہ شب یاد آیا

روکنگ چیئر جو ساکت تھی، یک دم ہی پہلو بدلنے کی بدولت اب جھولنے لگی تھی۔

وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

انہوں نے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھا، سر کو کرسی کی پشت پر ٹکا دیا۔

''تیرا بھولا ہوا پیمان وفا
مر رہیں گے اگر اب یاد آیا

اب وہ اٹھ کر ٹہلنے لگے تھے، ہر قدم ایک اضطراب کو واضح کر رہا تھا۔

پھر کئی لوگ نظر سے گزرے
پھر کوئی شہر طرب یاد آیا

ایک بے چینی سی چہار سو پھیلی محسوس ہو رہی تھی۔ آہستہ روی سے چلتے وہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھے اور ہاتھ بڑھا کر تیز روشنی کو مدھم کر دیا۔ گویا اس لمحے وہ ایک یاد کے ہمراہ وقت گزارنا چاہ رہے تھے۔

حال دل ہم بھی سناتے لیکن
جب وہ رخصت ہوا تب یاد آیا

انہوں نے اپنی آنکھوں کو مسلا تھا، یوں جیسے آنکھوں کی پتلیوں میں جھلملاتے دھندلے عکس کو

روک دیا ہو۔

وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا
بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

وہ ایک بار پھر روکنگ چیئر پر بیٹھ چکے تھے۔ نجانے کیوں طبیعت اتنی مضطرب اور بوجھل ہو رہی تھی، اپنی اس کیفیت کو وہ سمجھنے سے قاصر تھے یا شاید...... اس پل اپنے آپ سے بھی کترا کر گزرنا مشکل ہو رہا تھا لیکن اس کے باوجود ایک عجیب سا سرور تھا، جو اُن کو بہلا رہا تھا۔

''تمہاری ہنسی سے میری سانسیں چلتی ہیں، کاش تم سمجھ سکو، اعتبار کر سکو۔'' انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''نجانے کیوں اس پل وہ غم عشق میں ڈوب کر بھی ایک ناقابل بیان لذت، ایک عجیب سے سرور میں بھی گرفتار ہو رہے تھے۔ اگر الجھن تھی تو یہ کہ یہ کون سی منزل ہے؟ جہاں محبوب تک رسائی ممکن بھی نہیں۔ محبت بھی جسم میں خون کے ساتھ ساتھ ہر اک نس میں چاروں اور گردش کر رہی تھی۔ بے وفائی کا دکھ بھی نہیں اور ملن کی آس بھی نہیں۔ اپنے موبائل کو میز پر سے اٹھایا، دھیرے سے مسکرائے۔

وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

ٹائپ کیا اور سینڈ کا بٹن دبا دیا۔

''تمہاری ہنسی سے میری سانسیں چلتی ہیں، اپنا خیال رکھا کرو۔'' ایک اور میسج اور لاحاصل انتظار۔ روکنگ چیئر پر انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

''دیکھ لیں بابا جان! میں نے وعدہ پورا کیا ہے۔'' احسن ندیم کے کانوں میں اس کی شوخ آواز ٹکرائی تھی تو انہوں نے مسکرا کر ہاتھ میں پکڑے آئی پیڈ کی اسکرین پر اس کی کھلکھلاتی تصویر کو دیکھا تو ایک بے ساختہ مسکراہٹ نے ان کے چہرے کا احاطہ کیا۔

''بڑی مہربانی آپ کی۔'' احسن ندیم کے ادبی الفاظ پر عفاف کا قہقہہ ایک بے اختیارانہ عمل تھا۔

''اور اب مجھے ڈانٹ بھی نہیں پڑے گی۔'' اس کا اشارہ اپنے کمزور ہونے کی طرف تھا۔

''ڈانٹ تو پڑے گی۔'' احسن ندیم نے کہا۔

''کیوں بابا جان؟'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''ہم اپنی اتنی پیاری بیٹی کو جی بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتے۔''

''کیوں بابا جان؟' وہ اب قدرے لاڈلے انداز کو اپنا کے بولی۔

''بابا جان میں عدی سے کہتی ہوں کہ یہ تصویر آپ کو پرنٹ کروا کر فریم کر کے آپ کے سائڈ ٹیبل پر رکھ دے گا پھر آپ جی بھر کر دیکھتے رہنا۔'' عفاف نے مسکراہٹ دبا کر ان کو چھیڑا تھا۔

''اڑا لو مذاق، اڑا لو۔ ہمارا بھی وقت آئے گا کبھی۔'' اب کے احسن ندیم نے روٹھا لہجہ اپنایا۔

''ہاہاہا...... بابا جان! اب جلدی جلدی کال کی کوشش کروں گی، پلیز آپ ناراض نہ ہوں۔ میں ویک اینڈ پر ویڈیو کال کروں گی پھر جی بھر کر دیکھ لینا اور ہاں ممی کیسی ہیں؟ کیا ان کو میری یاد نہیں آتی۔'' اب کے اس کا لہجہ شکایت سے بھرپور تھا۔

''تمہاری ممی تو ہمیں بھی لفٹ نہیں کراتیں جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں تم تو پھر سات سمندر پار ہو۔'' احسن ندیم کا لہجہ اس کو صاف بتا گیا کہ ثمن وہاں ہی موجود ہیں۔

''اب مجھے بدنام کر دیں۔'' ثمن کی آواز ایئر پیس میں ابھری۔

''اوہو بابا جان! ممی ابھی تک ایسے ہی شکایت کرتی ہیں۔'' عفاف ہنسی تھی۔

''بس بیٹا کیا بتاؤں، گزر رہی ہے زندگی۔ ہمارا تو کوئی ہے ہی نہیں جس سے شکایت کر سکیں۔'' احسن ندیم نے گہرا سانس لیا۔

''ہاہاہا...... بابا جانی میں ہوں ناں۔'' عفاف نے بھرپور احتجاج کیا تھا۔

''سن لو، اب اپنے بابا جان کی شکایتیں۔''

احسن ندیم نے فون ثمن کی طرف بڑھایا تھا۔ انہوں نے فون کان کے ساتھ لگاتے ہی نروٹھے لہجے میں کہا۔

''ممی! کیسی ہیں آپ؟'' وہ بے اختیار ان کو پکار کر پوچھنے لگی۔

''رہنے دو اب یہ منہ دیکھے کی ''کیسی ہیں آپ۔۔۔'' ثمن نے مصنوعی ناراضی کا اظہار تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''ممی آپ کا یہ انداز، یہ پیار بہت یاد آتا ہے۔'' وہ اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تم یوں ہی ہنستی مسکراتی رہو، تصویروں میں بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' دوسرے لمحے ثمن نے ممتا بھرے لہجے میں کہا۔

''شکریہ ممی! اچھا اب اپنا خیال رکھنا، پھر بات ہوگی۔'' ثمن سے چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق کے بعد اب وہ فون بند کر رہی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے، اپنا خیال رکھا کرو اور ذرا جلد کال کرلیا کرو، فکر رہتی ہے۔'' ثمن نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔

''جی ممی! ان شاء اللہ کوشش کروں گی، کبھی مصروفیت زیادہ ہوجائے تو پھر دیر ہوجاتی ہے۔'' ثمن کی ہدایت کے بعد وہ ان کو بتانے لگی۔

''لیکن اپنے بابا جان کا تو پتا ہے ناں، جانتے ہوئے بھی فکر مند ہو کر اپنی صحت خراب کرلیتے ہیں۔ اس لیے ایک دو دن چھوڑ کر کال میسج کر دیا کرو۔'' ثمن نے کہا تو عفاف نے لب بھینچ لیے اور دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگی کہ خواہ مخواہ بابا جان کو فکر مند کر دیتی ہے۔

''جی ممی اب شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔'' مدھم مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولی اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

''تمہاری مسکراہٹ سے میری زندگی چلتی ہے۔'' مدھم سرگوشی، گمبھیر، فسوں خیز لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا اور ٹھہرے ہوئے جذبوں کے سمندر میں ہل چل مچ گئی۔ لہروں کے ارتعاش نے اس کو بے چین کر دیا تھا۔ آج اس میں یہ تماشا دیکھنے کی سکت دم توڑ چکی تھی۔ وہ کہیں بھی بہنا نہیں چاہتی تھی، وہ چاہتی تھی کہ رک جائے، ٹھہر جائے، وہ بھاگ رہی تھی۔ کب سے بھٹک رہی تھی، ایسے میں ایک چھوٹا سا کنکر بھی اس کو تہ و بالا کرنے کے لیے کافی ہوتا تھا اور وقتاً فوقتاً اس کی طرف جذبات و احساسات میں ڈبو کر ایسے کنکر اچھالے جاتے تھے۔

''کیا میں آپ کو ''دل'' کہہ سکتا ہوں؟'' اجازت طلب لہجہ، آنکھوں میں شوق کا، محبت کا ایک جہاں آباد کیے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''نہیں۔'' وہ اپنے انداز کو، لب و لہجے کو کرخت کر کے کہنا چاہتی تھی۔ ان التفات کو قبول کرنے سے انکار کرنا چاہتی تھی لیکن فقط نہیں کے بعد الفاظ نے اس کا ساتھ نہ دیا تھا۔

''لیکن میں آپ کو دل ہی کہوں گا۔'' مسکراتا لہجہ اب ضد پر مائل تھا۔

''میں آپ کی طرف سے ایسے القاب کی متمنی نہیں ہوں۔'' اس کا چڑچڑا پن واضح تھا۔

''یہ میری خواہش ہے اور عموماً میں اپنے خواب، اپنی خواہش پوری کرلیتا ہوں۔'' اس نے نظریں اس کے بے زار چہرے پر جما کر کہا۔

''اونہہ......'' وہ بظاہر خاموشی سے رخ موڑ گئی تھی، وہ دھیرے سے مسکرایا۔

''ہماری زندگی میں وہ وقت آئے گا جب آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں گی۔''

ایک عزم تھا اس کے لہجے میں، ایک یقین بھی اور شاید محبت بھی۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی، اس کی ان باتوں نے محبت نے اس کی دھڑکنوں کو رتی بھر بھی منتشر نہ کیا تھا۔

''کیا مصیبت ہے؟'' وہ من ہی من بڑبڑائی۔ ''اور یہ بانی کہاں رہ گئے۔'' وہ اس کو نظر انداز کر کے آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی تھی۔ بار بار کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھ رہی تھی لیکن وہ ابھی تک

وہیں کھڑا تھا۔
"پلیز یو گو فرام ہیئر۔" اس کی موجودگی اب اس کو زچ کرنے لگی تھی۔
"یہ پبلک پلیس ہے۔" اس کی مسکراتی آنکھوں میں اس کو مزید تپانے کی شرارت واضح تھی۔ اس نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا اور چلتی ہوئی اس سے اچھے خاصے فاصلے پر ہوگئی۔
"آپ کی اس بے اعتنائی کی وجہ جان سکتا ہوں؟" وہ ٹہلتا ہوا اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔
"کوئی خاص وجہ نہیں، بس مجھے آپ پسند نہیں۔ اس لیے پلیز میرے پیچھے مت آیا کریں۔" وہ اب کی بار انتہائی ضبط کے باوجود کڑوے لہجے میں بولی۔
"وہی تو پوچھ رہا ہوں ناں میڈم دل جی! کہ آپ کی اس ناپسندیدگی کی وجہ کیا ہے۔" وہ قطعی اس وجہ کو سنجیدگی سے نہ لے رہا تھا۔
"میں نے آپ کو مجھے دل کہنے کی اجازت نہیں دی ہے، سو پلیز یو نیڈ ٹو انڈر اسٹینڈ دس۔" اب کے وہ متنفر انداز اپنا کر اس سے مخاطب تھی، اس نے گہری نظر سے اسے دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، دور سے آتی ایک گاڑی اس کے قریب رکی، وہ اس میں بیٹھ گئی۔ اس نے ونڈ اسکرین کو بہت جانچتی نظر سے دیکھا تھا، اندر بیٹھا شخص اس کے ہونٹوں کو مسکراہٹ بکھیر گیا۔ ایک آسودگی نے اس کا احاطہ کیا تھا، وہ گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی، اس نے گہرا سانس لیا تھا اور وہاں سے ہٹ گیا تھا۔
"یو آر ففٹین منٹس لیٹ۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ بولی۔
"ٹریفک اور روڈ ورک کی وجہ سے لیٹ ہوگیا، ڈونٹ وری پندرہ منٹ ایکسٹرا لگا لیں گے۔" مدھم مسکراہٹ کے ساتھ مانی نے اسے دیکھا تھا۔
"لک ایٹ می، کیا میں واقعی بہت خوب صورت ہوں؟" اس نے مانی کی طرف رخ موڑ کر اس سے پوچھا تھا۔ اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا، مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔
"آئی نو اِٹ، لوگ بھی ناں ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں جیسے خوب صورت لڑکی کبھی نہ دیکھی ہو۔" ہنستے ہنستے اب وہ منہ بسور کر کہہ رہی تھی، مانی نے اسے دیکھا تھا۔
"اب کام شروع کریں۔" وہ ایک اسٹریٹ میں گاڑی پارک کر کے اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ مانی نے گاڑی بند کی اور چابیاں نکال کر اس کی طرف بڑھائیں، جن کو اس نے نہایت گرم جوشی سے پکڑ لیا۔
"تم میری پہلی اسٹوڈنٹ ہو جس کے ساتھ میں نہایت نرمی سے ڈیل کرتا ہوں۔" مانی اپنے مخصوص دل فریب انداز میں اس سے مخاطب تھا۔ اس کے چہرے پر نرم مسکراہٹ، ہلکی بڑھی شیو، گہری براؤن آنکھیں اور اس کا مخصوص میسی ہیئر اسٹائل، اس کی شخصیت کو کسی بھی خوابوں میں رہنے والی لڑکی کا آئیڈیل بنا سکتی تھی۔
انتہائی دل کش انداز عام اسٹائل جو اس کو بے حد اٹریکٹو بنا رہا تھا۔ اس کا لب و لہجہ سمجھانے کا انداز بہت پر اثر تھا جو کسی کو بھی اپنا اسیر کر سکتا تھا۔
"دل آویز، گاڑی اسٹارٹ کرو۔" وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی، جو فائل نکال کر اس کے نوٹس دیکھ رہا تھا لیکن اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔
"جج...... جی......" دوسرے لمحے وہ گڑبڑا کر گاڑی کو اسٹارٹ کر رہی تھی اور دل ہی دل میں نجانے کون کون سی آیتوں کا ورد کیے جا رہی تھی۔
"آج ہم نے گاڑی کو مین روڈ پر لے کر جانا ہے کیونکہ پچھلے تین لیسنز میں تم نے صرف اسٹریٹ میں ڈرائیو کیا ہے۔" اس کے نوٹس پر اس لیسن میں کور کرنے والے پوائنٹس پر نشان لگا کر مانی اس سے مخاطب ہوا تھا۔
"مین روڈ پر۔" اس نے تھوک نگلا تھا۔
"اب گاڑی پر اتنا کنٹرول ہوگیا ہے کہ تم مین روڈ کی طرف بڑھ سکو۔" مانی نے اپنا شیشہ سیٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میں ابھی نہیں سمجھتی کہ اس قابل ہوئی ہوں کہ مین روڈ کو جوائن کرسکوں۔" دل آویز اس کو دیکھ کرانتہائی بے چارگی سے بولی۔

"تم خواہ مخواہ ٹینشن لے رہی ہو، ڈرائیونگ اتنی مشکل نہیں ہے۔ اگر آپ اسٹریٹ میں چلا سکتے ہوتو مین روڈ کو جوائن کرنا قطعی مشکل نہیں ہوتا۔ صرف خود اعتمادی کی ضرورت ہوتی ہے۔" مانی نے اپنے مخصوص انداز میں اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

"لیکن......" وہ ابھی تک تذبذب کا شکار تھی۔

"ایک انسٹرکٹر کو پتا ہوتا ہے کہ جس کو وہ ڈرائیورنگ سکھا رہا ہے، وہ کتنا سیکھ چکا ہے اور اپنے اسٹوڈنٹ پر اعتماد ہوتا ہے۔" مانی مسلسل اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

"ہاں، لیکن آپ کو تو سب پتا ہے ناں، اور جب ایک چیز کا پتا ہوتو پھر وہ مشکل نہیں لگتی لیکن مجھے ڈرائیونگ کی بالکل سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

"صرف پریکٹس، جتنی پریکٹس کرو گی اور ریلیکس رہو گی، اتنی ہی جلدی ڈرائیونگ کی سمجھ بھی آئے گی۔ تم نے صرف اس کو اپنے اوپر سوار کر رکھا ہے، تم کرسکتی ہو، کوئی اتنی مشکل نہیں ہے۔" وہ مسلسل اس کا حوصلے بڑھا رہا تھا۔

"کیا ہم آج کا لیسن بھی صرف اسٹریٹ میں کرسکتے ہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھنے سے زیادہ اس کو بتا رہی تھی۔

"دیکھو دل آویز! انسٹرکٹر میں ہوں اور یہ میں طے کرتا ہوں کہ ڈرائیونگ سکھانے کے لیے میں نے کون سا روٹ پر جانا ہے۔" مانی نے سنجیدگی سے کہا تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"مانی ڈرائیونگ اسکول" پچھلے دس سال سے ڈرائیونگ سکھانے کے لیے تگ ودو کر رہا تھا۔

"مانی" اس کمپنی کا اونر تھا، چھتیس سال میں اس کی شخصیت میں جو نکھار آیا تھا، وہ اپنی مثال آپ تھا۔ نہایت دلچسپ اور بارعب شخصیت والا مانی بہت جلد ہی دوسروں کو اپنا اسیر کرلیتا تھا۔ اس کا اپنا ایک طریقہ کار تھا، ڈرائیونگ سکھانے کا اور مختصر وقت میں یہ ہی طریقہ کار ہی اس کی مقبولیت کا بھی سبب بنا تھا۔ پانچ چھ لیسنز میں عموماً لڑکے یا لڑکیاں اتنی ڈرائیونگ سیکھ لیتے تھے کہ وہ خود اکیلے ڈرائیونگ کرسکیں اور پھر دس بارہ لیسنز کے بعد ٹیسٹ کے لیے تیار ہوجاتے تھے۔ پہلے نہ سہی تو دوسرے ٹیسٹ میں اس کا ہر اسٹوڈنٹ ڈرائیونگ پاس کرلیتا تھا۔

دل آویز اس کی وہ انوکھی اسٹوڈنٹ تھی جو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی تھر تھر کانپنے لگتی تھی۔ تین لیسنز میں ابھی تک وہ کوئی ماہرانہ مشق نہیں کرسکی تھی صرف اسٹریٹ میں سیدھی ڈرائیونگ کرسکی تھی۔ آج انہوں نے مین روڈ پر جانا تھا، لیکن اس کی اڑی رنگت اور نروس انداز نے انہیں روک دیا تھا۔

"اپنے آپ کو انڈر اسٹیمیٹ نہیں کرنا چاہیے، تم بہت ٹیلنٹڈ ہو پھر میں بھی تو ساتھ ہوں ناں؟" مانی نے نرم لہجے میں کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"بس مجھ پر یقین رکھو، اپنے آپ پر بھروسا رکھو۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بالکل ریلیکس رہنا ہے۔" مانی نے کہا تو وہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے لگی۔

☆☆☆

آج سے تین ہفتے پہلے تک وہ پہلی نظر کی محبت کو ایک بے وقوفی گردانتا تھا۔

"یار یہ جو محبت کی پٹری ہوتی ہے ناں اس میں بے تحاشا روڑے اٹکے ہوتے ہیں۔ قدم لڑکھڑاتے ہیں، دھڑکنیں اتھل پتھل ہوتی ہیں۔ ظالم سماج جب تک سوجوتے نہ مارے محبت کا پتا کہاں چلتا ہے کہ ہوگئی۔ یہ کوئی سیدھی اسموتھ سڑک نہیں ہوتی جہاں کیلے کے چھلکے سے پھسل گئے اور بس فیصلہ ہوگیا کہ ہاں بھئی بس یہی محبت ہے۔" اس کا یہ فرمان تھا جو ہمہ وقت اس کے لبوں پر رہتا تھا۔

"محبت یوں ہی چٹکیوں میں کہاں ہوتی ہے یار! مہینوں سالوں کی تپسیا کے بعد ہی محبت کی پہچان ہوسکتی ہے۔ یہ جو پل کے پل، ایک ہی نظر میں محبت کی

گردان کرنے لگتے ہیں یہ پاگل، بے وقوف لوگ ہوتے ہیں جو ظاہری شکل وصورت کے دل دادہ ہوجاتے ہیں اور پھر چار، چھ مہینے یا زیادہ سے زیادہ پانچ سال...... پھر اسی محبت کا یوں جنازہ اٹھتا ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ ارے محبت تو وہ ہوتی ہے کہ جان جائے تو جائے لیکن محبت کبھی نہ جائے۔'' دوستوں کی محفل میں جب جب محبت زیر بحث آتی مبین نیازی اپنی اسی لوجک کے ساتھ حاضر ہوجاتا تھا۔

اب وہ بارشوں کا شیدائی نہ رہا تھا اور پھر یو کے کی بارش جس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ نہ جاب سے آف کر سکتے نہ کسی اور روٹین میں کوئی فرق پڑتا تھا، جتنی بھی تیز بارش ہو روزمرہ کے معاملات میں رتی بھر بھی کوئی رکاوٹ نہ آتی تھی۔

سردیوں کی پہلی بارش میں پکوڑوں کی خوشبو نہ ہو، مونگ پھلی کے چھلکے جا بجا نہ بکھرے ہوں۔ بارش میں آرام سے کمبل لپیٹے گرم گرم چائے سے لطف اندوز نہ ہوا جائے تو کیا فائدہ ایسی بارش کا؟ دو دن سے اس کے دانت میں درد تھا، وہ ڈینٹسٹ کے پاس گیا وہاں سے نکلا تو انتہائی تیز بارش نے اس کو بدمزا کیا تھا۔ ایک تو پہلے ہی دانت کے درد نے اس کو جکڑ رکھا تھا، وہ گاڑی میں آکر بیٹھا اور ایک نظر باہر ڈالی۔ ان دنوں خزاں اپنے جوبن پر تھی، ہر طرف پیلے پتوں کا ڈھیر لگا تھا۔ تیز بارش اور سامنے کی اگلی روڈ پر گاڑیوں کا ہجوم۔ وہ چند لمحے تک بیٹھا یہ سارے منظر دیکھتا رہا، کتنا عجیب موسم تھا۔ بارش، ہوا سے لڑکھڑاتے پتے، درختوں کی سوکھی ہوئی شاخیں، ہر طرف ایک ویرانی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے جیسے ہی اگنیشن میں چابی گھمائی اور ایک نظر ونڈ اسکرین پر ڈالی یک دم چونک گیا۔

''کیا پاگل لڑکی ہے، اتنی تیز بارش اور سردی میں چل رہی ہے۔'' دفعتاً اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی تھی، جو ڈیپ ریڈ لونگ کوٹ پہنے تھی، بال کھلے تھے، جو دور سے بھی بھیگے ہوئے نظر آرہے تھے۔ مبین نیازی کی نظریں اس پر جمی تھیں، ہر طرف پیلے، براؤن پتے، تیز بارش، سفید آسمان میں وہ سرخ کوٹ پہنے، کالے لمبے بالوں کے ساتھ بہت نمایاں ہوکر اس کی ساری توجہ سمیٹ گئی تھی، یک لخت وہ رکی۔ سارے گیلے بالوں کو لپیٹنے لگی، چند لمحے رکی، ادھر اُدھر دیکھا اور روڈ کراس کرکے سپر مارکیٹ کو اَپ میں داخل ہوگئی۔ یقیناً وہ اندر سے چھتری لے کر آئے گی، مبین نیازی نے ہیٹر کو تیز کیا۔ وہ گاڑی کو موو کرنے ہی لگا تھا اور ایک نظر کو اَپ مین انٹرنس کی طرف بلا ارادہ اٹھی اور پھر پلٹنا بھول گئی۔ وہ لڑکی اس لمحے بہت سارے غباروں کے ساتھ باہر نکلی، چال میں سرشاری، انداز میں مدہوشی، مخمور آنکھیں، وہ غباروں کو پکڑے ایک بار پھر چلنے لگی تھی۔ غبارے پر بارش کے قطرے پڑتے تو وہ سارے غبارے ادھر اُدھر ہوجاتے اور وہ لڑکی اس دھاگے کو مٹھی میں دبائے اوپر کی طرف دیکھنے لگتی۔ ہنسی اس کے چہرے پر احاطہ کرتی اور وہ ہر طرف سے بے نیاز قدم آگے بڑھا دیتی۔ مبین نیازی کی نظریں اس پر جمی تھیں، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ساکت ہوگیا تھا۔ پلکیں جھپکنا تو دور وہ تو جیسے سانس روکے بیٹھا اس کو دیکھے جارہا تھا۔ یہ وہ لمحات تھے جو مبین نیازی کو جکڑ رہے تھے، اس کے اندر ایک ہل چل مچا رہے تھے۔

ان لمحوں نے مبین نیازی کی ساری لاجک کو برستی بارش میں بہا دیا تھا۔ دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر رکھے، نظریں اس پر مرکوز کیے وہ گاڑی میں بیٹھا تھا، یک دم ہی اس کو شدید گرمائش محسوس ہونے لگی۔ نظریں ہٹائے بغیر انہوں نے آٹومیٹک بٹن دبا کر ونڈو کا شیشہ نیچے کردیا اور تیز بارش اس کو بھی بھگونے لگی تھی۔ یک لخت ہی اس کی بارش سے انسیت بھی لوٹ آئی تھی۔ وہ دائیں طرف سے مکمل بھیگ چکا تھا، اس لڑکی کے ہاتھ میں پکڑے غبارے تیز بارش کے باعث اس کو بھیگنے سے نہ بچا سکے تھے، لیکن اس کو شاید پروا نہ تھی، نہ اپنے بھیگ جانے کی، نہ سردی کی، نہ کسی کے دیکھنے کی۔ وہ یقیناً بارش کی دیوانی لڑکی تھی، خزاں کے موسم کی عاشق۔ مبین

نیازی کو وہ اپنی ہم مزاج لگی۔ چہرے پر مسکراہٹ ابھری اور دوسرے پل اس نے ہینڈ بریک نیچے کی اور آہستہ سے گاڑی کو موو کیا۔

"ایکسکیوز می میم! یو وانٹ لفٹ؟" اگلے چند منٹوں میں اس نے گاڑی اس کے قریب روک کر پوچھا۔ اس نے دیکھا، آنکھوں میں بارش کا پانی اور حیرت ایک ساتھ ابھرے اور مبین نیازی مدہوش ہونے لگا۔ بارش کے قطرے اس کے چہرے پر موتیوں کی طرح چمک رہے تھے، دھیمی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجی تھی۔

"آئی ایم آل ویٹ (میں مکمل بھیگ چکی ہوں)۔" اس نے دونوں بازو پھیلا کر خود کو دیکھا تھا۔ "اینڈ بائے دا وے، دس از ناٹ اے ٹیکسی۔" اس نے اس کی گاڑی کو کسی بھی ٹیکسی کمپنی کے لیبل سے ناپید دیکھ کر اس سے پوچھا تھا۔

"ناٹ ایٹ آل، بٹ یو کین پے می، آئی دونٹ مائنڈ (بالکل نہیں! لیکن آپ مجھے ادائیگی کر سکتی ہیں، میں برا نہیں مانوں گا)۔" مبین نیازی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مائی بلونز (میرے غبارے)؟" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے رنگ برنگی غباروں کی طرف دیکھا تھا۔

"ویری نائس، ریلیز دیم (ان کو آزاد کر دیں)۔" مبین نیازی نے جھک کر غباروں کو دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا تھا، مبین کی نظریں اس کے بھیگے کشمکش میں مبتلا چہرے پر ہی جمی تھیں، اب وہ مکمل غباروں کی طرف متوجہ تھی۔

"آئی ڈونٹ ہیو انف اسپیس ان مائی کار۔" مبین اس کی الجھن بھانپ کر پھر گویا ہوا۔

"آئی جسٹ لو دیز بلونز۔" وہ چمکتی آنکھوں کو جھپک کر مبین سے مخاطب ہوئی تھی۔ وہ ان غباروں کو چھوڑنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن بارش نے اس کو مکمل بھگو دیا تھا اور اس پل کسی اور لفٹ کا ملنا مشکل بھی تھا۔ اس نے ایک ریڈ غبارا نکال کر باقی سارے غباروں کو ہاتھ اونچا کر کے چھوڑ دیا تھا۔ بارش، خزاں، سفید آسمان اور رنگین غباروں کا غول، وہ انتہائی شوق سے کھڑی غباروں کی پرواز کو دیکھے جارہی تھی اور اسی شوق اور انہماک سے مبین کی نظریں اس لڑکی پر جمی تھیں۔ مبین غباروں کی اڑان سے بے خبر تھا اور وہ لڑکی اس کی نظروں سے...... غباروں کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی اس نے اپنا بے تحاشا گیلا کوٹ اتار کر اس کی گاڑی کے بوٹ میں رکھا اور گاڑی میں آ کر بیٹھی' گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کو اندازہ ہوا کہ باہر کس قدر سردی ہے۔

"تھینک یو فار دا لفٹ۔" وہ اپنے بالوں کو سمیٹتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"تھینک یو ٹو۔" دلکش مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اس نے اسے دیکھا۔ "فار ایکسپٹنگ دا لفٹ۔" وہ قدرے شریر لہجے میں بولا، تو وہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔

"سم ٹائمز وی ہیو ٹو ٹرسٹ سم ون (کبھی کبھی ہمیں کسی پر اعتبار کرنا پڑتا ہے)۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"عشق نہ پوچھے ذاتاں۔" مبین نے نیازی نے سر گھما کر اسے دیکھا تھا۔ کالے گھنے بال، گندمی رنگت، گہری براؤن آنکھیں، وہ تذبذب کا شکار ہونے لگا تھا۔

"آر یو؟"

"آئی ایم مسلم اینڈ فرام پاکستان۔" مبین نیازی کے ادھورے سوال کو وہ بخوبی سمجھی تھی۔ اس نے آسودگی سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے پہلے خیال کی خود ہی تائید کی۔ "خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے ہم مزاج دو۔" وہ من ہی من مسکرایا تھا، ایک انجانے سے احساس نے اس کے دل کو گدگدایا تھا۔

"مبین نیازی!" انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔

"مسلم؟" اس نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

"الحمدللہ۔" وہ فقط اتنا ہی بولا۔

''دل آویز۔'' وہ مدھم لہجے میں اپنا تعارف کرانے لگی۔
''نائس نیم۔'' وہ بے اختیار تعریف کرنے لگا۔
''نائس ٹو میٹ یو مسٹر مبین!'' وہ مسکرانے لگی تھی۔
''سیم ہیر۔'' مبین نیازی نے اسے دیکھا جو ریڈ غبارے کو گود میں رکھے بیٹھی تھی۔
''رائٹ فرام دا مین روڈ پلیز۔'' وہ اب اس کو اپنا ایڈریس بتانے لگی تھی' مبین خاموشی سے اس کے بتائے گئے ایڈریس کی طرف بڑھنے لگا تھا۔
اور اپنی کایا پلٹ جانے پر جتنی حیرت اس کو اس لمحے ہو رہی تھی شاید ہی پہلے یا بعد میں وہ کبھی ایسی حیرت سے دوچار ہوا۔
پہلی نظر کی محبت، پہلی ملاقات کا سرور...... وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا تھا جن کو کبھی وہ پاگل اور بے وقوف گردانتا تھا۔ اس کی مطلوبہ جگہ پر وہ اپنا کوٹ اور غبارا ہاتھ میں پکڑے ان کا شکریہ ادا کر کے گاڑی سے اتر چکی تھی لیکن مبین نیازی ابھی تک اس سے محو گفتگو تھا، ابھی تک اسی پہلی نظر کے سحر میں گرفتار تھا۔

☆☆☆

''عروش انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ۔'' پچھلے تین سال سے عروش نیازی کی ملکیت تھا۔
انسٹی ٹیوٹ کا اصل مقصد ٹیوشن اور کمپیوٹر کلاسز تھا، انسٹی ٹیوٹ کی دیکھ بھال اور ٹیوشن پڑھانے کے لیے ویل ٹرینڈ اور قابل ایجوکیٹڈ اساتذہ کا انتظام بہترین تھا۔ عروش انسٹی ٹیوٹ کے درمیان انٹرنیشنل یوں ہی نہیں لگا دیا گیا تھا، انسٹی ٹیوٹ کا معیار اس درجے کا تھا کہ انٹرنیشنل مارکیٹ کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اچھا ماحول اور رزلٹ کے ہائی گریڈز عروش انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ کو کامیابی کی بلندیوں پر لے جا رہے تھے، یہی وجہ تھی کہ محض تین سال میں وہ اب اپنی بلڈنگ لینے کی پلاننگ کر رہی تھی۔
اس سب کامیابی میں عروش کی دن رات کی محنت اور مبین نیازی کا تعاون اور مشورے بھی شامل تھے۔ اپنی فیملی بزنس کے ساتھ ساتھ وہ ہمہ وقت عروش کے ساتھ ہوتے تھے۔ ایک بارعب شخصیت اور عروش کے ساتھ دوستانہ رویے کے باوجود عروش ان سے بے تکلف نہ تھی، ہر بات کہہ لیا کرتی تھی، منوا بھی لیا کرتی تھی لیکن ایک جھجک دونوں بہن بھائی کے درمیان ہمیشہ رہی ہے۔ مبین نے ماسٹرز یوکے سے کیا تھا، آکسفورڈ یونیورسٹی میں ان کی ڈگری مکمل ہوتے ہی وہ وطن واپس لوٹ آئے تھے اور عبدالحق نیازی کے ساتھ بزنس میں لگ گئے۔ سعیدہ نیازی کافی سال پہلے ایک رات ایسے سوئیں کہ پھر اٹھ نہ سکیں۔ مبین مینشن میں قیامت کا سماں تھا، جوانی کی موت اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو بے سہارا چھوڑ کر چلے جانے پر ہر اک آنکھ اشکبار تھی۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے، جو آہستہ آہستہ ہر زخم کو مندمل کر دیتا ہے، وہ قیامتیں جو اس لمحے جان لیوا ہوتی ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برداشت کرنا سکھا دیتی ہیں۔
مبین اور عروش بھی سنبھل گئے تھے، سفینہ' عبدالحق نیازی کی خالہ تھیں جنہوں نے مبین مینشن کو سنبھال لیا تھا۔
دو سال پہلے مبین ایک بزنس ڈیل کے سلسلے میں یو کے آئے تھے، عروش نے انسٹی ٹیوٹ کی سیٹنگ کے لیے مزید شاپنگ کرنی تھی تو مبین کے جاتے ہی وہ بھی یو کے چلی گئی۔ پلان کچھ یوں تھا کہ مبین کے وطن واپس آنے سے دو ہفتے پہلے عروش یوکے جائے گی اور پھر دونوں واپس آ جائیں گے۔ جس دن دونوں نے واپس آنا تھا، اسی دن عبدالحق نیازی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، پردیس میں مبین اور عروش کے لیے یہ سانحہ کس قدر جاں گسل ثابت ہوا یہ وہی جانتے ہیں لیکن وہ دونوں ہی اب شعور کی منزلیں طے کر چکے تھے اور زندگی کے بعد موت کی حقیقت سے بھی آشنا ہو چکے تھے، بمشکل دونوں نے سامان پیک کیا اور متوقع وقت پر ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

عفاف اور عروش کی ملاقات اسی دن ہیتھرو ایئرپورٹ پر ہوئی تھی' عفاف نے دیکھا ایک لڑکی بے تحاشا روئے جارہی ہے اور وہ لڑکا اس کو تسلی دیے جارہا ہے۔ عفاف کے قدم خود بخود ان کی جانب بڑھے تھے۔ پاس آکر کھڑی ہوئی تو پوچھنے پر عبد الحق نیازی کی ناگہانی موت کی خبر نے جان پہچان نہ ہونے کے باوجود اس کو بھی پریشان کر گئی تھی۔ یوں وہ ہمہ وقت ان کے ساتھ رہی، عروش کو حوصلہ دینا، اس کا خیال رکھنا، یوں جیسے وہ اس سے برسوں کی شناسائی ہو۔ پہلے ایئرپورٹ اور پھر آٹھ گھنٹے فلائٹ میں اپنی خیال رکھنے کی عادت کے باعث عفاف نے عروش کے دل میں ایک خاص مقام بنالیا تھا یوں دونوں کی دوستی ہوگئی۔ دوست وہ ہوتا ہے جو مشکل وقت میں آپ کا ساتھ دے، سہارا بنے۔ عفاف نے دوست نہ ہوتے ہوئے بھی ایک مخلص دوست کا حق ادا کیا تھا، پاکستان اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر جہاز کے لینڈ کرنے تک عفاف عروش کے ساتھ ساتھ رہی۔ ان کی دوستی کا آغاز ہوگیا تھا، جو آج ایک مضبوط دوستی میں ڈھل چکا تھا۔

عفاف بے سہارا عورتوں کی ایک انٹرنیشنل آرگنائزیشن روشنی فاؤنڈیشن کو جوائن کیا تھا اور پاکستان میں اس کی برانچ کی باگ دوڑ کی ذمہ داری اپنے سرلی تھی۔ روشنی فاؤنڈیشن کے لیے مسلسل چھ سات مہینے کی تگ و دو کے بعد عفاف کو ایسی مناسب جگہ میسر نہ آسکی جس کو وہ روشنی فاؤنڈیشن کے میں آفس کے لیے استعمال کرسکتی۔ ایسے میں جب اس مسئلے کا ذکر عروش سے کال کرنے کے دوران ہوا تو اس نے عروش انسٹی ٹیوٹ کی عمارت میں روشنی فاؤنڈیشن کے آفس کی بنیاد رکھنے کا مشورہ دیا، جس کو عفاف نے تھوڑی سوچ بچار کے بعد قبول کرلیا اور یوں عفاف نے عروش انسٹی ٹیوٹ کے دو کمرے کرائے پر لے کر روشنی فاؤنڈیشن کا آغاز کیا۔ ایک جگہ کام کرنے کی وجہ سے دونوں کی دوستی دن بہ دن مضبوط ہوتی گئی۔ عفاف نے کبھی مبین مینشن میں قدم نہ رکھا تھا، نہ ہی ایئرپورٹ کی ملاقات کے بعد عفاف اور مبین کا اتنا آمنا سامنا ہوا تھا۔

دو ڈھائی سال بعد اب پھر عروش کو انسٹی ٹیوٹ کی بہتری کے لیے ایک ڈپلومہ کے لیے یو کے جانا تھا۔ کورس کے لیے اپلائی کیا تو خوش قسمتی سے اس کو ایڈمیشن مل گیا تھا لیکن مبین اس کو اکیلے جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ جس کے لیے پچھلے دو ہفتے سے وہ ان کو راضی کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ والدین کی وفات کے بعد مبین بے حد سنجیدہ مزاج ہوگئے تھے، ویسے تو وہ خاموش طبع انسان تھے، عبدالحق کی وفات کے بعد ان کا مزاج بالکل ہی الگ نوعیت اختیار کر چکا تھا۔ ان کے غصے نے عروش کو ان سے دور کردیا تھا، ایسے میں ان کا اکیلا پن بھی بڑھ گیا تھا۔

''دادو۔'' عروش، سفینہ سے قریب تھی، وقتاً فوقتاً دونوں مبین کے بدلے مزاج سے متعلق الگ الگ طرح کی پیشن گوئیاں بھی کرتی رہتی تھیں۔

''ہاں بولو بچے!'' سفینہ کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھیں کہ عروش انسٹی ٹیوٹ سے لوٹی تو ان کے پاس ہی آ کھڑی ہوئی تھی۔

''شام کو میری دوست آرہی ہے، تو کھانے میں کیا بنا ہے؟'' عروش ادھر اُدھر جھانکتے ہوئے ان سے پوچھنے لگی تھی۔

''آج تو خاصا اہتمام ہے، بریانی بنائی ہے، شامی کباب اور پینٹ بٹر چکن بھی ہے۔'' سفینہ نے اس کو آگاہ کیا۔

''واہ زبردست، بس پھر ٹھیک ہے۔ میں فریش ہوکر آتی ہوں پھر آپ کی ہیلپ کرادوں گی۔'' عروش خوشی سے ان کو پیار کرکے بولی۔

''ہاں اب تو کھانے میں ہی ہیلپ ہوسکتی ہے پک تو سب کچھ گیا۔'' سفینہ نے مسکرا کر کہا تھا۔

''چلیں ہیلپ جیسی بھی ہو قبول کرلینی چاہیے۔'' عروش بھی شریر لہجے میں بولی۔

''اب قبول تو کرنی ہی پڑے گی ناں، اس کے

علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں۔'' سفینہ نے سلاد کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

''دادو! لالہ جی آ گئے ناں؟'' وہ جاتے جاتے ان سے پوچھنے کی غرض سے پلٹی تھی۔

''ہاں وہ آج جلدی آ گیا تھا، کہہ رہا تھا کہ طبیعت سست ہے تو آرام کر رہا ہے۔ تم اٹھا دو، ہوسکتا ہے بھوک لگی ہو۔'' سفینہ نے اسے مبین کے بارے میں بتایا تو وہ پرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے نکل گئی تھی اور اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ مبین نیازی کے کمرے کی طرف بڑھی کہ ان کو اٹھا دے اور عفاف کے آنے کا بھی بتا دے۔

☆☆☆

''لالہ!'' عروش، مبین کو ڈھونڈتی مطالعہ کے کمرے تک آئی تھی۔ اس نے انہیں پکارا تو روکنگ چیئر پر بیٹھے آنکھیں موندے مبین یک دم چونکے تھے، آنکھیں کھول کر حیرانی سے اسے دیکھا۔

''لالہ! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' وہ ان کی طرف بڑھی اور ان کی عجیب سی حالت کو دیکھ کر متفکر انداز میں ان سے پوچھنے لگی تھی۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں، کب آئیں تم؟'' دوسرے پل وہ ٹیبل لیمپ آن کیے اس کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھ رہے تھے۔

''بس لالہ! ابھی کچھ ہی دیر ہوئی ہے، اچھا ہوا آپ جلدی آ گئے۔'' عروش نے مبین کو دیکھ کر کہا، انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''عفاف آ رہی ہے ناں، اس نے کہا تھا کہ اپنا کام ختم کر کے آئے گی تو میں نے کہا تھا کہ وہ ڈنر ہمارے ساتھ کرے۔'' عروش نے ان کو اطلاع دی۔

''تو لالہ پلیز آپ فریش ہو جائیں ناں، وہ کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔'' عروش نے منت بھرے لہجے میں کہا تو مبین نے گہرا سانس لیا۔ آنکھوں رگڑا اور اگلے لمحے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''فریش ہو کر آتا ہوں۔'' مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولتے مبین عروش کو حیران کر گئے۔

''کیا بات ہے لالہ! اتنی جلدی مان گئے۔'' عروش اپنی حیرت چھپا نہ پائی تھی، فٹافٹ پوچھ لیا۔

''اس سے جلدی آ گیا تھا، ایک کپ چائے کے بعد سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوا اور اب بھوک زوروں پر ہے۔'' مبین مسکرا کر اس کو بتانے لگے تھے۔

''اچھا آپ فریش ہو جائیں، میں عفاف سے پوچھتی ہوں کہ کب تک آئے گی۔'' عروش باہر کی جانب قدم بڑھا کر بولی تو مبین نے بھی مطالعے کے کمرے سے باہر کی طرف قدم بڑھا کر اپنے کمرے کا رخ کیا۔

''لالہ!'' وہ دونوں ہی لاؤنج میں تھے، عروش نے یک لخت انہیں پکارا تو اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے مبین نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''ایک فرمائش کر سکتی ہوں۔'' عروش ان کی طرف دیکھ کر قدرے ڈرتے ڈرتے ان سے پوچھنے لگی۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ بالکل کر سکتی ہو۔'' مبین حیران ہی تو ہوئے تھے۔

''کیا آپ ابھی بلیک شلوار سوٹ پہن سکتے ہیں۔'' عروش ان کی طرف دیکھ کر بولنے لگی۔ اس لمحے وہ جینز اور وائٹ ٹی شرٹ زیب تن کیے، بکھرے بالوں، سرخ آنکھوں، ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ انتہائی دلکش لگ رہے تھے یا شاید یہ ایک بہن کی نظر تھی جس کو اپنے ملگجے حلیے والے لالہ کسی ہیرو سے کم نہ لگ رہے تھے۔ نک سک سے تیار ہوتے مبین بلیک شلوار سوٹ میں بے حد ڈیسنٹ لگتے تھے تو ایسے میں عروش نے فرمائش کر دی شاید وہ عفاف پر امپریشن جمانا چاہ رہی تھی۔ جب جب اس نے عفاف سے مبین کا ذکر کیا ان کو غصیلے انداز کو ہی سامنے لائی تب ہی تو اکثر عفاف ان کو ہٹلر لالہ کہہ کر اس کو چھیڑتی تھی۔

''بلیک شلوار سوٹ کیوں؟'' مبین نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''ویسے ہی۔'' اب وہ ان کو کیا بتاتی کہ وہ

عفاف کے سامنے ایک پرسنالٹی کو لانا چاہتی تھی، جو مزاجاً ہٹلر ہے لیکن دیکھنے میں کسی مہاراجا سے کم نہیں۔

''اوکے، جیسا تم کہو۔'' مبین گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے اور عروش من ہی من میں ''یاہو'' کا نعرہ لگا کر عفاف کو زیر کرنے اور اس کو حیران کرنے کی پلاننگ کرنے لگی۔

☆☆☆

پچھلے دس منٹ سے وہ مبین مینشن کے گیٹ پر نظریں جمائے شش و پنج میں مبتلا تھی۔ کتنی بار وہ خود کو ملامت بھی کر چکی تھی کہ اس کو مبین مینشن آنے کی حامی نہیں بھرنی چاہیے تھی۔ عروش کے یو کے جانے میں اجازت ملنے کے لیے مبین سے مذاکرات کے لیے کوئی بھی گرین سگنل نہیں دینا چاہیے تھا۔ اب اس کی مجتمع ہمت بکھرنے لگی تھی، وہ اپنی فیملی کے علاوہ کسی سوشل سرکل کا حصہ نہ تھی۔ اپنی جاب کو بھی وہ پروفیشنلی ہینڈل کرتی تھی۔ ہاں عروش تھی جو فیملی کے بعد اس کی زندگی کا حصہ تھی لیکن اس کے ساتھ بھی عفاف کا تعلق عجیب نوعیت کا تھا، ایک لیے دیے انداز کا سا، عروش نے جس انداز سے مبین کا ذکر کر رکھا تھا وہ بھی اس کے غصے سے بدک رہی تھی۔ بہر حال جو بھی تھا یہاں تک پہنچ گئی تھی تو اب گیٹ کو عبور کر کے ساری صورت حال کا سامنا بھی کرنا ہی تھا۔ یک لخت اس کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی، اس نے بیگ سے موبائل نکال کر اسکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھا تو بے اختیار مسکرا دی۔

''ہیلو، السلام علیکم!'' دوسرے پل وہ بظاہر سنجیدگی سے بولی۔

''وعلیکم السلام، جیتی رہو، اللہ نصیب اچھے کرے۔'' عروش کی چہکتی آواز پر اس کا قہقہہ بلند ہوا۔

''بہت شکریہ! دادی اماں! مجھے ان دعاؤں کی ضرورت تھی۔'' عفاف بھی شرارت سے بولی۔

''ارے یہ تو شرارت اور جواب شرارت ہوگئی۔'' عروش کی کھنکتی آواز پر عفاف نے مبین مینشن کے گیٹ کی طرف دیکھا۔

''ہاہاہا...... ہاں واقعی۔'' عفاف نے تائید کی۔

''اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کہ کتنی دیر تک پہنچو گی؟'' عروش نے اس سے پوچھا۔

''کہاں پہنچنا ہے؟'' عفاف کی حیرت میں ڈوبی آواز پر عروش نے موبائل کو گھورا تھا۔

''کیا مطلب کہاں پہنچنا ہے؟'' عروش تیزی سے بولی۔

''یہ تو تم بتاؤ ناں۔'' عفاف نے اسے زچ کرنے کے لیے کہا۔

''ہم نے ڈنر ایک ساتھ کرنا تھا، مبین مینشن میں۔'' عروش نے جتایا۔

''او مائی گاڈ، ایم ریئلی سوری عروش! میں بالکل ہی بھول گئی۔'' عفاف نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

''واٹ؟'' عروش چیخی تھی۔ ''یہ کیا طریقہ ہے عفاف! میں نے لالہ کو بھی کہہ دیا، دادو سے بھی کہ کھانا تم نے یہاں کھانا ہے۔'' عروش ناراضی سے بولی۔

''سوری، ایک ضروری میٹنگ تھی اس میں ہی الجھی رہی تو......'' عفاف مسلسل اس کو طیش دلا رہی تھی۔

''اٹس اوکے، میٹنگ عروش سے زیادہ ضروری تھی۔'' عروش اب شرمندگیوں میں گھرنے لگی تھی، خوامخواہ ہی عفاف کو کہہ رہی تھی جبکہ اس کے لیے تو اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں، اس کے لیے اس کے کام زیادہ ضروری ہیں۔

''نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ تم میرے لیے بہت خاص ہو۔'' عفاف کو اب اپنی ہنسی روکنا محال ہو رہا تھا، نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود وہ اس کے تاثرات دیکھ پا رہی تھی۔

''آئی نو، تھینک یو سو مچ۔'' عروش اب مکمل سنجیدگی اپنا چکی تھی۔

''خفا ہوگئی ہو؟''

''نہیں تو......'' عروش اسی موڈ میں بولی۔

''اچھا بتاؤ کتنے بجے آنا تھا۔'' عفاف کو اسے

تنگ کرنا اب لطف دے رہا تھا۔
''کوئی بات نہیں بھئی، ہم پھر کبھی کھانا ساتھ کھالیں گے۔ کوئی ایسا ضروری نہیں تھا۔'' عروش نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''اوکے پھر بات ہوگی، ابھی لالہ نے کھانا کھانا ہوگا۔ مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے، کل ملاقات ہوگی۔'' عروش اب بد دل ہوچکی تھی اور فون بند کرنے لگی تھی۔
''بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔'' عفاف نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روک کر کہا۔
''اوکے، ٹھیک ہے تم بھی کچھ کھالو۔'' عروش نے کہا۔
''تم ناراض ہوگئی ہو نا؟'' عفاف اس سے پوچھتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلی، ایسے کہ دوسری طرف کوئی آہٹ نہ ہو۔ گاڑی کا دروازہ بند کیا اور بیین مینشن کی طرف قدم بڑھادیے۔
''نہیں عفی! میں ناراض نہیں ہوتی اور تم سے تو بالکل بھی نہیں۔ تم اگر آتیں تو اچھا لگتا۔'' عروش اب قدرے نرم پڑ چکی تھی، عفاف اب بیین مینشن کے گیٹ کے پاس کھڑی تھی۔ ایک لمحے کو جھجکی اور پھر بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔
''میں آجاتی لیکن......'' عفاف گہرا سانس لے کر بولی۔
''کوئی بات نہیں اچھا پھر بات ہوتی ہے، گیٹ بیل بجی ہے شاید کوئی آیا ہے۔'' عروش عجلت میں بولی اور فون بند کردیا جبکہ عفاف اب خود کو کمپوز کرنے لگی۔
''سرپرائز......'' دوسرے پل گیٹ کھلتے ہی عفاف نے دونوں بازو پھیلا کر ایک ادا سے کہا لیکن اگلے لمحے خجل ہوکر سر جھکا دیا۔

☆☆☆

''پھر وہی بات......''
''میں اتنی کانفیڈنٹ نہیں ہوں ناں۔'' اس نے تین بار اسٹریٹ میں گاڑی چلائی تھی۔ مانی نے دیکھا کہ وہ ٹھیک چلا رہی ہے تو اس کو مین روڈ کی طرف مڑنے کرنے کا کہہ دیا جس کی وجہ سے وہ ایک دم گھبرا گئی۔
''اسپیڈ پر دھیان دو اور یہی تصور کرو کہ تم ابھی بھی اسٹریٹ کی ایک کوائٹ روڈ پر ڈرائیو کررہی ہو۔'' مانی نے نرم لہجے میں کہا تو دل آویز نے بے بسی سے ذرا کی ذرا گردن گھما کر اسے دیکھا۔
''دیکھ کر...... دیکھ کر......'' اس نے جیسے ہی نظریں روڈ سے ہٹائیں گاڑی بھی لڑکھڑا گئی جس پر مانی نے یک دم اسٹرینگ وہیل پر ہاتھ رکھا۔ دل آویز کو ایک بار پھر ٹھنڈے پسینے آنے شروع ہوگئے تھے۔
''جسٹ ریلیکس۔'' مانی نے ونڈو کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔
''آگے ٹریفک لائٹس ہیں، دونوں سائڈ مررز دیکھو اور پھر بیک ویو مرر اور اب بریک پیڈل پر دباؤ ڈالنا شروع کرو۔'' دل آویز خاموشی سے دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ وہیل کو پکڑے بے انتہا نروس ہوتے ڈرائیو کررہی تھی۔ مانی اپنے مخصوص دوستانہ لہجے میں اس کو ہدایات دے رہا تھا اور وہ اس کی ہدایات پر عمل کرتی جارہی تھی۔
''اُف یہ ڈرائیونگ تو میری جان نکال لے گی۔'' وہ ٹشو پیپر سے پسینہ صاف کرتے ہوئے بولی۔
''فکر نہ کرو، ڈرائیونگ سیکھنے سے کوئی نہیں مرتا۔'' مانی نے مسکرا کر کہا تو دل آویز اس کی دلکش مسکراہٹ کے سحر میں گرفتار ہونے لگی۔
مانی اس کو ڈرائیونگ کے بنیادی قوانین بتا رہا تھا، دل آویز اس کی آواز کے سحر میں گرفتار اس کو سن رہی تھی۔
''بریک بریک...... بریک......'' دوسرے لمحے مانی نے قدرے بلند آواز میں اس کا دھیان بدل جانے والی ٹریفک لائٹس کی طرف دلانے کی کوشش کی۔ جو اپنی اسپیڈ سے زیادہ کی رفتار سے

ڈرائیو کررہی تھی۔ جب تک وہ ٹریفک لائٹس تک پہنچتی لائٹس ریڈ ہوچکی تھیں اور دل آویز جب تک بریک پیڈل کو مکمل دبا کر کار کو روکتی وہ وائٹ لائن کراس کرکے جنکشن کے تقریباً درمیان میں آکر رکی تھی۔

''گاڑی کو آگے بڑھا دو، یہاں نہیں روک سکتے۔'' اس سے پہلے کہ دل آویز ہینڈ بریک لگا کر گاڑی کو وہیں روک دیتی، مانی نے کہا اور وہ گاڑی کو آگے بڑھا لے گئی۔

''ایک بات یاد رکھنا، نیکسٹ ٹائم اگر تم وائٹ لائن کراس کرگئیں تو وہاں ہی نہ رک جانا۔ بیچ راستے میں رک کر تم ریورس گیئر سے واپس وائٹ لائن پر نہیں آسکتیں۔ یہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی فائدے مند۔ اگر لگے کہ ٹریفک لائٹس سے پہلے کی حد میں رکنا محال ہے تو جو اسپیڈ ہے پھر اسی میں آگے بڑھ جانا ہی بہتر ہوگا۔''

مانی اسے وہ سارے قوانین سمجھا رہا تھا جو نئے سیکھنے والے کے کام آسکتے ہیں اور جو محفوظ بھی ہوتے ہیں۔ اب گاڑی ایک محفوظ جگہ پر پارک تھی، دل آویز انہماک سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ اب کیا سمجھ میں نہیں آیا؟'' وہ کچھ نہ بولی تو مانی اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''یہ ڈرائیونگ سکھا رہے ہیں کہ محبت؟'' وہ ہنستے ہوئے بولتی اس کو چونکا گئی۔

''محبت سیکھنے سے نہیں آتی' میں ڈرائیونگ ہی سکھا رہا ہوں۔ یہی میرا کام ہے اور تم اسی پر دھیان دو۔ محبتوں کے چکر میں نہ پڑو۔'' مانی نے ذرا کی ذرا نظر اس پر ڈال کر نظریں روڈ پر مرکوز کردی تھیں۔

''نہیں، میں محبت کے چکر میں نہیں پڑ رہی، صرف پوچھا ہے کہ محبت میں بھی تو جب وائٹ لائن کراس کرجاؤ تو پھر واپسی کے سارے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔'' دل آویز کے لہجے اور الفاظ نے مانی کو حیران کیا تھا وہ اب گاڑی موو کرتے ہوئے شرارتی انداز میں مسکرا رہی تھی۔

''اچھا...... ہاں شاید......'' مانی نے سرسری لہجے میں کہا۔

''تمہاری سائڈ پر بھی بریک لگی ہے جو استعمال کرنے کے لیے ہی ہے۔'' دل آویز نے بنا دیکھے ٹرن لیا تھا اور کافی تیزی سے موڑ مڑی تھی۔ دوسری طرف سے آنے والی گاڑی کو ایمرجنسی بریک لگانی پڑی تھی۔

''کسی دوسرے روڈ یوزر کو سلو ڈاؤن کرنا یا اس کو پرابلم میں ڈال دینا ایک سیریس مس ٹیک کاؤنٹ ہوتی ہے۔'' مانی دھیمے مگر سخت لہجے میں اس کو بتا رہا تھا۔

''آپ کو کبھی کسی نے بتایا ہے کہ آپ غصے میں بے حد ڈیسنٹ لگتے ہیں۔'' دل آویز نے کن انکھیوں سے اس کے غصیلے تاثرات دیکھ کر شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ مانی نے لب بھینچ لیے، تو دل آویز جل انداز میں دوبارہ ڈرائیونگ پر دھیان دینے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''تمہارا دھیان کدھر ہے؟'' اب وہ مسلسل غلطیاں کیے جارہی تھی۔

''انسٹرکٹر کی طرف۔'' وہ بولی ضرور لیکن دل ہی دل میں۔

''کیا میں گاڑی پارک کرکے کچھ دیر بریک لے سکتی ہوں۔'' اس نے مانی کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا۔

''دو گھنٹے کے لیسن میں تم کم از کم پانچ چھ بار گاڑی روک کر اپنا پسینہ صاف کرتی ہو، ہاں کرسکتی ہو۔'' مانی نے گہری سنجیدگی سے اسے دیکھے بغیر کہا تھا۔

''پسینہ نہیں صاف کرتی، اپنے آپ کو سنبھالتی ہوں۔'' دل آویز ایک محفوظ جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کرنے لگی تھی۔

''اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ تم اتنی کند ذہن لگتی تو نہیں ہو پھر کیوں اپنی مشکل پیش آرہی ہے؟'' پچھلے دس سال میں اس نے متعدد لڑکے لڑکیوں کو ڈرائیونگ سکھائی تھی، بہت کند ذہن لوگ بھی

پریکٹیکل ڈرائیونگ کو بہت انجوائے کرتے ہوئے بہت جلد سیکھ لیتے تھے۔ مانی کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر غلطیاں کرتی ہے، دانستہ اپنے آپ کو بہت اناڑی اور کندن ذہن ثابت کررہی ہے۔ مانی کا لب ولہجہ اورانداز نہایت دوستانہ ہونے کے باوجود وہ نروس ہوجاتی تھی۔

''بولو، کیا بات ہے؟'' دل آویز مسلسل لب بھینچے اور ہاتھ مروڑتے ہوئے خاموشی سے بیٹھی تھی۔

''آئی ڈونٹ نو۔'' وہ مدھم آواز میں اس کی طرف دیکھے بنا بولی۔

''کوئی پرابلم ہے کیا؟'' وہ نرم لہجے میں گویا ہوا۔

''نہیں تو۔'' وہ پلکیں جھپکا کر بولی۔

''میرا طریقہ کار پسند نہیں؟''

''ایسی بھی کوئی بات نہیں، آپ تو بہت اچھا سکھارہے ہیں۔'' دل آویز اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''اگر تم میرے ساتھ کمفرٹیبل نہیں ہو تو تم کسی دوسرے انسٹرکٹر کو اپروچ کرسکتی ہو۔'' مانی اس کا مسئلہ حل کرنا چاہ رہا تھا لیکن وہ مسلسل خاموش تھی۔

''بعض دفعہ چینج بھی ہیلپ فل ہوتا ہے۔''

''نہیں مجھے کوئی بھی چینج نہیں چاہیے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی تو مانی نے متعجب نظروں سے اس کو دیکھا۔

''دیکھو دل آویز! تم وقت بھی ضائع کررہی ہو اور پیسہ بھی۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، میرا کام ہے اور میں تمہیں صرف سکھانے کی ہی کوشش کرسکتا ہوں۔ تمہارے دماغ تک میری رسائی ممکن نہیں ہے، اس کے لیے تمہیں خود ہی محنت کرنی پڑے گی۔ اپنے دماغ کو حاضر رکھنا پڑے گا۔'' مانی اب سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتا اس کو پھر سمجھانے لگا تھا۔

''اگر آپ چاہیں تو رسائی ممکن ہو بھی سکتی ہے۔'' دل آویز نے اس کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں کہا۔

''میں اپنی سی پوری کوشش کرتی ہوں مانی! لیکن پتا نہیں کیوں مجھے ڈرائیونگ اتنی مشکل لگنے لگی ہے کہ سمجھ میں نہیں آرہا کیسے ہینڈل کروں۔'' وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے انتہائی رنجیدگی سے بولی۔

''اچھا، آئی ول ہیلپ یو ناؤ۔'' مانی نے پرسوچ انداز میں کہا تو دل آویز نے چونک کر اسے دیکھا۔ جبکہ مانی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ اس کے نوٹس والے فولڈر کو بند کر کے دروازہ کھول کر باہر نکلا اور بوٹ کھول کر اس میں رکھ دیا اور دل آویز حیران نظروں سے اس کو یہ سب کرتا دیکھے جارہی تھی۔

☆☆☆

''آئی ایم سو سوری، میں سمجھی عروش ہوگی۔'' عفاف نے دروازہ کھلتے ہی جتنی گرم جوشی اور شوخی کا اظہار کیا تھا اب اس سے کہیں گنا زیادہ شرمندگی محسوس کررہی تھی۔

''نو پرابلم۔'' مبین نیازی نے ایک نظر اس کے شرمندہ سراپا پر ڈالی اور بے انتہا سنجیدگی سے بولے، عفاف نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''آیئے، آپ تشریف لائیں۔'' مبین نے ایک طرف ہو کر اس کو اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

''شکریہ۔'' عفاف محتاط انداز سے چلتی مبین مینشن میں داخل ہو کر چلنے لگی تھی۔ مبین نے گیٹ بند کیا اور پلٹ کر ان سے کافی فاصلے پر چلتی اندر کی جانب بڑھتی عفاف کی پشت کو دیکھا۔ گہرا سانس لیا دھیمے سے مسکرائے اور اگلے لمحے وہ اس سے چند قدم پیچھے چل رہے تھے، لمحہ بھر کو عفاف ٹھٹکی، لیکن کمال مہارت سے ان کی موجودگی کو نظر انداز کر کے اندر کی جانب بڑھتی جارہی تھی۔

''آپ کو اندر تک کا راستہ معلوم ہے کیا؟'' مبین نیازی کی آواز پر عفاف کے قدم رکے تھے۔

''پہلے یہاں آچکی ہیں کیا؟'' وہ رک گئی تھی، بولی کچھ نہیں، تو مبین جو اس کے پیچھے تھے، اب اس سے دو قدم آگے کھڑے اس سے پوچھ رہے تھے۔

''نہیں تو۔'' وہ ایک نظر ان کو دیکھ کر دوبارہ

نظریں جھکا کر بولی۔

''وندناتی ہوئی تو ایسے آگے بڑھ رہی ہیں جیسے یہاں کے چپے چپے سے واقف ہیں۔'' مبین نے نجانے کس لہجے میں کہا کہ عفاف یک لخت ہی شرمندہ ہوگئی۔

''آ جائیں آپ کو عروش کے پاس چھوڑ دیتا ہوں۔'' وہ ہاتھ مروڑتی کھڑی تھی۔ جب کچھ نہ بولی تو مبین مسکرا کر بولے اور قدم اندر کی جاب بڑھا دیے۔ عفاف نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا، گہرا سانس خارج کرکے ان کے پیچھے قدم بڑھادیے۔

''ویسے آپ کا نام کیا ہے؟ کہیں میں کسی ڈاکو حسینہ کو تو نہیں ہمراہ لیے اندر بڑھ رہا ہوں؟'' یک دم مبین نے پھر قدم روکے، پلٹ کر اسے دیکھا۔ عفاف نے بے انتہا حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔ چہرے پر گہری خاموشی اور سنجیدگی چھائی تھی لیکن چمکتی گہری آنکھوں کی پتلیوں میں سے جھانکتی ایک مسکراہٹ اور شرارت اس کی آنکھوں سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

''یہ نہ ہو اندر قدم رکھتے ہی خودکش دھماکا ہوجائے اور......''

''کیا میں آپ کو شکل سے کوئی دہشت گرد لگتی ہوں؟'' عفاف اس کی بات کاٹ کر تنک مزاجی سے بولی۔

''اب کسی کے ماتھے پر نہیں چسپاں ہوتا ناں کہ اس کے دل میں کیا ہے۔'' مبین نے دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے گہری نظر اس پر ڈالی تھی۔ عفاف لب بھینچ کر رہ گئی۔

''عفاف!'' وہ مدھم آواز میں بولی۔

''نائس نیم۔'' مبین نیازی نے اس کی جھکی نظروں کو اپنی گہری نظروں کے حصار میں لے کر کہا، پل بھر میں اس کی پلکیں لرزیں۔

''مبین نیازی!'' مبین نے اپنا ہاتھ بڑھایا، عفاف نے جھجک کر اسے دیکھا، نظریں اس کے چہرے پر اور ہاتھ بڑھا تھا۔

''نائس میٹنگ یو۔'' عفاف نے بنا سوچے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا جس کو مبین نے گرم جوشی سے دبا کر چھوڑ دیا اور بنا کچھ کہے اندر بڑھ گئے تھے تو دوسرے پل عفاف کا دل چاہا یہاں سے ہی واپس پلٹ جائے لیکن...... اب اس نے قدم اندر کی جانب بڑھادیے تھے۔

''آپ بیٹھیں، میں عروش کو بلاتا ہوں۔'' وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو مبین نے مہمان نوازی نباہتے ہوئے کہا۔

''کیا میں......'' عفاف نے اسے روک کر کہا۔ ''کیا میں عروش کے کمرے میں جاسکتی ہوں۔'' اس نے بات مکمل کی تو مبین نے اسے دیکھا۔

''پوچھ رہی ہیں تو غلط کررہی ہیں، بتارہی ہیں تو اس کی ضرورت نہیں۔ آپ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں، کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔'' مبین نیازی کا اپنا ہی ایک انداز تھا، عفاف نے انہیں دیکھا۔

''عروش کے کمرے تک مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت پڑے گی۔'' عفاف کو نہ چاہتے ہوئے بھی ان سے یہ کہنا پڑا تھا کیوں کہ وہ عروش کی خواب گاہ کی سمت سے انجان تھی۔

''بندہ حاضر ہے جناب! چلیں۔'' مبین نیازی قدرے شوخ لہجے میں بولے۔

''ویسے بھی خوب صورت لوگوں کی ہمراہی کم لوگوں کو ہی میسر آتی ہے۔'' مبین زیر لب بولے لیکن عفاف تک بخوبی یہ ہلتے لبوں کی سرگوشی پہنچی تھی، اس نے سٹپٹا کر ان کی طرف سے نظریں پھیری تھیں۔

''کبھی کبھی کچھ چہرے اتنے شناسا کیوں لگتے ہیں؟'' اس کے ہمراہ چلتے مبین نے بے انتہا مدھم آواز میں بظاہر خود کلامی کی تھی لیکن ارادہ اس سے سوال کا تھا۔

''بعض اوقات چہروں کی مشابہت ہمیں دھوکوں سے دوچار کردیتی ہے، جو چہرے بظاہر شناسا لگتے ہیں کبھی کبھی ان کے پیچھے حد درجہ اجنبیت چھپی ہوتی ہے۔'' عفاف ان کی بے وجہ کی بے تکلفی سے زچ ہوتے ہوئے بولی تو مبین نیازی نے گہری

مسکراہٹ کو لب بھینچ کر روکا۔
''بالکل، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، اجنبیت کا چولا دانستہ پہن لیا جاتا ہے، کچھ بھید پوشیدہ رکھنا شاید مقصود ہوتا ہے لیکن......''
''عروش کا روم کہاں ہے؟'' اس سے پہلے مبین اس بحث کو طویل کرتے عفاف نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں ان کی بات کاٹ کر ان سے پوچھا۔
مبین نے اسے دیکھا اور یک لخت ہی تیز قدموں کو اٹھاتے اس سے آگے بڑھ گئے اور ایک ریڈ کلر کے دروازے پر دستک دینے لگے۔
''تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔'' عروش نے شاید پوچھا تھا کہ کون ہے، عفاف بھی قدم اٹھاتی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔
''عفی......'' دوسرے لمحے عروش نے دروازہ کھولا تو عفاف کو کھڑا دیکھ کر بے انتہا حیرت سے پہلے اسے اور پھر مبین کو دیکھا۔
''یو چیٹر...... دھوکے باز...... فراڈ لڑکی...... مجھے تنگ کرنے کی سزا ملے گی اب۔'' وہ اس سے لپٹ گئی اور مبین کا لحاظ کیے بنا اس کو طرح طرح القاب سے نوازنے لگی اور عفاف مبین کی موجودگی میں اس کے اس ردعمل پر خجل ہو رہی تھی۔
''بے وقوف۔'' مبین زیر لب بولے اور واپس قدم بڑھا دیے۔
''لالہ! عروش نے اسے پکارا تو اس کے قدم رک گئے۔
''لالہ! یہ عفاف ہے، میری سب سے اچھی اور کچھ سڑیل دوست۔'' عروش اس کا ہاتھ پکڑے مبین کے پاس آ کھڑی ہوئی اور اس کا تعارف کروانے لگی۔
''اچھا، میں کب سے پوچھ رہا ہوں لیکن انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ ماشاءاللہ تو یہ عفاف ہیں۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر مس عفاف۔'' مبین نے کہا اور ہاتھ بڑھا دیا۔ عفاف نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس لمحے اس کو زیر کرنے کے سارے ہتھیار اس پر تانے اس کے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ عفاف نے اب عروش کو دیکھا۔
''السلام علیکم! آپ کی بہت تعریف سنی ہے عروش سے، آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' عفاف نے اس کے بڑھے ہاتھ کو مکمل نظر انداز کر کے کہا۔ مبین خلاف معمول قہقہہ لگا کر ہنسے اور عروش نے حیرت سے عفاف کو دیکھا اور من ہی من اس کی حرکت کی داد دی لیکن مبین کا قہقہہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔
''بہت شکریہ۔'' مبین نے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے بشاش لہجے میں کہا۔
''لالہ! کیا بات ہے، آج آپ کا قہقہہ بڑا بلند ہے۔'' عروش نے مسکرا کر مبین کو دیکھا۔
''کھانا کب تک تیار ملے گا؟'' مبین نے اس کے سوال اور عفاف کے تاثرات کو مکمل نظر انداز کر کے پوچھا۔
''بس لالہ کچھ دیر تک، دادو نے کہا تھا کھانا تیار ہے۔ عفاف! تم ریلیکس ہو جاؤ پھر ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔'' عروش نے مبین کو بتاتے ہوئے عفاف سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''ویسے تم نے میرے سوٹ پر کوئی کمنٹ نہیں دیا۔'' مبین نے کن انکھیوں سے عفاف کو دیکھ کر عروش سے مخاطب ہوا۔
''لالہ! آپ تو ہیرو ہیں اور اسپیشلی بلیک شلوار سوٹ میں تو......''
''چمکیلے کالے کوے لگتے ہیں۔'' عفاف کے لب ہلے تو آواز نجانے کیسے بلند ہو گئی۔ دوسرے پل اس نے لب کاٹ لیے جبکہ ان دونوں بہن بھائی نے بھونچکا کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر دونوں کا قہقہہ ایک ساتھ گونجا جو عفاف کو شرمندگیوں میں دھکیل گیا۔ اب وہ خود کو ملامت کرنے لگی تھی کہ خواہ مخواہ ہی جل بھن کے لب ہلا دیے۔

☆☆☆

''باباجان! آج کل آپ کا موبائل پھر بہت خاموش ہے، کدھر غائب ہے آپ کی مہارانی۔''

عدی کمرے میں داخل ہوا تو احسن ندیم صوفہ پر براجمان نیوز چینل کے ہنگاموں اور چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''میرا موبائل خاموش ہے؟'' احسن ندیم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''نہیں یار! تم دونوں ماں بیٹا ڈسٹرب نہ ہو، اس لیے میرا موبائل اب سرگوشیاں کرتا ہے۔'' احسن ندیم نے شریر لہجے میں ڈرائی فروٹ نوش کرتی ثمن کو دیکھ کر عدی سے مخاطب ہوتے تھے۔

''مام ذرا نظر رکھیے گا، موبائل سائلنٹ پر رہنے لگا ہے۔'' عدی نے آنکھ دبا کر ثمن کو خبردار کیا تو احسن ندیم نے اسے گھورا تھا۔

''کہیں بٹی کی آڑ میں کوئی گوری میم نہ چھپی ہو۔'' عدی پر احسن ندیم کے گھورنے کا کوئی اثر نہ ہوا تھا، مزید شریر لہجہ اپنا کر بولا۔

''حد کرتے ہو یار! اب کیا اس عمر میں اور بالوں کی اس سفیدی کے ساتھ میں گوری میم سے مراسم بڑھاؤں گا؟'' احسن ندیم نے اپنے سفید بالوں کی طرف اشارہ کر کے بولے تو عدی ہنسنے لگا۔

''اور تم رنگ میں بھنگ نہ ملاؤ۔ ہماری محبت کی مثالیں دنیا دیتی ہے۔'' احسن ندیم نے عدی کو خشمگین نظروں سے دیکھا جبکہ ثمن مسلسل مسکراتے ہوئے دونوں باپ بیٹے کی نوک جھوک کو انجوائے کر رہی تھیں۔

''واقعی بہت دن ہو گئے عفاف کی کال نہیں آئی، آپ سے رابطہ ہوا اس کا؟'' ثمن نے احسن ندیم سے پوچھا۔

''ہاں اس سے تو مکمل رابطہ ہے، آج اپنی دوست کے گھر کھانے پر مدعو ہے تو وہاں گئی ہوئی ہے۔'' احسن ندیم نے مسکراتے ہوئے انہیں بتایا۔

''دوست کے گھر؟ وہی دوست جس کی آواز بہت پیاری ہے؟ کیا نام تھا اس کا؟'' اس سے پہلے کہ ثمن کچھ کہتی عدی چہکا تھا اور پرسوچ انداز میں عفاف کی دوست کا نام یاد کرنے لگا۔ ثمن اور احسن ندیم نے پہلے ایک دوسرے اور پھر عدی کے شریر چہرے کی طرف دیکھا۔

''عروش۔'' احسن ندیم نے اس کی مشکل آسانی کی۔

''ابسلوٹلی رائٹ عروش! واٹ اے لولی نیم شی ہیز۔'' عدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''خیر ہو بیٹا جی! یہ کیا معاملہ ہے؟'' دوسرے پل ثمن اٹھی تھیں، ارادہ کچن میں جانے کا تھا لیکن عدی کے جوش۔ نے ان کو حد درجہ حیرت سے دوچار کیا تھا، اس کا کان کھینچتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

''اف مام...... اٹس ہرٹنگ۔'' وہ کان چھڑاتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہونسٹ مام شی از نائس، شی ہیز اے بیوٹی فل نیم اینڈ سویٹ وائس، اینڈ دا بیسٹ تھنگ از، وہ آپ کی عفی کی دوست ہے۔ مطلب اس کا بیسٹ ہونے کی گارنٹی ہے۔ تو اتنے زیادہ بیسٹ کے ساتھ جب کوئی معاملہ ہو جائے، آئی مین ''دل والا معاملہ'' تو کیا پرابلم ہے؟'' عدی مکمل شوخی کے ساتھ بولتا احسن ندیم اور ثمن کو بے انتہا حیران کر گیا تھا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، احسن صاحب مبارک ہو بیٹا صلاح مانگ رہا ہے۔'' اب کے ثمن بھی شوخی سے مسکرائی تھیں۔

''واہ برخوردار! دیکھیں تو ثمن بیگم! چھوٹا سا تھا جب ان ہی ہاتھوں میں اٹھا کر اس کو ہسپتال سے گھر لائے تھے اور آج دیکھو تو کیسے ہمارے ہی ساتھ چالاکی کر کے دل کے معاملے سلجھا رہا ہے۔'' احسن ندیم نے ثمن کی شوخی میں ان کا بھرپور ساتھ دیتے ہوئے عدی کو چھیڑا تھا۔

''یو گائز شوڈ بی پراؤڈ۔'' وہ بھی ان ہی کا بیٹا تھا، ان سے دو قدم آگے۔

''ہمیں تو فخر ہے، بس اللہ تعالیٰ رحم کرے۔'' ثمن باہر کی جانب بڑھتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

''کیوں شہزادے! کیا معاملہ ہے؟'' دونوں

باپ بیٹا دوستوں کی طرح ایک دوسرے کو اپنی دل کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ عدی باہر کی جانب بڑھنے لگا تو احسن ندیم نے اس سے پوچھا۔

''ابھی تو کوئی معاملہ نہیں بابا جان! ایسے ہی آپ دونوں کو احساس دلانا چاہ رہا تھا کہ آپ کی عمر اب اس قابل ہوگئی ہے کہ ایک بہو لے آئیں۔'' عدی نے شریر لہجے میں کہا تو احسن ندیم کا قہقہہ بلند ہوا۔

''ابھی نہیں ہے، مطلب کوئی معاملہ ہوسکتا ہے؟'' احسن ندیم اس کی چالاکی سے محظوظ ہوتے ہوئے بشاش لہجے میں بولے۔

''شاید......'' عدی کندھے اچکا کر مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا اور اگلے لمحے وہ موبائل پر ایک میسج ٹائپ کر رہا تھا اور مسلسل ایک مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔

''پیاری آپی جان! سامنے بیٹھی کھنکتی آواز میں لڑکی کو اپنی بھابھی کی نظر سے دیکھ کر بتاؤ کہ کیسی ہے اور اگر ایک اچھی نند بننے کے گن آپ میں موجود ہوں تو اس کے ساتھ ایک سیلفی بھیج کر اس دل کو قرار بخش کر ثواب حاصل کرو۔'' عفاف نے بیگ سے موبائل نکالا تو عدی کے میسج نے اس کو چونکا دیا، بے اختیار اس کی نظر کچھ فاصلے پر بیٹھی مسکراتی عروش کی جانب اٹھیں۔

''عدی کے بچے، تم سدھر جاؤ۔'' دوسرے لمحے اس نے ڈھیر ساری غصے والے ایموجیز کے ساتھ اس کو جواب دیا تھا۔

''ہاہاہا...... پیاری آپی پلیز، یہ آواز بہت بھا گئی ہے۔'' دوسرے پل عدی کا ایک منت بھرا ٹیکسٹ میسج عفاف کو حیران کر گیا تھا۔

''او کے، آئی ول ٹاک ٹو یو لیٹر۔'' عفاف نے جواب دیا۔ کچھ دیر تک بھی عدی کا رپلائے نہ آیا تو اس نے موبائل واپس بیگ میں ڈال دیا اور عروش کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

احسن ندیم لڑکپن میں یو کے آئے تھے، پہلے تو پڑھائی کے سلسلے میں لیکن آہستہ آہستہ اس میٹھی قید کے اس درجہ عادی ہوگئے کہ یہاں ہی سیٹل ہونا پڑا۔ ثمن ان کی کزن تھیں، جن کے ساتھ دل کے تار نہایت مضبوطی سے جڑے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی وہ پاکستان گئے اور ازدواجی رشتے سے منسلک ہو کر چند ہی مہینوں میں ثمن کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا۔ یوں عرصہ دراز سے آکسفورڈ میں رہائش پذیر تھے۔ عفاف اور عدی ان کی اولادیں جن کو انہوں نے بے حد لاڈ پیار اور دوستانہ ماحول میں پروان چڑھایا تھا۔

عدی ابھی تک اپنی تعلیم میں مصروف تھا جبکہ عفاف دو، ڈھائی سال پہلے تعلیم سے فارغ ہوچکی تھی اور ایک انٹرنیشنل آرگنائزیشن میں سوشل ورکر کے طور پر کام کرنے لگی تھی لیکن پچھلے دو سال سے وہ اسی آرگنائزیشن کی پاکستان میں برانچ کو ہینڈل کر رہی تھی۔ احسن ندیم اور ثمن کے لیے عفاف کو یوں اکیلے پاکستان بھیجنا ایک نہایت مشکل فیصلہ تھا، لیکن عفاف پر جانے کیا جنون سوار تھا کہ وہ پاکستان کی برانچ میں کام کرے گی۔ احسن ندیم کو اس کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی پڑے تھے۔ یوں عفاف پاکستان میں رہائش پذیر تھی، احسن ندیم، ثمن اور عدی یو کے میں رہتے تھے۔ عفاف سے ہر لمحے کا رابطہ ہونے کے باوجود وہ اس کی طرف سے فکر مند تھے لیکن عفاف نے اپنی زندگی کو انتہائی مصروف بنا رکھا تھا۔ بے سہارا لڑکیوں کے ساتھ کام کرنا، ان کے معاملات کو سلجھانا، ان کی دیکھ بھال، ان کے دکھ درد کو بٹانا۔ عفاف اس سب میں اس قدر محو تھی کہ اس کو واپس جانے کا کبھی خیال بھی نہ آیا تھا، وہ واپس یو کے جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''کن سوچوں میں گم ہو میڈم!'' عفاف غیر ارادی طور پر عروش پر نظریں جمائے بیٹھی تھی کہ اس کی آواز پر چونک گئی۔ پلکیں جھکائیں اور دھیرے سے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ عروش اس کو بہت عزیز تھی، نٹ کھٹ سی اور بے حد مخلص لڑکی، اگلے پل اس

کی ذہن میں عدی کی گزارش گونجنے لگی تھی۔
''ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔'' عفاف نے دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا اور اب مبین نیازی کو راضی کرنے کا مرحلہ باقی تھا۔عروش نے یو کے تو جانا ہی تھا اگر عفاف اس کو اپنے بھائی کی پسند کی نظر سے دیکھے تو......
''میں نے تمہیں یہاں اس لیے انوائٹ کیا تھا کہ تم لالہ سے میری سفارش کر دوگی کہ وہ مجھے یو کے جانے کی اجازت دے دیں اور تم ہو کہ یہاں آ کر اپنے ہی خیالوں میں کھوگئی ہو۔'' عروش نے تیوریاں چڑھا کر اس کو ڈانٹا تھا۔
''خیالوں میں نہیں کھوئی ہوں، ان بھاگتے دوڑتے چوہوں کو دیکھ رہی ہوں جو بھوک سے اب نڈھال ہوتے جارہے ہیں۔'' عفاف نے بے حد بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
''یار میں لالہ کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی اور تمہارے بھی فریش ہونے کا۔'' عروش نے عفاف کو دیکھا تھا۔
''میں تو فریش ہوں یار! کہاں بزی ہیں مسٹر؟'' عفاف نے سرسری لہجے میں مبین نیازی کی مصروفیت کا پوچھا تھا۔
''کہنے لگے کہ ایک ضروری کال کرنی ہے لیکن پورے پچاس منٹ گزر گئے ابھی تک ان کی ضروری کال ختم نہیں ہوئی۔'' عروش اب غصیلے لہجے میں بولی۔
''پتا تو کرو یہ ''ضروری کال'' کس کو ہو رہی ہے؟'' عفاف قدرے شریر لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔
''میرے لالہ! ایسے نہیں ہیں۔'' عروش نے اس کے منہ چڑایا تھا۔
''میں نے کب کہا کہ ''ایسے ویسے'' ہیں۔'' عفاف نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔
''میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ ضروری کالیں جب اتنی طویل ہونے لگیں تو تھوڑی سی چھان بین کر لینی چاہیے۔'' عفاف مسکراہٹ دبا کر بولی۔
''تم مجھے میرے لالہ پر شک کرنے کا کہہ رہی ہو؟'' عروش ابھی تک مصنوعی خفگی سے اسے گھورے جارہی تھی۔
''شک کا نہیں کہہ رہی، چھان بین کا کہہ رہی ہوں۔'' عفاف نے اسے دیکھ کر انتہائی سرسری انداز اپنایا تھا۔
''چھان بین تب ہی کی جاتی ہے جب شک ہو تو......'' عروش بضد ہوئی۔
''ہاں یہ تو ہے' ویسے اگر دو چار نوالے کھانے کو مل جائیں تو احسان ہوگا تمہارا۔'' عفاف طنزیہ لہجے میں بولی تو عروش نے زبان دانتوں تلے دبالی۔
''اوکے چلو، ڈائننگ روم میں۔ میں لالہ کو دیکھتی ہوں' تب تک تم دادو سے باتیں کرنا۔'' عروش عفاف کو دیکھتے ہوئے بولی اور اٹھ کر باہر کی جانب بڑھی تو عفاف بھی اس کے ہمراہ کمرے سے باہر قدم بڑھا رہی تھی۔
''بیٹا عروش! تمہاری بہت تعریف کرتی ہے۔'' عروش اسے ڈائننگ روم میں سفینہ کے پاس چھوڑ کر خود مبین کی تلاش میں اس کے کمرے کی جانب بڑھی تھی تو سفینہ عفاف سے مخاطب ہوئی تو عفاف نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔
''دادو! عروش خود بہت اچھی ہے اور جن کے دل صاف ہوں ان کی نظر بہت خوب صورت ہوتی ہے۔'' عفاف اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔
''تمہارے ساتھ کی وجہ سے مجھے اور مبین کو عروش کی طرف سے تسلی رہتی ہے۔'' سفینہ پھر گویا ہوئیں تو عفاف نے چونک کر انہیں دیکھا۔
''میری وجہ سے تسلی کیسے؟'' عفاف کی حیرت بجا تھی کیوں کہ سفینہ سے وہ بمشکل دو، تین دفعہ پہلے ملی تھی، وہ بھی انتہائی سرسری ملاقات تھی۔
''بیٹا اچھے دوست ہماری پہچان ہوتے ہیں اور جس طرح تم نے عروش کو اس کے باپ کی موت پر سنبھالا تھا۔وہ قابل تحسین ہے۔عروش نے ہزار بار تمہارے خلوص کی تعریف کی ہے اور مبین نے بھی

ہمیشہ تمہاری مدد کو تعریفی انداز میں سراہا ہے۔'' سفینہ اس کو بتا رہی تھیں۔

''دادو! اب میں کیا کہوں؟'' عفاف اپنی تعریف پر جھینپ گئی تھی۔

''کچھ بھی نہ کہو بیٹا! اللہ تم دونوں کے نصیب اچھے کرے۔'' سفینہ بے ساختہ مسکراہٹ کو روک نہ سکیں، اس کے ہاتھ کو پکڑ کر پیار کرتے ہوئے بولیں تو عفاف دل ہی دل میں آمین بولے بنا نہ رہ سکی۔

''دادو! عروش کی کہیں بات تو نہیں طے ہوئی ناں ابھی؟'' یک لخت ہی عفاف کا دھیان عدی کی خواہش کی طرف گیا تھا۔

''نہیں بیٹا! دعا کرو کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔ مبین بھی کہہ رہا تھا کہ اب عروش کی بات طے کرنے کا صحیح وقت ہے لیکن عروش میڈم ہے کہ مزید کسی کورس کے سلسلے میں باہر جانا چاہتی ہے۔ مبین مان نہیں رہا اور وہ ابھی تک بضد ہے۔'' سفینہ متفکرانہ انداز میں عفاف کو بتا رہی تھیں۔

''آپ کیوں نہیں مان رہی ہیں؟ عروش کورس کرکے آئے گی تو یہ انسٹی ٹیوٹ کے لیے بھی بہت کارآمد ہوگا اور عروش کو بھی کنفیڈنس ملے گا۔'' عفاف ان کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''بیٹا! جوان جہان لڑکی کو اتنے دور کیسے بھیج دیں؟'' سفینہ نے کہا۔

''دادو پہلے بھی تو گئی تھی ناں، اب کیا مسئلہ ہے؟'

''پہلے مبین تھا وہاں تو فکر نہ تھی، اب مبین کے پاس بھی ٹائم نہیں ہے۔ وہاں کسی سے جان پہچان بھی نہیں ہے پھر رہائش کا انتظام کرنا، باقی معاملات دیکھنا آسان نہیں ہوتا لیکن عروش ہے کہ سمجھتی ہی نہیں ہے، تم سمجھاؤ اسے۔'' سفینہ نے عفاف کی طرف دیکھ کر قدرے رازدارانہ انداز میں اس کی مدد لینی چاہی تو عفاف ہنسنے لگی۔

''دادو! دراصل میری آج کی آمد آپ لوگوں کو سمجھانا ہے کہ عروش کو یوکے جانے کی اجازت دے دیں۔'' عفاف نے ہنستے ہوئے انہیں بتایا۔

''اچھا...... اچھا، تب ہی عروش آج مبین کے آگے پیچھے گھوم رہی تھی اور مجھ سے بھی کھانے پکانے کے لیے بار بار پوچھ رہی تھی۔'' سفینہ نے پرسوچ انداز میں کہا تو عفاف نے اثبات میں سر ہلایا اور شوخ انداز میں ہنسنے لگی۔

''چلو، مبین سے بات کرنا پھر جو بھی اس کا فیصلہ ہوا۔ تم بیٹھو بیٹا! میں کھانا گرم کرتی ہوں تب تک مبین اور عروش بھی آجائیں گے۔'' سفینہ نے کہا تو عفاف نے انہیں دیکھا۔

''دادو! آپ بیٹھیں میں کردیتی ہوں۔'' اگلے لمحے عفاف اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے نہیں نہیں، تم مہمان ہو۔ مہمانوں سے کام کرانا مبین مینشن کی روایت میں شامل نہیں ہے۔'' سفینہ نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

''کچھ روایات وقت کے ساتھ ساتھ بدل جاتی ہیں اور جو روایت بغاوت کے زمرے میں نہ آئے وہ بدل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔'' عفاف کا بھی اپنا ہی ایک نکتہ نظر تھا۔ سفینہ کو واپس چیئر پر بٹھا کر وہ تیار شدہ کھانا مائیکرو ویو میں رکھنے لگی تھی اور سفینہ ہکا بکا اس کو دیکھنے لگی تھیں۔

''یہ تھوڑا سا کام ہے، آپ ریسٹ کرلیں تب تک۔'' عفاف نے مسکرا کر سفینہ کو کہا تھا۔

لالا کے ہمراہ جب عروش ڈائننگ روم میں داخل ہوئی اور عفاف کو کھانا گرم کرتے دیکھا تو پلکیں جھپکا جھپکا کر اسے دیکھا۔ مبین کے قدم ڈائننگ روم میں پڑے اور پہلی نظر ہاتھ میں سالن کا ڈونگا پکڑے عفاف پر پڑی تو ان کے قدم وہیں جم گئے۔ نظریں ہٹانا بھول گئیں جبکہ عفاف خواہ مخواہ ہی نروس ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

''تم پسنجر سیٹ پر جاؤ۔'' اس کی طرف کا دروازہ کھول کر مانی تحکم بھرے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

''کک...... کیوں؟ میں سیکھنا چاہتی ہوں۔

آپ سے ہی سیکھنا چاہتی ہوں۔" دل آویز یک دم ہی بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی تھی۔
"تم باہر نکلو اور دوسری سیٹ پر جاؤ۔" مانی کے لہجے میں سنجیدگی کا عنصر زائل نہ ہوا تھا، اسی انداز میں اس کی بوکھلاہٹ کو نظر انداز کر کے پھر گویا ہوا۔
"للل...... لیکن کیوں؟" دل آویز دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ وہیل کو پکڑے ڈرائیونگ سیٹ پر جمی تھی۔
"جیسے کہا ہے کرو۔" اب کے مانی قدرے رعب سے بولا تو طوعاً کرہاً دل آویز کو اس کی بات ماننی پڑی۔
"سلی گرل۔" مانی ایک طرف ہوا تھا کہ دل آویز باہر نکلے گی لیکن وہ بجائے باہر نکلنے کے ڈرائیونگ سیٹ کے درمیان گیئر باکس پر سے جمپ لگا کر پسنجر سیٹ پر آ بیٹھی تو اس کی اس حرکت پر مانی لب بھینچ کر خود کو مزید کچھ کہنے سے روکنے لگا۔
"میں نے انسٹرکٹر نہیں چینج کرنا ہے، میں کوشش کر رہی ہوں جلدی سیکھ جاؤں۔" مانی کے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی دل آویز انتہائی منت بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی، مانی نے ایک نظر اسے دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
مانی مسلسل خاموش تھا تو دل آویز پھر بولی۔
"مانی ڈرائیونگ اسکول' نام ہی ایسا بارعب ہے کہ صرف میرا نہیں بہت سے لوگوں کا خواب ہے کہ وہ آپ سے ڈرائیونگ سیکھیں۔" دل آویز نے مدھم سا خوشامدانہ انداز اپنایا تو مانی نے انڈی کیٹر آن کر کے گاڑی کو موو کرتے ہوئے سرسری نظر سے اسے دیکھا اور دھیمے سے مسکرایا۔
"صرف خواب دیکھنے سے وہ پورے نہیں ہوتے، ان کو پورا اترنے کے لیے، پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کوشش اور محنت کرنی پڑتی ہے۔ میں نے خواب دیکھا تھا، کوشش کی، محنت کی اور رزلٹ تمہارے سامنے ہے۔" مانی نہایت آرام سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنے مخصوص بارعب مگر سحر انگیز انداز میں بولنے لگا تھا اور حیران کن بات یہ تھی کہ دل آویز کو اس کی کسی بات کا غصہ نہیں آتا تھا۔ اس کی ڈانٹ، اس کے دل پر عجیب انداز سے اثر انداز ہوتی تھی۔ نرم پھوار کی مانند اس کو تر و تازہ کر دیتی تھی، اس کے لہجے میں ایسی چاشنی محسوس ہوتی تھی کہ دل آویز کا رواں رواں مٹھاس سے بھر جاتا تھا۔
"تم خواب تو بڑے بڑے دیکھتی ہو مگر چاہتی ہو کہ وہ بس پورے ہو جائیں، تمہیں کوئی محنت نہ کرنی پڑے۔" مانی کے انداز میں اس کے الفاظ میں دل آویز کی نااہلی پر ایک کڑی ضرب تھی لیکن دل آویز کے احساسات کسی بھی منفی رویہ کو محسوس کرنے سے قاصر تھے۔
"میں اپنی سی کوشش تو کر رہی ہوں ناں۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔
"نہیں تم کوشش نہیں کرتی ہو، تم صرف اور صرف وقت ضائع کرتی ہو اور پیسہ بھی۔" اس کے اطمینان پر مانی روہانسی انداز میں بولا۔
"تو آپ پیسے نہ لیا کریں۔" دل آویز مکمل طور پر غیر سنجیدہ تھی، قدرے شوخ انداز میں بولی۔
"مانی! آئی ایم سوری۔" وہ کچھ نہ بولا تو دل آویز نے اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھ کر کہا تو مانی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"میں ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں، آپ سے ہی۔ ٹو بی ہونسٹ میں کوشش کے باوجود بھی اپنا مائنڈ ڈرائیونگ کی طرف نہیں کر پاتی ہوں لیکن میں سیکھنا چاہتی ہوں۔" دل آویز مسلسل "میں سیکھنا چاہتی ہوں" کی تکرار کر رہی تھی، مانی نے اسے دیکھا۔
"مانی کاش میں آپ کو بتا سکتی، اقرار کر سکتی کہ آپ کی شخصیت کا سحر مجھے حواس باختہ کر دیتا ہے۔ میں کوشش کے باوجود آپ کی اس فسوں خیز شخصیت، اس انداز کو پس پشت کر کے صرف ڈرائیونگ پر توجہ نہیں دے سکتی۔ میں کیسے بتاؤں آپ کو کہ میرے دماغ کو جکڑنے والی چیز کیا ہے؟ کیسے بتاؤں آپ کو کہ مجھے آپ سے محبت ہے، کیسے

بتاؤں آپ کو کہ......"

"تم نے کس سے سنا تھا کہ مانی ڈرائیونگ اسکول بیسٹ ہے؟" وہ نجانے کہاں کہاں بھٹک رہی تھی کہ مانی کی آواز نے اسے چونکایا تھا۔ یک دم ہی اس نے حواسوں کو بحال کیا۔

"کیا مطلب؟" وہ اس لمحے واقعی نہیں سمجھی تھی۔

"مطلب تمہیں کس نے بتایا تھا کہ مانی ڈرائیونگ اسکول کو جوائن کرو؟" مانی سبک رفتاری سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنا سوال دہرا رہا تھا۔

"کک...... کسی نے بھی تو نہیں۔" اس کی بدحواسی نہایت نمایاں تھی۔

"تو پھر کیسے پتا چلا؟" مانی نے متغیر نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ میری ایک فرینڈ ہے ناں، اس نے آپ سے ڈرائیونگ سیکھی تھی۔ اس نے بتایا تھا۔" دل آویز نہایت غائب دماغی سے بولی، مانی نے اسے دیکھا۔ اگلے لمحے مانی کو اس کی دماغی حالت پر ہلکا سا شبہ ہوا۔

"اچھا، کون سی فرینڈ؟ کیا نام تھا؟"

"نام تو مجھے نہیں معلوم۔" اس لمحے دل آویز کو اپنی بے ربط حالت کا شاید اندازہ نہ تھا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو ناں۔" مانی کی نظریں اب روڈ پر تھیں لیکن دھیان مکمل ساتھ بیٹھی اس خبطی لڑکی کی طرف تھا جس کی اس پل کی بے ربط گفتگو اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

"ہاں تھوڑا سا۔" سچائی سے اقرار کیا گیا، مانی نے سر گھما کر اسے دیکھا تھا۔ عام سے حلیے میں ملبوس وہ لڑکی نجانے کیوں بے حد نروس ہو رہی تھی۔

"تمہارا گھر آنے میں دس منٹس باقی ہیں، تم دیکھو میں کیسے ڈرائیونگ کر رہا ہوں۔ ہم آج کے لیسن کا جو ٹائم بچتا ہے وہ اگلے لیسن میں کور کر لیں گے۔ تم مجھے ڈرائیونگ کرتے دیکھو، کل ان پوائنٹس کو فالو کرنا۔" مانی نے کہا تو دل آویز خاموشی سے اثبات میں سر ہلا گئی۔ ڈرائیونگ کے دوران مانی وقتاً فوقتاً کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لو بھئی تمہارا گھر آ گیا۔" مانی نے گاڑی روک کر کہا تو دل آویز نے اسے دیکھا۔

"تم نے دیکھا ناں میں نے کیسے ڈرائیونگ کی؟ ٹریفک لائٹس کو کیسے اپروچ کیا، کیسے اسپیڈ پر دھیان دیا۔ تم بھی کل ایسے ہی کرنا، او کے؟" مانی جانتا تھا کہ وہ مکمل غائب دماغی کے ساتھ اس کے ہمراہ بیٹھی تھی۔

"نہیں تو...... آئی مین...... آئی ایم سوری مانی! میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ میں کل ڈرائیونگ کر سکوں گی یا نہیں۔" وہ نظریں جھکائے آہستگی سے بولی تو مانی نے ایک قہر آلود نظر اس پر ڈالی۔

"تمہارے ساتھ پتا ہے، کیا مسئلہ ہے؟" مانی کے ترش لہجے پر دل آویز نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کک...... کیا؟" دل آویز کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"تم ایک چیز کو وہیں چھوڑ کر دوسری کی طرف لپک پڑتی ہو اور ہمیشہ ایک قدم آگے چلنا چاہتی ہو، ایسا کیوں؟" نظریں ونڈ اسکرین پر جمائے مانی نے اس سے سوال کیا تھا۔

"واٹ ڈو یو مین؟" دل آویز نے انتہائی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"تم "آج" کے بارے میں نہیں "کل" کے بارے میں سوچتی ہو۔ آج کچھ کرنے کا حوصلہ نہیں لیکن کل کو شاندار دیکھنا چاہتی ہو لیکن تم شاید جانتی نہیں کہ اگر تمہارا آج اچھا نہیں ہوگا تو کل کیسے بہترین ہو سکتا ہے۔"

"اگلے لیسن کے لیے اسی ٹائم پک کرنا ہے ناں؟" چند پل وہ اس کے جھکے سر پر سوچ چہرے پر نظریں جمائے اس کے جواب کا منتظر رہا لیکن دل آویز مسلسل گہری سوچوں میں گم تھی تو بالآخر مانی کو کل کے لیسن کا ٹائم مقرر کرنا پڑا۔ اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی پانی پانی ہوتی آنکھوں نے مانی کو شدید حیرت کے ساتھ ساتھ ایک احساس جرم میں بھی مبتلا کر دیا

تھا کہ خواہ مخواہ وہ اس کو ڈانٹنے لگا ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر کسی کی سیکھنے کی صلاحیت الگ ہوتی ہے۔ مانی نے ہر طرح کے اسٹوڈنٹ کے ساتھ ڈیل کیا تھا لیکن نجانے کیوں دل آویز اس کے لیے ایک چیلنج، ایک معمہ کی طرح اس کے سامنے تھی۔

دوسرے پل وہ خاموشی سے پچھلی سیٹ پر رکھے بیگ کو اٹھا کر باہر نکل گئی تو چند لمحوں بعد مانی نے بھی گاڑی آگے بڑھا دی۔ موڑ مڑنے تک شیشے میں جھلملاتا اس کا عکس مانی کو لحہ در لحہ حیرانی کے سمندر میں دھکیلتا گیا۔ اس نے پلٹ کر ایک نظر اس کی موجودگی کی تصدیق کی اور گہرا سانس لے کر موڑ مڑ گیا۔

☆☆☆

''محبت...... محبت...... محبت...... مبین نیازی اور محبت؟ واقعی؟ کیا یہ انکشاف کسی معجزے سے کم ہے؟ ایک ملاقات اور محبت؟ مبین نیازی اپنے ہی قول کے اتنے ہی کچے ہو؟ چند برستی بوندیں، غباروں کا فضا کی بلندیوں کو چھوتا ایک گچھا۔ ایک بھیگا چہرہ اور محبت؟ مبین نیازی کیا تمہاری عمر سٹھیانے والی عمر کی حدود میں داخل ہوگئی ہے؟ مبین نیازی تم کچھ بھی نہیں ہو۔ اپنے آپ کو تیس مار خان سمجھنے والا مبین نیازی چند لمحوں میں مقید ہو کر رہ گیا۔ اپنے قول و فعل سے مکر گیا۔ پہلی نظر، پہلی ملاقات اور چند کلمات کا اسیر ہوگیا؟ دل آویز کے گاڑی سے نکلتے ہی اپنا چین و قرار، اپنے قول، اپنے سارے دعوے اس کے ہمراہ رخصت کر دیے اور خود شکست خوردہ حالت میں مجنوں کا لبادہ اوڑھے صحراؤں کی خاک چھاننے لگا۔

''تم کسی قابل نہیں رہے ہو اب۔ تم...... تم ہی نہیں رہے مبین نیازی! ایک معمولی سی دوشیزہ نے تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑا، تمہیں بدل دیا ہے اس نے۔''

''وہ معمولی نہیں ہے، دل آویز معمولی نہیں ہوسکتی۔ مبین نیازی کے قدم اکھاڑ دینے والی دل آویز قطعاً معمولی نہیں ہوسکتی۔''

''تو مبین نیازی! تم نے اقرار کرلیا کہ تمہارے قدم اکھڑ چکے ہیں۔ محبت میں یک طرفہ فیصلے......؟ مبین نیازی! تمہاری تو مت ہی ماری گئی ہے۔ پہچانو خود کو، اپنی کڑک دار آواز کے اس دوٹوک انداز میں ڈنکے کی چوٹ پر بیان کیے گئے قول کا کچھ تو بھرم رکھو۔ اپنے بلند و بالا دعوؤں کو اتنی جلدی یوں مٹی میں تو نہ رولو۔''

''تم اتنی جلدی ایسے آناً فاناً کسی کی...... کسی کی بھی زلفوں کے جال میں کیسے گرفتار ہوسکتے ہو؟ مبین نیازی تم ایسا نہیں کرسکتے۔ تم...... نہیں...... تم کوئی بھی یک طرفہ فیصلہ کیسے کرسکتے ہو۔ تم محبت میں اس قدر جلد بازی کے قائل تو کبھی بھی نہ تھے۔''

''میں جاؤں گا، اسے ڈھونڈوں گا۔ وہ معمولی نہیں ہے، مبین نیازی کی دھڑکنوں کو منتشر کرنے والی وہ دل آویز ہے، کوئی عام سی، معمولی لڑکی نہیں۔''

''محبت کو ڈھونڈا نہیں جاتا مبین نیازی! تم اپنا ہی ایک اور قول بھول گئے ہو۔ محبت تو قسمت سے ملتی ہے، محبت تو نصیب سے ملتی ہے، محبت کوئی چاکلیٹ کیک نہیں ہے کہ بیس منٹ میں تیار ہوجائے۔ محبت کے پیچھے بھاگنے سے وہ کبھی ہاتھ نہیں آتی اور تم...... مبین نیازی تم...... ایک لڑکی کے پیچھے جاؤ گے؟ محبت کے پیچھے جاؤ گے؟''

''نہیں، میں ڈھونڈوں گا اسے۔ وہ یہاں ہی ہے میرے آس پاس، میرے دل میں، میری دھڑکنوں میں۔ میں کسی قیمت پر بھی اسے کھونا نہیں چاہتا۔''

''تمہاری مرضی ہے، لیکن یاد رکھنا تم محبت کو کھوجنے جارہے ہو۔ وہ چیز تلاشنے نکلنے لگے ہو جو قسمت میں نہ ہو تو لاکھ جتن کے باوجود نصیب نہیں ہوتی، جس کی تلاش میں کبھی کبھی آبلہ پائی کے سوا اور کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا۔''

''میرے ساتھ ایسا نہیں ہوگا۔'' مبین نیازی پچھلے آدھے گھنٹے سے اپنے کمرے کے قد آور آئینے کے سامنے کھڑا اپنے ہی عکس سے مخاطب تھا۔ اس سے پہلے کہ دل و دماغ کی یہ تکرار کوئی سنگین صورت اختیار کرتی، وہ چونک گیا۔ گہرا سانس لیا، ٹائی کی ناٹ سیٹ کی اور ایک دل فریب مسکراہٹ

نے اس کے چہرے کا گھیراؤ کیا۔ اس لمحے اس کی شخصیت کو چار چاند لگا رہی تھی، آنکھوں میں ایک انوکھی چمک اور چہرے کا احاطہ کیے جانے والی یہ تسخیر کرنے والی مسکراہٹ اس پل مبین نیازی کے دلی سرور اور محبت کی شدت کی بھرپور عکاسی کر رہی تھی۔

وہ پلٹا، آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا لیکن دوسرے پل ایک بار پھر آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا، اپنی چمکتی شوخ نگاہیں آئینے میں جگمگاتے اپنے عکس پر جما دیں۔ وہ اس لمحے محبت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جانے کے درپے تھا۔ چہرے کی لالی، ہونٹوں کی مسکراہٹ اور ایک خوب صورت لے پر دھڑکتا دل ان کی بے قراریوں کی مکمل غمازی کر رہا تھا۔

وہ ڈارک بلیو جینز کے ساتھ بلیک کالر شرٹ زیب تن کیے تھا، ساتھ ڈارک براؤن کوٹ پہن رکھا تھا۔ بکھرے بالوں کی حالت کو برقرار رکھنے کے لیے ان پر اسپرے کی گئی تھی۔ ہلکی بڑھی شیو کو مزید سیٹ کیا گیا تھا، موئسچرائزر سے چہرے کو نکھارا گیا تھا۔ لپ بٹر سے ہونٹوں کو چمکایا گیا تھا، مہنگے ترین پرفیوم کا استعمال کیا گیا تھا۔

''مبین نیازی کیا محبت اس حصار میں آنے سے انکار ہو سکتی ہے؟'' اس نے دونوں بازو پھیلا کر گہری ہوتی مسکراہٹ کے ساتھ اس دلکش سراپا کو دیکھا تھا۔

دوسرے لمحے ذرا سا ایک طرف پر ہوتے، دائیں ہاتھ کو جینز کی پاکٹ میں ڈالا اور بائیں ہاتھ کو یوں پھیلایا جیسے کسی کے شانے پر رکھا ہوا۔

''ایک وقت آئے گا جب یہ ہاتھ سچ مچ کسی کے شانے پر ہوگا، محبت ہمراہ ہوگی۔ مائنڈ اٹ۔'' مبین نیازی نے مسکرا کر چیلنج کے ساتھ انداز میں انگشت شہادت سے آئینے میں جھانکتے عکس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا اور اگلے پل وہاں سے پلٹ کر باہر نکل گیا محبت کی تلاش میں، دل آویز کو پانے۔

☆☆

ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ

عمارہ خان

دور کے ڈھول سہانے

''مجھے نہیں جانا واپس۔'' ہچکیوں سے روتی ہوئی باجی کی آواز لاؤنج سے نکل کے پورے گھر میں گونج رہی تھی اسی کو سن کے میرے بڑھتے ہوئے قدم ازخود ہی سست ہو گئے۔

''آپ نے مجھے اتنی دور بھیجا ہی کیوں سوتیلی ہوں کیا۔'' ہچکی لیتے ہوئے مزید کہا۔ ''کراچی میں ہی رہ لینا تھا نا۔''

باجی کی اگلی بات سن کے میں گہری سانس بھر کے رہ گئی اور اپنے دونوں ہاتھوں میں بھرے ہوئے برانڈڈ جوتے پہ ایک نظر ڈالی جو باجی کل ہی خرید کے لائی تھیں۔

''میں اکیلی اتنی دور کیسے رہتی ہوں آپ سوچ بھی نہیں سکتیں امی۔ بالکل اکیلی ہوں وہاں پہ۔''

باجی کی بلند آواز میں لیتی ہوئی ہچکیاں سن کے میرا منہ بن گیا۔ میں بھول گئی تھی اب کل تک یعنی جب تک باجی واپس ائرپورٹ نہیں پہنچ جاتیں یہ رونے کا پروگرام جاری رہے گا۔

ہماری باجی صاحبہ، شادی کے بعد بیاہ کے لندن گئی تھیں، بہت خوش حال گھرانا تھا لیکن بس دور تھا۔ پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی، اولاد ابھی وہ دونوں میاں بیوی چاہتے نہیں تھے باجی کی دوست کا ادھر جم تھا انہوں نے وہ جوائن کر لیا تھا۔ تین سال کی شادی شدہ لائف میں وہ ہر چھ ماہ بعد ایک ماہ کے لیے کراچی یعنی اپنے میکے آتی تھیں اور جانے سے پورے ایک دن پہلے اب ہمارے گھر میں یہ ڈرامہ شروع ہوتا اور ایئرپورٹ جانے تک وقفے وقفے سے نشر ہوتا رہتا۔ رونے کے ساتھ ساتھ اب یہ چیز بھی ان کی رسم بنتی جا رہی تھی۔

''یہ لیں باجی!'' اسی وقت اشارب نے بھی پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ ان کے سامنے کپڑوں سے بھرا ہوا باکس رکھا۔ ''اف کتنے کپڑے بنائی ہیں آپ یار!''

''تم لوگوں کو کیا معلوم میں ادھر کتنی تکلیف میں رہتی ہوں، بس یہ کپڑے جوتے ہی دیکھا کرو تم لوگ تو۔ میری تنہائی نہیں نظر آتی، میری مشکلات بھری زندگی کا کوئی احساس نہیں ہے۔'' باجی نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور میں نے سر دھن لیا۔ اب ان کو روکنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ پچھلے دو تین سالوں سے ان گنت بار کہے ہوئے جملے مجھے ازبر تھے۔

''میں ادھر صبح چار بجے اٹھتی ہوں، آنکھ کھلنے سے پہلے ہی فکر لگی ہوتی ہے باہر برف جمع ہو چکی ہوگی۔''

اپنے دونوں ہاتھوں کو ہوا میں بلند کر کے وہ ہم سب تماشائی جو ان کے چھوٹے بہن بھائی تھے اور امی بھی اس میں شامل تھیں، ان کے سامنے لہرانے لگیں اور میں دل ہی دل میں ان کے کہے ہوئے جملے دہرانے لگی۔

''ان ہاتھوں سے میں نے کبھی شادی سے پہلے



برتن تک نہیں دھوئے کہ اسکن خراب نا ہو جائے اور اب!" ہچکی لیتے ہوئے بولیں۔ "نہار منہ ہی بیلچہ لے کے اشرف مستری کی طرح گیٹ کے سامنے برف ہٹاتی ہوں، پھر شاکر ڈرائیو کی طرح گاڑی کے اوپر، دائیں بائیں کپڑا مارتی ہوں تاکہ برف گر جائے اور تو اور گاڑی کے نیچے گھس گھس کے برف بھی ہٹاتی ہوں اوپر سے علی۔" اور ادھر آ کے یہ صورت حال ذرا نازک ہو جاتی تھی کیونکہ اب امی کی آنکھوں میں بھی آنسو جھل مل کرنے لگے تھے۔

"اسی لیے آپ کو معلوم ہے امی، علی پکے پاکستانی ہیں۔ مجال ہے ان کی سوئی ہوئی غیرت جاگے اور وہ اپنا کام خود کرلیں بلکہ الٹا مجھے ان کی گاڑی کا راستہ بھی بنانا پڑتا ہے ورنہ ان کا موڈ خراب ہو جاتا ہے کہ اتنا سا کام نہیں کرسکتی تم۔"

"ہائے اللہ، کیسا نکلا علی! اس سے یہ امید تو نہیں تھی۔" امی کی بھی ہلکی سی ہچکی شامل ہو چکی تھی

اس دردناک قصے میں۔

ویسے آپس کی بات ہے امی کا علی بھائی کے متعلق کوئی بھی بات سننے کے بعد یہ جملہ ہی ہوتا تھا۔

''ہائے اللہ، کیسا نکلا علی اس سے یہ امید تو نہیں تھی جبکہ امی علی بھائی کی سگی خالہ بھی ہیں اور ہم سب ان کی عادت جانتے ہیں ان کو اگر ایک بار چھینکیں لگ جائیں تو مشکل سے بند ہوتی ہیں اور برف کے چھوٹے چھوٹے ذرات سے ان کو ہمیشہ ہی مسئلہ رہتا ہے۔

امی کی ہمدردی پاتے ہی باجی کے جوش میں اضافہ ہوگیا۔ ''امی بچی، میں روز برف ہٹادوں لیکن وہ شکریہ بولنے کے بجائے پتا ہے کیا بولتے ہیں۔''

باجی نے آنکھیں گھما کے سسپنس پیدا کرنا چاہا، لیکن میں اور اشارب موقع ملتے ہی اپنے اپنے موبائل پہ لگ چکے تھے، یہ دو گھڑی کا وقفہ ہماری کمر کے لیے ایک ٹانک تھا کیونکہ ابھی باجی کی پیکنگ باقی تھی اور ان کے بھاری بھاری بیگ اٹھانا کسی جوئے شیر سے کم نہیں۔ باجی نے ایک قہر انگیز نگاہ ہم دونوں پہ ڈالی، جو ان کی دکھ بھری کہانی سننے کی جگہ موبائل میں لگے ہوئے، لیکن امی کو پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ ہزار بار کی خودساختہ کہانی میں دلچسپی لیتے دیکھ کے انہوں نے اپنا رخ روشن پوری طرح ان کی سمت کرلیا۔

''علی بولتے ہیں تو کیا ہوا، اپنے لیے بھی تو کرتی ہو مجازی خدا کو خوش رکھو اللہ خوش ہوگا۔'' اب کوئی ان سے پوچھے، میاں جی بیوی کو ناخوش رکھنے سے کیا شیطان خوش ہوتا ہے۔

''اب باجی نے اپنی دن بھر کی روٹین بتانی ہے۔'' میرے موبائل میں میسج ٹون بجی، سامنے ہی اشارب کا میسج چمک رہا تھا۔ بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کے لیے مجھے منہ نیچے کرنا پڑا۔

''پھر پانچ بجے اپنے لیے ناشتا بناؤ اور نکل جاؤ کام دھندے پہ، ادھر اتنے لمبے راستے ہوتے ہیں۔'' ہچکی لیتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''پورے دو گھنٹے لگتے ہیں جم تک۔ چھ بجے نکلوں تو آٹھ بجے آئے گا منحوس جم۔ دن بھر موٹی موٹی انگریزوں کو مشینوں کی معلومات دو اور ان کا تھل تھل کرتا جسم دیکھتے رہو۔ سچ بتارہی ہوں امی، یہ انگریز عورتیں اور مرد اسی لیے تو کم مرتے ہیں کم بخت جینا نہیں چھوڑتے، ہر حال میں خوش رہتے ہیں پچاس پچاس ساٹھ سال کے۔ دجم آتے ہیں اپنی گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کے ساتھ۔''

''اللہ اللہ توبہ۔'' امی نے فوراً ہی اپنے کلے پیٹے۔ ''علی سے بولو واپس آجائے اس بے حیا معاشرے کو چھوڑ کے۔''

''اوہ، انہیں چھوڑیں نا۔ وہ جانیں ان کا کام جانیں۔''

باجی علی بھائی کو یہ خوف ناک مشورہ کبھی دے ہی نہیں سکتی تھیں ان کی ملٹی نیشنل آفس میں بہترین جاب تھی، مستقبل بہت روشن تھا اور یہ بات ہم سب بہت اچھی طرح جانتے تھے۔

''اور امی، جب میں پانچ بجے جم سے نکلتی ہوں تو معلوم ہے سات بج جاتے ہیں اکثر گھر آتے آتے۔ علی نے بھی ویرانے میں گھر لے رکھا ہے۔''

''تو اسے بولو نا کسی دوسری جگہ گھر لے لے۔'' امی نے اپنی طرف سے مخلص ہو کے مشورہ دیا، جسے باجی نے سن ان سنی کردیا۔

''باجی پیدل بھی چلی جائیں گی لیکن وہ ایریا نہیں چھوڑ سکتیں، جہاں تین بیڈ روم کا ڈبل منزلہ گھر ملا ہوا ہے، ساتھ سامنے عالی شان گارڈن ہے۔'' میں نے فوراً ہی اشارب کو بتایا جو سر ہلا رہا تھا کیونکہ یہ بات بھی ہم جانتے تھے۔

''ایک اتوار کا دن ہوتا ہے مصیبت سے بھرا ہوا دن۔'' پھر ہچکی لیتے ہوئے بولیں۔ ''ملنا ملانا، گارڈن صاف رکھنا، ورنہ کوئی انگریز خبیث

شکایت کر دیتا ہے سٹی آفس، پورا دن صفائیوں میں نکل جاتا ہے امی۔ گھر صاف کرو، باتھ روم دھو، کپڑے بھی دھو۔ کھانا پکاؤ۔ ہائے امی...... کیوں کی میری شادی، میرا مطلب تھا باہر کیوں کی۔'' باجی فوراً ہی گڑبڑا کے اپنا بیان درست کر گئیں۔

''تم کوئی نوکر کیوں نہیں رکھتیں۔'' امی نے مشورہ دیا۔

''اوہ بتایا تو تھا، ادھر اتنے مہنگے ملازم ہوتے ہیں۔'' باجی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''ویسے ادھر کا موسم ایسا ہے کوئی اتنا خاص گندہ نہیں ہوتا گھر۔'' باجی روانی میں سچائی بتا گئیں لیکن رونا نہیں بھولیں۔

''جاؤ علینہ! بہن کے لیے اچھی سی چائے بنا کے لاؤ۔ دیکھو کیسے نڈھال ہو گئی ہے میری بچی۔'' امی نے بالآخر موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''کباب بھی تل لینا ذرا، رو رو کے بھوک لگ گئی ہے۔''

باجی نے فوراً ہی ٹشو سے نزاکت کے ساتھ بہتے آنسو صاف کیے اور دوسری نشست لگانے کے لیے امی کا ہاتھ تھاما۔ میں نے بھی فوراً ہی لاؤنج کے دروازے سے لگی ہوئی ماسی کو گھوری لگائی تاکہ وہ خود کچن میں چلی جائے مجھے اسے پکارنا نہیں پڑے ورنہ امی ابھی شروع ہو جاتی میری کاہلی کو لے کے، سکینہ کے جاتے ہی میں ایک بار پھر باجی کی' کی گئی شاپنگ دیکھنے لگی، پتا نہیں اس میں کچھ مجھے دے کے جائیں گی یا نہیں۔ ایک لالچی سی سوچ میرے اندر جڑ پکڑنے لگی۔ باجی کی پسند ہمیشہ سے ہی اعلا رہی ہے، جو سیل سے کچھ لینا ویسے ہی پسند نہیں کرتیں، ہر برانڈ کی پہلی کلیکشن ان کی وارڈ روب میں نا ہو ایسا سوچ کے بھی باجی کو اختلاج قلب ہونے لگتا تھا۔ جب سے وہ خود کمانے لگیں تھی ان کی ٹور ہی الگ ہو گئی تھی۔

باجی کا اپنا الگ ہی راگ چل رہا تھا۔ ''نہیں جانا امی مجھے واپس نہیں جانا۔ امی روک لیں مجھے یا بس اسے ساتھ کریں میرے۔''

باجی نے ہاتھ سے پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ۔'' یہ نئی بات باجی نے۔ کی تھی میں نے فوراً ہی چونک کے اشارب کی سمت دیکھا جو مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں بھائی بہن پورے مہینہ باجی کی ہوئی شاپنگ کو گھر بھر کے کونے سے ڈھونڈ ڈھونڈ کے لاؤنج میں ایک جگہ جمع کر رہے تھے، باجی جب آتی تھیں، تیس دن میں سے پچیس دن بازاروں کے چکر، کھلے ہاتھوں سے شاپنگ باہر کھانا پینا، ملنا ملانا۔ کیونکہ ڈالر جیسے جیسے اوپر جا رہا تھا، باہر والے لوگوں کے مزے اتنے ہی بڑھ رہے تھے، ان ہی میں ہماری پیاری باجی بھی شامل ہوتی تھیں، لیکن بس یہ تو جاتے جاتے آخری دن کا یہ رونا دھونا ہوتا تھا اس سے میں اور اشارب چڑنے لگتے تھے۔

''چائے میں چینی کچھ کم ہے۔'' باجی نے چائے کا سپ لیا اور منہ بنا لیا۔ اب تھوڑی دیر تک یہ رونا موقوف ہو چکا تھا جب تک وہ کھا پی نا لیں۔

''باجی ناشکری ہیں بس اور کچھ نہیں۔'' بھاری بیگ کو گھسیٹتے ہوئے اشارب نے مجھے دیکھا میں پہلے ہی چھ سات شاپرز اٹھائی ہوئی تھی۔ اتنا پیسہ ہے اور پھر رونا دیکھو ذرا —— میں نے دل ہی دل میں اشارب کی بات کی تائید کی اور کن انکھیوں سے باجی کو دیکھا، جواب اپنے جدید آئی فون پہ کل کی فلائٹ کے اوقات معلوم کرتی ہوئی کباب چائے سے اپنا غم غلط کر رہی تھیں۔

''اوہ کل صبح دس بجے کی ہے فلائٹ۔'' باجی نے گلوگیر لہجے میں ایک بار پھر امی کی طرف دیکھ کے اپنی آنکھوں میں آنسو بھرے۔ ''ہائے امی۔ میں...... میں جا رہی ہوں...... روک لیں مجھے

پلیز......'' میں نے اور اشارب نے منہ بنا کے انہیں دیکھا اسی وقت اشارب کے ہاتھوں سے باجی کا بھاری بیگ چھٹا اور سیدھا میرے پاؤں پہ جا گرا۔

''ہائے......امی......'' اب باجی کے ساتھ میرا بھی ہائے ویلا شروع ہوا۔

☆☆☆

صبح کاذب ہوتے ہی، امی کی سوں سوں گھر میں پھیل رہی تھی، بیٹی سات سمندر پار جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی، ساتھ روئے بھی جا رہی تھی۔

''اب کب آؤ گی۔'' امی نے باجی کو گلے لگاتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔''اپنا خیال رکھنا اچھا۔''

''کیسے رکھوں اپنا خیال امی! مشہور برانڈ کا سوٹ پہنے، بائیں ہاتھ میں اعلا لیدر ہینڈ بیگ لٹکائے اور سر پہ دبئی ایئر پورٹ سے لیا گیا سن گلاسز ٹکائے باجی، امی کے گلے لگی ہوئی رونا شروع کر چکی تھیں۔

''میں وہاں اتنا کام کرتی ہوں، آفس گھر ملنا ملانا شاپنگ ہر چیز دیکھنی پڑتی ہے اور آپ کی بیٹی کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اے کاش یہ ہوتی میرے ساتھ تو۔'' باجی نے ہچکیوں میں ایک بار پھر رات والی بات دہرائی اور میں خوش ہونے لگی شاید باجی مجھے ساتھ لے جانے کے لیے راستہ ہموار کر رہی ہیں۔

''اچھا اچھا جاتے جاتے تو نہیں رو۔'' امی کا بھی دل خراب ہونے لگا۔''چلو نکلو اب دیر ہو رہی ہے۔''

''امی......'' باجی نے ہچکچاتے ہوئے کچھ بولتے بولتے بات ادھوری چھوڑی اور میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ تصور میں ہی خود کو جہاز کی سیٹ پہ بیٹھے ہوئے بادلوں کا نظارہ کرتے دیکھنے لگی۔

''کوئی بات نہیں برف ہی صاف کرنی ہوگی نا کرلوں گی۔ کراچی کی گرمی سے تو جان چھٹے گی۔

ایک ایک گھنٹے کا سفر تو ادھر بھی نارمل بات ہے۔ کم از کم ادھر سڑکیں تو اچھی ہوں گی۔

کپڑے دھونا بھی مسئلہ نہیں ہے، آٹو میٹک مشین میں کیا معلوم ہوگا، پانی کھلا ہو تو دو چار کپڑے دھونا کوئی مشکل ہے بھلا۔ ہنہ......''

''کھانا بھی پکانا کیسا مصیبت ہے بھلا، ادھر تو گرمی بھی لگتی ہوگی کچن میں کھڑے ہو کے۔'' میں نے سردی کے مزے محسوس کرنے کی کوشش کی۔

گروسری لینے کی تو میں کل سے ہی پریکٹس کرلوں گی، ادھر اتنے مال اور مارٹ کھل چکے ہیں۔ بس اس مہینے سے امی کے ساتھ گھر کی لسٹ بھی بنانا شروع کر دوں گی۔

میں اپنی ہی منصوبہ بندی میں مصروف خود پہ باجی کی حسرت بھری نگاہیں جمی ہوئی دیکھ رہی تھی، لیکن رفتہ رفتہ مجھے محسوس ہوا، وہ میرے پیچھے کہیں نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ ایک دم ہچکی لیتی ہوئی پلٹیں اور تیزی سے میری طرف بڑھنے لگیں۔ میں فوراً ہی الرٹ ہوگئی کہیں ایسا نا ہو جذبات میں آ کے وہ خود بھی گرتیں اور مجھے بھی لے گرتیں تو لنگڑی ہو کے لندن جانے کا کیا مزا آتا۔ لیکن یہ کیا...... باجی تیز رفتاری سے میرے پاس سے گزرتی، پیچھے کھڑی ہوئی سکینہ کے ہاتھ تھامے رکے بغیر بولتی جا رہی تھیں۔

''ہائے...... سکینہ! تم مجھے اتنی یاد آتی ہو قسم سے۔ کاش...... میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاتی۔ کاش......''

ایک طرف باجی مسلسل روتے ہوئے ماسی سکینہ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھیں تو دوسری طرف میں اپنے دکھ کو سینے سے لگائے ان کا پانچواں بیگ کار پورچ میں رکھ رہی تھی۔

☆☆

ناولٹ

نظیر فاطمہ

سوالی



''سنیے! آپ لوگوں کو طیفا یاد ہے۔ آپ لوگ کہیں اسے بھول تو نہیں گئے۔ جی...... جی وہی افسانہ ''قربانی'' والا طیفا' جو دوسروں کی ضرورت پر اپنی ضرورت کو قربان کر دیتا ہے۔ یہ تو میں آپ کی یادداشت کو ذرا 'ری فریش' کر رہی ہوں۔ اس دفعہ طیفے نے ایک ایسا کام کیا ہے کہ بڑے سے بڑا بہادر بھی شاید کر سکے' تو آیے پھر کہانی شروع کرتے ہیں۔

☆☆☆

خورشید لقا عرف شیدی رات کو پکائے جانے والے چاول چھاج میں چھٹ رہی تھی۔ معا اس کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ شیدی نے چاولوں کا چھاج ایک طرف رکھا اور موبائل کی طرف دوڑی۔ موبائل اسکرین پر ابھرنے والا نام چنبیلی دیکھ کر شیدی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بھاگ کر چاولوں کا چھاج اٹھایا اور بڑی بھابھی کے سامنے رکھ دیا

''پابی (بھابھی) میری سہیلی کا فون آ رہا ہے۔ تسی ذرا اے چاول چھٹ دو۔'' وہ ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر موبائل ہاتھ میں پکڑے چھت تک جانے والے پکی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ جی ہاں پکی سیڑھیاں...... اس کے چار بھائی تو اپنی تھوڑی بہت زمین پر گزارا کرتے تھے پر جب سے اس کے پانچویں بھائی سوہنی جٹ کا تعلق معروف سیاسی پارٹی کے غنڈہ گروپ سے جڑا تھا' تب سے ان کے حالات جیسے بدل گئے تھے۔ کچا گھر پکا ہو گیا۔ گھر میں فریج سے لے کر ٹی وی تک سب کچھ آ گیا اور تو اور اس نے اپنے گھر کے ہر بندے کو موبائل کی سہولت سے بھی فیض یاب کیا تھا۔ کیونکہ وہ ہر دو مہینے بعد موبائل بدلتا اور پرانا موبائل گھر کے کسی فرد کو دے دیتا۔ پچھلی دفعہ اس نے موبائل بدلا تو اپنا پہلا موبائل اپنی سب سے نکی بہن خورشید لقاء کو عطا کر دیا

''خبرے' ہر ویلے اس کی کس سہیلی کا فون آ جاتا ہے۔'' پابی نے جل کر چھاج اپنے سامنے کر لیا۔ شیدی چھت پر جا کر ایک کونے میں بیٹھ گئی اور فون آن کر کے بڑے لاڈ سے ''ہالو'' ''ہیلو'' کہا۔

''ہائے سونیو! فون چکنے میں اتنی دیر نہ کیا کرو۔ میرے دل کی تڑکن (دھڑکن) رک جاتی ہے۔'' موبائل میں سے 'چنبیلی' کے بجائے اس 'سہیلے' کی آواز ابھری' جس سے پچھلے دو مہینے سے شیدی کی ٹیلی فونک نہیں' نہیں بلکہ موبائل فونک دوستی تھی۔

''میدے جی' تسی تھوڑا واٹ (ویٹ) بھی کر یا کرو۔ بندہ کتھے مصروف بھی ہو سکتا ہے۔'' شیدی کا شمار گاؤں کی چند مڈل پاس لڑکیوں میں ہوتا تھا۔ سو اپنے ''تعلیم یافتہ'' ہونے کا احساس اس کو ہواؤں میں اڑائے رکھتا۔ اس لیے وہ کئی انگریزی الفاظ کی ٹانگیں بازو توڑ کر انہیں اپنی گفتگو کا حصہ بنا لیتی تھی۔ آخر کو دوسروں پر رعب بھی تو ڈالنا ہوتا تھا۔

''ہائے میں مر گیا خورشید لقا۔'' شیدی کے لہک کر کہے گئے الفاظ دوسری طرف حمید عرف میدے کے دل پر ٹھاہ کر کے لگے اور میدے کے منہ سے خورشید لقا سن کر ادھر شیدی پھڑک گئی۔

''ہائے...... آپ کے منہ سے خورشید لقا سن کر مینوں اتنا اچھا لگتا ہے کہ میں آپ کو دس نہیں سکتی۔'' شیدی کو اپنا نام خورشید لقا بہت پسند تھا۔ ابا کے ایک دور پار کے کزن جو کسی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے' شیدی کی پیدائش کے وقت اپنی زمینیں فروخت کرنے آئے ہوئے تھے اور ان ہی کے گھر میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے خوب صورت اور گلابی گلابی نرم بچی کو دیکھا تو اسے خورشید لقا کا نام دیا۔ شیدی کو بہت شوق تھا کہ اسے اس کے اصلی نام سے پکارا جائے' مگر بھلا۔ گاؤں کے معصوم اور سیدھے سادھے لوگوں کا' خورشید لقا جن کی زبانوں پر چڑھ کر نہ دیا اور وہ ''خورشید لقا'' سے ''شیدی'' ہو گئی۔ حتیٰ کہ اسکول میں استانیاں بھی اسے شیدی ہی کہتیں۔ شیدی اور میدا دونوں موبائل فون کے

ذریعے دو مہینے پہلے محبت کی پینگ پر بیٹھ چکے تھے۔
اب وہ ہر روز دن میں گھنٹہ گھنٹہ بھر باتیں کر کے اس پینگ کو اوپر ہی اوپر چڑھا رہے تھے۔ اب بھی دونوں اپنی محبت کی پینگ کو "باتوں کے دھکوں" سے تیز کرنے میں مصروف ہوگئے۔

☆☆☆

طیفا فیکٹری سے چھٹی ہونے کے بعد سائیکل پر گھر واپس آرہا تھا۔ قصبے کی باہر والی دکان پر رک کر اس نے پانچ روپے کی ٹافیاں لیں اور انہیں اپنی جیب میں ڈال کر دوبارہ سائیکل پر سوار ہوگیا۔ جونہی وہ اپنی گلی کا نکڑ مڑا تو چاچے اللہ دتہ کے دو پوتے اور ایک پوتی جو چھ سے دو سال کے درمیان تھے 'باہر گلی میں کھڑے تھے۔ طیفے کو یہ بچے بڑے پیارے لگتے تھے۔ چاچے اللہ دتے کے خاندان سے ان کی برسوں پرانی ہمسایہ داری تھی۔ چاچے کا خاندان بھی طیفے کے خاندان کی طرح دہاڑی دار مزدور تھا۔ ان کے دونوں بیٹے بھی مختلف فیکٹریوں میں دہاڑی پر کام کرتے تھے۔ چاچا خود ابھی تک چھوٹے موٹے کام کرتا تھا۔ یہ تینوں بچے ان کے بڑے بیٹے کی اولاد تھے۔ طیفا بھی کبھار ان بچوں کے لیے پانچ دس روپے کی چیز لاتا اور ان میں برابر بانٹ دیتا۔ بچوں کے پاس آ کر طیفا سائیکل سے اترا

"آجاؤ بچو! شاباشے' اے لو' میں آج تمہارے لیے یہ ٹافیاں لایا ہوں۔ یہ پکڑو اور گھر کے اندر جا کر کھاؤ۔ ایس ویلے باہر گلی میں کھڑے نہ ہوا کرو۔" طیفے نے تینوں کو ایک ایک ٹافی دے کر نصیحت کی۔ ابھی طیفے کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ بچوں کی ماں گڈو نے داخلی دروازے کا میلا سا پردہ اٹھا کر گلی میں جھانکا

"سلام پا طیفے۔" اس نے دوپٹا سر پر درست کر کے طیفے کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام گڈو بہن! کی حال چال ہے؟"

"اللہ دا شکر ہے پا...... پا طیفے تسی ایسے نہ کیا کرو۔ یہ ندیدے تو کبھی انکار ہی نہیں کرتے۔" گڈو کی نظر بچوں کے چلتے منہ پر پڑی تو وہ بچوں کو گھورتے ہوئے طیفے کی طرف دیکھنے لگی

"کوئی گل نئیں...... ماموں کہتے ہیں مجھے یہ تینوں...... اب اتنا تو ان کا حق بنتا ہے۔" طیفے نے گڈو کی چھوٹی بچی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور سائیکل تھام کر اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

"چلو وے اندر آؤ اب......" گڈو نے بچوں کو گھر کے اندر کر کے دروازے کو کنڈی لگائی۔

☆☆☆

شیدی، میدے کے ساتھ ایک گھنٹہ باتیں کر کے جب نیچے اتری تو اماں کی جوتی اس کے پیٹ پر ٹھاہ کر کے لگی اور اس کے قدموں میں لینڈ کر گئی۔ اماں نے نشانہ تو اس کے سر کا لیا تھا' مگر نشانے بازی کا تجربہ نہ ہونے کی بنا پر ان کا نشانہ خطا گیا تھا۔ شیدی نے جوتی کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا مگر جوں ہی اس کی نظر اماں کے غیظ سے دہکتے چہرے پر پڑی' اس کے چہرے کے زاویے فوراً سیدھے ہوگئے۔

"دشمن کی سرحدوں پر فائرنگ کی طرح اماں کی چھترفائرنگ بھی جب چاہے شروع ہوجاتی ہے۔" شیدی نے دل ہی دل میں کہا۔

"نی کتھے مرجاتی ہو جا کر...... نامینوں یہ دس تیری پچھلے دو تن مہینوں سے تیری یہ کون سی نوی سہیلی پیدا ہوگئی ہے جو تو ہر ویلے فون سے چمٹی رہتی ہے۔" جوتی کا نشانہ خطا ہوجانے پر اماں نے الفاظ کے گولے برسانے شروع کر دیے۔

"اماں تو وی نا حد کرتی ہے' بھلا تن مہینے پہلے پیدا ہونے والی بچی بات کر سکتی ہے۔" شیدی نے اماں کے الفاظ پر ایک نئی منطق اٹھائی تو اماں نے چارپائی سے نیچے جھک کر دوسری جوتی اٹھا کر اس کی طرف پھینکی، ممکن تھا کہ جوتی اس دفعہ ٹھیک نشانے پر لگتی۔ مگر جوتی ابھی اڑتے ہوئے آدھے راستے تک ہی پہنچی تھی کہ شیدی کے ابا کمرے سے نکل کر عین جوتی کے نشانے پر آگئے اور جوتی اپنے نشانے

تک پہنچنے سے پہلے ہی ٹھاہ کر کے ابا کے سینے پر جا لگی۔ ابا کا مارے غصے کے رنگ لال انار ہو گیا

''شاباشے' بے عقلے' ہر ویلے ڈنڈے جتیاں ہی چلاتی رہا کر۔ نہ اپنے پاس عقل ہے' نا آگے اولاد کو دی۔'' ابا کمرے میں بیٹھے شیدی اور اماں کی ساری گفتگو سماعت فرما چکے تھے۔

''کڑیے تو وی ہر ویلے موبیل کے ساتھ نہ چمڑی رہا کر۔ چل جا کے کسی کام کے متھے لگ۔'' اماں کے بعد ابا نے شیدی کو ڈانٹ کر وہاں سے بھگایا اور خود جلتا کلستا گھر سے باہر چلا گیا۔

ویسے بھی وہ آج کل اپنے پتر سوہنی جٹ کی حرکتوں سے کافی پریشان تھے۔ تین پتر چنگے بھلے اپنی زمینوں کو سنبھال رہے تھے۔ چوتھا شہر میں سرکاری نوکری کر رہا تھا۔ بیوی' بچوں سمیت وہیں سرکاری کوارٹر میں رہتا تھا۔ یہ پانچواں پتا نہیں کس پر چلا گیا تھا۔ سوہنی جٹ شروع سے ہی بڑا کینہ پرور اور لڑاکا تھا۔ ہمیشہ وہ اپنے باپ رسول بخش کے لیے پریشانی کا سبب ہی بنا تھا۔ اب جب سے اس کا تعلق ''غنڈہ گروپ'' سے جڑا تھا۔ ان کی راتوں کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ وہ بات بے بات چڑنے لگے تھے

☆☆☆

طیفا سائیکل گھسیٹتا گھر کے دروازے تک پہنچا تو اماں دروازے کا میلا سا پردہ اٹھا کر گلی میں جھانک رہی تھی۔ وہ یقیناً" طیفے کو ٹافیاں بانٹتے دیکھ چکی تھی۔ اسی لیے چہرے پر غصے کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ وہ پردہ چھوڑ کر واپس پلٹ گئی۔ طیفے نے سائیکل دروازے کے اندر کر کے حسب معمول اپنے چھوٹے سے صحن کی مغربی دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی۔

''کر آیا ہے تو سخاوتاں.....'' اماں نے طیفے کو پانی کا گلاس پکڑا کر فوراً جواب طلبی کی۔

''اماں! بس وی کریا کر۔ پانچ دس روپے کی چیز لے کر دے دیتا ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔'' طیفے نے پانی پی کر اماں کو جواب دیا۔

''روز کے پانچ روپے وی لگاؤ تو ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ بنتا ہے' تو کیا کسی نواب دی اولاد ہے جو اتنے پیسے ایویں اڑا دیتا ہے۔'' اماں نے مبالغے کی حد کر دی۔

''رہنے دی دے اماں' میں کون سا ان کو روز چیز لا کر دیتا ہوں۔ ہر ہفتے جب دیہاڑی ملتی ہے تو میں ان کے واسطے پانچ دس روپے کی چیز لے آتا ہوں' تو کیا گھاٹا پڑ جاتا ہے۔ ویسے بھی گڈو مجھے پا کہتی ہے۔ شمو کی طرح وہ بھی میری بہن ہی ہے۔'' طیفے کو اماں کی بات پر تھوڑا غصہ آیا تھا۔

''ہاں.....کل کو سارے محلے کی لڑکیاں تجھے پا کہہ دیں گی اور تو چل پڑیں ان کے بچوں کا ماموں بننے۔ میرا ہی دماق (دماغ) پاگل ہے جو ہر ویلے بولتی رہتی ہوں۔ کرنا تو تم پیو پتر نے اپنی ہی ہوتی ہے۔ اپنی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور دوسروں پر لٹانے کو ہر ویلے تیار۔'' اماں گلاس اٹھا کر چھپر تلے بنے باورچی خانے میں جا بیٹھی۔ وہ مسلسل بڑبڑائے جا رہی تھی۔

''اب ابے کے آنے تک اماں نے ایسے ہی بولے جانا ہے۔'' طیفا اپنا صافہ سر کے نیچے رکھ کر وہیں چارپائی پر لیٹ گیا۔

☆☆☆

سوہنی جٹ 'غنڈہ گروپ' کے ڈیرے سے واپس آ رہا تھا جب راستے میں اس کا ٹکراؤ جیرے موچی کی دھی رجو سے ہو گیا۔ پورے پنڈ کی خوب صورت ترین لڑکی تھی۔ نیک شریف ماں باپ کی شریف اولاد تھی۔ اس پر سوہنی جٹ کا دل آ گیا تھا۔ اب چاہتا تو سیدھا سیدھا رشتہ بھیج کر اس کو اپنا لیتا۔ مگر وہ کیا ہے نا کہ بھلا جٹ اور موچی کا بھی کوئی جوڑ تھا۔ سو وہ اس کے حسن سے بغیر کسی رشتے کے فیض یاب ہونا چاہتا تھا۔ مگر دوسری طرف بھی رجو تھی جو عزت کھونے سے موت کو گلے لگانا آسان سمجھتی تھی۔ سوہنی جٹ کا آتے جاتے راستے میں جب

کبھی اس سے سامنا ہوتا اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا

''او سوہنیو' کدھر جا رہے ہو۔ کدی ساڈے نال وی کوئی بات چیت کر لیا کرو۔'' سوہنی جٹ نے رجو کا راستہ روک کر خباثت سے کہا۔ پر رجو کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔

''کتنی دفعہ کہا کہ اپنی پیڑی شکل لے کر میرے سامنے نہ آیا کر۔ دفع ہو یہاں سے...... ورنہ ابھی سیدھا تیرے ابے کے پاس جاؤں گی۔'' رجو نے کڑے تیوروں سے کہا

''ہاہاہا......شوق سے جا ابے کے پاس' اور ذرا دس مجھے کہ وہ بے چارا میرا کیا بگاڑ لے گا۔''

''تجھے شرم نہیں آتی' تیرے اپنے گھر میں بھی بہن ہے' تو کسی کی دھی بہن کی عزت نہیں کرے گا تو کل کو اسے بھی کوئی بری نظروں سے تاڑے گا۔''

''او جا......نی......کسی کی ہمت ہے میری بہن کی طرف تیڑی نظر سے دیکھنے کی......وہ سوہنی جٹ کی بہن ہے' کسی موچی کی دھی نہیں۔'' سوہنی جٹ غصے سے چلایا۔

''پر میری اک گل یاد رکھ تو' میں بے شک اک موچی کی دھی ہوں۔ میرا ابو لوگوں کی جوتیاں جوڑتا ہے پر مجھے اپنی طرف بد نظروں سے دیکھنے والے کے سر پر جوتیاں توڑنا آتی ہیں۔'' رجو تن فن کرتی ایک طرف سے ہو کر آگے بڑھ گئی۔

''ہائے دیکھتا ہوں تو کب تک سوہنی جٹ سے بچتی ہے ہائے......'' سوہنی جٹ نے کھڑے کھڑے آدھا مڑ کر جاتی رجو کی پشت کو تک کر آہ بھری اور بڑی ترنگ میں آگے قدم بڑھائے مگر ابھی وہ دو قدم ہی چلا تھا کہ اس کا تیسرا قدم گلی کے بیچ و بیچ پڑے گوبر پر جا پڑا اور وہ پھسل کر پشت کے بل زمین پر یوں جا گرا کہ اس کی ٹانگیں اوپر اٹھ گئیں۔ سوہنی جٹ ایک دم کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کسی نے دیکھا تو نہیں مگر اس کے کپڑوں پر لگا گوبر ساری داستان سنا رہا تھا۔ وہ جلدی سے نکڑ مڑ کر اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔

گھر میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا۔ سامنے سے اماں آ رہی تھی۔ اس کے کپڑوں کا حشر دیکھ کر اس کی طرف آئی

''وے۔ سوہنیا اے کی تو کسی مج نال کشتی کر کے آ رہا ہے؟'' اماں نے ناک پر انگلی رکھی۔

''او...... اماں' تجھے وی ہر وقت نوی سوجھتی ہے۔ گر پڑا تھا میں گلی میں۔ اب جا کر مجھے میرے کپڑے دے۔'' سوہنی جٹ اماں کے اندازے پر جھنجلا گیا۔

''نی شیدی' بھرا کے کپڑے لے کر آ......'' اماں نے برآمدے کی طرف منہ کر کے آواز دی۔ شیدی حسب معمول موبائل کان سے لگائے چپکے چپکے باتیں کر رہی تھی۔ اماں کی آواز اسے سنائی ہی نہ دی۔

''اک تے میں اس کڑی کولوں بڑی تنگ ہوں۔ ہر ویلے موبیل ہر ویلے موبیل...... جب سے تو نے اس کو یہ آدھی اٹ جتنا موبیل دیا ہے نا یہ بالکل نکمی ہو گئی ہے۔ کسی کم جو گی نہیں رہی۔'' اماں خود کپڑے نکالنے چلی گئی مگر جاتے جاتے اس کی شکایت لگانا نہ بھولی۔

''مرن جوگیے' بس کر ہون' آدھا گھنٹہ ہو گیا تجھے اس کو کان سے لگائے۔'' شیدی نے اماں کے تیور دیکھ کر ''بعد میں گل کرتے ہیں۔'' کہہ کر موبائل بند کر کے تکیے کے نیچے رکھا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ جہاں سوہنی کپڑوں کے انتظار میں کھڑا تھا۔

''ہاہ پا! تجھے کیا ہوا؟'' اس کا حلیہ دیکھ کر شیدی نے حیرت کا اظہار کیا تو سوہنی جیسے پھٹ پڑا۔

''مسیتے (مسجد) اعلان نہ کرا دوں میں کہ گلی میں گر پڑا تھا۔ چل دفع ہو نلکا چلا کے پانی کی بالٹی بھر۔'' سوہنی نے غصہ دکھایا تو شیدی چپ چاپ خالی بالٹی اٹھا کر ہینڈ پمپ کی طرف بڑھ گئی۔

''اماں! کچھ کھانے کو ہے تو لا دے مجھے' بڑی بھوک لگی ہے۔'' سوہنی غسل کر کے صاف ستھرے

کپڑے پہنے تازہ دم ہوکر برآمدے میں رکھے موڑھے پر بیٹھ گیا۔

''چل نی شیدی' بھرا واسطے تازی روٹی پکا۔ ساگ گرم کر کے وچ زیادہ سارا مکھن ڈال کے لانا۔'' اماں نے دوبارہ شیدی کو آواز دی جو دوبارہ کمرے میں جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔ اس وقت وہ بے بس تھی کہ اس کی بڑی بھابھی اپنے میکے گئی ہوئی تھی اور چھوٹی اپنے بچے کو ٹیکا لگوانے دوسرے گاؤں ڈسپنسری گئی ہوئی تھی۔ اب چارو ناچار اسے یہ کام کرنا پڑا۔ اس کا سارا دھیان تکیے کے نیچے رکھے ہوئے موبائل پر تھا۔ اس نے روٹی کی چنگیر اور مکھن بھرے ساگ کا پیالہ سوہنی کے سامنے رکھا اور پانی لینے کو واپس پلٹی۔ اسی وقت اس کا موبائل بجنے لگا

''یہ دیکھا تو نے سوہنی' ہر ویلے اس کا موبیل بجتا رہتا ہے' تو آج اس سے پوچھ یہ کس سے باتیں کرتی رہتی ہے۔'' اماں نے موقع تاک کر نشانہ لگایا۔ اتنے میں شیدی پانی لے آئی۔

''یہ اماں کیا کہہ رہی ہے شیدی! کس سے باتیں کرتی ہے تو؟'' سوہنی کی ساری توجہ کھانے کی طرف تھی' وہ تو بس اماں کی تسلی کے لیے پوچھ رہا تھا۔

''اویں پا' اماں تو بس پیچھے ہی پڑ جاتی ہے۔ میں نے کس سے باتیں کرنی ہیں۔ تجھے یاد ہے آپاں رحیماں کی نند کی بیٹی کی شادی پر گئے تھے ہم شہر۔ آپاں رحیماں کے دیور کی بیٹی چنبیلی یاد ہے تجھے۔ اس نے اپنا فون نمبر دیا تھا مجھے۔ اب میرے پاس موبیل آ گیا ہے تو میں نے اس کو نمبر دے دیا اپنا۔ تو وہ فون کرتی ہے۔ پر اماں تو شک ہی کرتی رہتی ہے۔'' شیدی نے کافی تفصیل سے جواب دیا۔ چنبیلی کا نام سن کر سوہنی کا نوالہ منہ میں لے جاتا ہاتھ وہیں رک گیا۔ چنبیلی اپنی تمام تر اداؤں کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئی اور وہ کھو سا گیا۔

''ضرور وہ مجھ سے متاثر ہوئی ہے' آخر اپنا سوہنا ہوں میں' وہ مجھ تک پہنچنے کے لیے شیدی سے دوستی کر رہی ہے۔'' سوہنی کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

''تجھے کیا ہوا اب۔ بت کیوں بن گیا' روٹی کھا۔'' اماں نے سوہنی کے بازو پر ہاتھ مار کر اسے حقیقت کی دنیا میں واپس کھینچا۔

''اماں...... اویں شیدی کے پیچھے نہ پڑی رہا کر...... کوئی گل نئیں' وچاری کی سہیلی ہے' کرنے دے باتیں' تجھے کیا۔'' سوہنی نے خلاف توقع شیدی کی حمایت کی۔

''کسے دن کوئی چن چڑھا دے گی تو پتا لگے گا تجھے' ابھی تو بڑی اس کی حمیت (حمایت) کر رہا ہے۔ تو نے سنا نئیں موبیلوں سے کیا کیا ہو جاتا ہے۔'' اماں جو شیدی کو ڈانٹ پڑتے دیکھنا چاہتی تھی' جب سوہنی نے الٹا اس کی حمایت کر دی تو اماں تپ گئی۔

''رہن دے اماں' کسی کو اپنی زندگی پیاری نہیں ہوگی جو وہ سوہنی جٹ کی بہن کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے گا۔'' سوہنی نے بڑے تکبر سے کہا۔

''اگر جو پا کو یہ پتا لگ جائے کہ میں میدے سے باتیں کرتی ہوں۔ وہ تو اسے جان سے مار دے گا اور میرا بھی برا حال کرے گا۔'' شیدی نے جھرجھری سی لی۔

''کیسے پتا چلے گا بھلا...... میں وی نا جھلی ہی ہوں۔ بس کچھ دن اور اس دوستی کو چلاؤں گی' فیر آرام سے نمبر بدل لوں گی۔'' شیدی نے خود کو دلاسا دیا اور اندر کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

سوہنی جٹ آج اپنے ''غنڈہ گروپ'' کے ساتھ لاہور جا رہا تھا۔ اس پورے گروپ کو گاؤں کے غنڈہ گروپ کے سربراہ شیدے ڈفلی کے دوست نے لاہور اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ رات کو ساری تیاری کر کے سویا تھا۔ سویرے سویرے تیار ہو کر وہ شیدے ڈفلی کے ڈیرے پر پہنچ گیا اور وہاں سے سارا گروپ لاہور کے لیے روانہ ہو گیا۔ سوہنی جٹ کو ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی دفعہ لاہور آنے کا

اتفاق ہوا تھا۔ لاہور اور وہاں کے لوگوں کی ترقی دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ شیدے ڈفلی کا شہری دوست ان کو ہوٹل میں کھانا کھلانے لے گیا۔ سب وہاں بیٹھے آرڈر کا انتظار کر رہے تھے۔ سوہنی جٹ کی نظریں وہاں آئی ہوئی لڑکیوں اور خواتین کے جلوے دیکھ دیکھ کر خیرہ ہو رہی تھیں۔

''اوکی دیکھ رہا ہے بجنا۔'' شیدے ڈفلی نے سوہنی جٹ کے حواس بحال کروانے کے لیے اس کے کندھے پر دھپ لگائی۔

''یار دیکھ لور کی کڑیاں کنیاں سوہنیاں تے فیشنی ہیں اور اک ہمارے پنڈ کی وہ موچن رجو ہے دو میل دور سے چمڑے کی بو اس کے آنے کا بتا دیتی ہے پر فیر وی نخرا دیکھو جیسے شزادی ہو۔'' سوہنی جٹ کو نہ جانے لاہور کی لڑکیوں کی خوب صورتی چبھ رہی تھی یا رجو تک رسائی نہ ہو سکنے کا غم ستا رہا تھا۔

''ہاں یار! ویسے لور دیاں کڑیاں سب مس ورلڈ ہی لگتی ہیں۔'' شیدے ڈفلی کے دوست نے کہا تو سوہنی جٹ کی انا پر جیسے چوٹ پڑی اور وہ بلبلا اٹھا۔

''چل یار رہن دے اب...... ایسی وی کوئی گل نہیں ہے اب...... مجھے دیکھو...... میں کم سوہنا ہوں...... میں کسی مقابلے میں حصہ لے لوں تو ''مس ورلڈ'' تو میں بھی آرام سے بن جاؤں گا۔'' سوہنی جٹ نے بغیر سوچے سمجھے شوخی بگھاری۔ اس کی بات سن کر شیدے ڈفلی کے شہری دوست کا چھت پھاڑ قہقہہ لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کر گیا۔ پورا گروپ اپنے شہری میزبان کو پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتے دیکھ کر اس کی دماغی حالت پر شبہ کرنے لگا۔

''نہ اس میں ہنسنے کی بات ہے۔ کیا کمی ہے اپنے سوہنی جٹ میں جو یہ ''مس ورلڈ'' نہیں بن سکتا۔'' شیدے ڈفلی کو اچانک محسوس ہوا کہ اس کے دوست کے قہقہے میں کہیں نا کہیں ان لوگوں کی بے عزتی ہوئی ہے تو وہ فوراً سوہنی جٹ کی حمایت میں آگے آ گیا۔

اس...... میں...... بس...... ایک کمی ہے اور وہ یہ کہ یہ ''مس'' نہیں ہے۔'' شہری میزبان نے اپنے قہقہوں کا گلا گھونٹ کر جواب بھی ابل رہے تھے۔ بات پورے گروپ کے سر پر سے گزر گئی، مگر سوہنی جٹ کے دل میں گڑ گئی۔

''چلو چھڈو یار! آرڈر آ گیا ہے، کھانا شروع کرو۔'' شیدے ڈفلی نے بات ختم کی۔

''میں گھر جا کے شیدی سے پوچھوں گا کہ آخر میں ''مس ورلڈ'' کیوں نہیں بن سکدا۔ اسے ضرور پتا ہوگا، آخر کو وہ مڈل پاس ہے، میں تو چلو تیسری جماعت سے نس گیا تھا، اس لیے مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔'' سوہنی جٹ نے دل ہی دل میں ارادہ کیا اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

طیفا کام پر جا چکا تھا۔ ابے کی طبیعت آج کل ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے وہ گھر میں ہی ہوتا تھا۔ ابھی بھی دوائی لینے گیا ہوا تھا۔ اماں گھر میں اکیلی روزمرہ کے کام نپٹا رہی تھی کہ گڈو ہاتھ میں ایک پیالہ لیے چلی آئی۔

''کی حال ہے خالہ؟''

''چنگا پتر! توں سنا۔ آج میرے گھر کے رستے تے کس طرح آ گئی۔'' اماں نے کھلی ہوئی گیلی مٹی کے ڈبے میں سوتی کپڑا بھگو کر نچوڑا اور اس کپڑے کو کچے چولہے پر پھیرنے لگی۔ چولہے کی سیاہی ختم کرنے کو اماں ہر روز ایسے کرتی، تاکہ چولہا صاف ستھرا رہے۔

''خالہ، تجھے پتا تو ہے چاچی کو میرا گھر سے نکلنا پسند نہیں ہے۔'' گڈو قریب آ کر لکڑی کی چوکی پر بیٹھ گئی۔

''یہ میں کڑھی لائی ہوں طیفے پا کے لیے۔ اونھاں کو پسند ہے نا۔'' گڈو نے کڑھی کا پیالہ آگے بڑھایا۔

''تو اج تیری سس (ساس) کہاں ہے؟'' اماں نے دوسرے ڈبے میں رکھے پانی میں ہاتھ دھوئے اور پیالہ پکڑ لیا۔

''وہ بلو باجی سے ملنے دوسرے پنڈ گئی ہے۔''
گڈو نے اپنی نند کا نام لیا تو اماں سر ہلا کر کڑھی اپنے پیالے میں انڈیلنے لگی۔

☆☆☆

دو دن بعد سوہنی جٹ گھر واپس آیا۔ سب کے لیے لاہور سے تحفے لے کر آیا۔ سب اپنے تحفے خوشی خوشی دیکھ رہے تھے۔
''اماں! یہ شیدی کدھر ہے۔'' سوہنی جٹ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔
''کوٹھے پر جا کے مری ہوئی ہے اور کدھر جانا ہے اس نے' اگ لگے اس موبیل نوں' جس کے ساتھ ہر وقت لگی رہتی ہے۔'' اماں نے حسب عادت شیدی کو کوسا۔
''میں خود دیکھتا ہوں جا کر۔'' سوہنی جٹ اٹھ کر سیڑھیاں چڑھ گیا۔
''نہیں میں بھلا ایسا کر سکتی ہوں۔ آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں۔'' شیدی میدے سے بات کرتے کرتے مڑی اور آخری سیڑھی پر کھڑے سوہنی جٹ کو دیکھ کر ایک لمحے کو ڈر گئی' مگر اس کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ کر تاڑ گئی کہ اس نے کچھ سنا نہیں ہے۔
''ارے کی گلاں کر رہی ہو تسی چنبیلی جی۔''
شیدی نے جھٹ بیان بدلا اور دوسری طرف میدا ''چنبیلی'' کہہ کر پکارے جانے پر شدید بدمزا ہوا۔
''یہ تسی مجھے 'چنبیلی' کیوں کہہ رہے ہو؟'' میدے نے ترنت سوال کیا۔
''ہائے ایسے نہ کہو...... اچھا وہ نا سوہنی پا وی آ گئے ہیں۔ آپ کی گل کراؤں۔'' دوسری طرف سگنل چلا گیا تھا کہ اب مزید بات نہیں ہو سکتی' اس لیے فون کاٹ دیا۔
''ہاہا...... دیکھو نا پاجی...... اتنی دیر سے گلاں کر رہی تھی اب آپ کا نام لیا تو شرما کے فون ہی بند کر دیتا پاگلی نے۔'' شیدی نے کمال ہوشیاری سے سوہنی جٹ کی کمزوری کو اپنی ڈھال بنا لیا۔
''تیرا پا ہے ہی اتنا سوہنا کہ کڑیاں مرتی ہیں اس پر......'' سوہنی جٹ نے مونچھوں کو تاؤ دیا۔ یک دم اسے شہری میزبان کا قہقہہ یاد آیا تو وہ شیدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے سوچ رہا ہو کیسے پوچھے اور شیدی کا حال چور کی داڑھی میں تنکا والا ہو گیا۔
''پاجی کیا دیکھ رہے ہو۔''
''شیدی اک گل دس...... میں کیسا ہوں۔''
''لو میرے پا کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے کسی سے' چن ورگا پیارا ہے تو...... ہور نہیں تو کیا۔'' شیدی بوکھلاہٹ میں زیادہ ہی بول گئی۔
''وہ شیدے ڈفلی کا شہری دوست کہہ رہا تھا کہ میں ''مس ورلڈ'' نہیں بن سکتا کیونکہ مجھ میں ''مس'' کی کمی ہے۔''
''جانے دے پا...... وہ سڑ گیا ہوگا آپ سے...... مس کی کمی ہوگی اس میں۔ آپ تو بنے بنائے ''مس ورلڈ'' ہو۔ اویں حاسدوں کی گلاں دل پر نہیں لینی چاہئیں۔'' شیدی کی ڈل پاس تائید پر سوہنی جٹ خوشی سے کھل اٹھا اور دو دن پہلے جو پھانس اس کے دل میں گڑی تھی پٹاخ کر کے نکل گئی۔
''چل نیچے آ جا تو وی اپنے تحفے لے لے۔''
سوہنی جٹ پلٹ کر سیڑھیاں اتر گیا تو شیدی نے گہری سانس بھری۔
''ماری جانا تھا آج...... وڈی بچت ہو گئی میری۔''

☆☆☆

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ جب سوہنی جٹ کے ابا' اماں دروازے پر ہونے والی تیز دستک سے جاگ گئے تھے۔ ابا دروازہ کھولنے کے لیے اٹھے۔
''گل سنو جی...... سوہنی ہوئے گا...... اس کو کچھ نہ کہنا۔'' ابا غصے سے گھور کر کمرے سے نکل گئے۔
''او سوہنی اے گھر آنے کا کون سا ٹیم ہے؟'' ابا دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آئے۔

''''ابا! کہیں آوارہ نہیں پھر رہا تھا' وہ شیدے ڈفلی کے ڈیرے پر تھا میں......'' سوہنی جٹ نے شیدے ڈفلی کا حوالہ یوں دیا جیسے وہ کسی نیک بزرگ کے درس سے اٹھ کر آرہا ہو۔

''ہور آوارہ پھرنا کسے کہتے ہیں۔'' ابے کو شدید تاؤ آیا۔

''ابا! اس ویلے دماغ نہ کھا...... مینوں نیند آرہی ہے۔'' سوہنی جٹ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور ابا اپنے کمرے میں چلے گئے۔

''سمجھا دے اپنے پتر کو...... اینی اینی دیر گھر سے باہر نہ رہا کرے۔'' ابے نے سوہنی جٹ پر نہ نکلنے والا غصہ اماں پر انڈیلا۔

''کیا' کیا ہے اس نے...... اچھا ہے بندے کا چار رعب والے لوگوں سے تعلق ہونا چاہیے۔ تو نے دیکھا نہیں جب سے سوہنی شیدے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا' پنڈ میں کتنا رعب ہو گیا ہے اس کا۔'' اماں نے بیٹے کا دفاع کیا۔

''رہن دے کوئلے دی دلالی وچ منہ وی کالا ہو جاندا اے۔ ایسے غنڈے بدمعاشاں دی دوستی تو توبہ ہی چنگی۔'' ابے کو شیدے ڈفلی کا رہن سہن کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔

''اینی وڈی سیاسی پالٹی کے ساتھ تعلق ہے شیدے کا...... سوہنی کا وی اس کے ساتھ تعلق ہو جائے گا تو فیدہ ہی ہوگا۔'' اماں کی اپنی ہی دلیلیں تھیں۔

''کوئی فیدہ نہیں ہوتا کسی عام بندے کو ان سیاسی پالٹیوں سے...... یہ سب دوسرے کو اپنے مطبل (مطلب) کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ مطبل ختم تو تعلق بھی ختم۔ اگر ان کے فیدے پر گل آجائے تو وہ اپنے سگے پتر کو پہچاننے سے انکاری ہو جاتے ہیں تو اس طرح کے عام کاموں (کارکنوں) کی بھلا ان کے نزدیک کیا حیثیت ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ان کے بھروسے پر سوہنی بھی کوئی غلط کام نہ کر لویں۔'' ابا اپنی چارپائی پر لیٹ گئے۔

''خیری صلاحی...... کچھ نہیں ہوتا۔ سو جاؤ چپ کر کے۔'' اماں نے بھی کروٹ بدل لی۔

☆☆☆

ڈھلتے سورج کی سرخی نے کھیتوں میں کھڑی چاول کی فصل کو عجیب سا سرخی مائل سنہری کر دیا تھا۔ ایسا سنہری کہ دیکھنے والا کھو سا جائے۔ سوہنی جٹ سڑک سے پگڈنڈی پر آیا اور پھر اپنے پنڈ میں داخل ہو گیا۔ ابھی وہ بڑی گلی کے اختتام پر ہی تھا کہ سامنے ماسی گجری کے گھر سے رجو نکلی۔ سوہنی جٹ کی باچھیں کھل گئیں۔ رجو اپنے دھیان میں آگے بڑھ گئی۔ پیچھے آتے سوہنی جٹ کی اس کو خبر ہی نہ ہو سکی۔ اپنے اور رجو کے درمیان گز دو گز کا فاصلہ سوہنی جٹ نے تیز قدموں سے طے کیا اور ایک دم اس کے سامنے آکر دونوں بازو پھیلا کر اس کے آگے بڑھنے کا راستہ مسدود کر دیا۔ رجو اپنے دھیان میں تھی' اس طرح اس کے سامنے آجانے پر ایک دم ڈر سی گئی۔ اس کا سہما انداز دیکھ کر سوہنی جٹ خباثت سے مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ نے رجو کے خوف کو پل میں جلا کر راکھ کر دیا

''تو فیر آگیا...... کیا تکلیف ہے تجھے۔'' وہ اپنے سابقہ انداز میں دھاری۔ سوہنی جٹ نے گلی خالی دیکھ کر اس کی بانہہ پکڑ لی۔

''چھڈ میری بانہہ خبیث انسان۔'' رجو نے پورا زور لگایا' مگر بانہہ نہ چھڑا سکی۔ یک دم کسی نے پیچھے سے آکر سوہنی جٹ کے کندھے پر غصے سے دھپ لگائی۔ سوہنی رجو کی بانہہ چھوڑ کر غصے میں پیچھے مڑا اور اپنے ابے کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''او بے غیرت انسان' تجھے شرم نہ آئی۔ رجو کا راستہ روکتے ہوئے۔'' ابے کا بس چلتا تو سوہنی کا سر جوتیاں مار مار کر گنجا کر دیتا۔

''ابا تو چپ کر کے گھر جا۔'' سوہنی جٹ کو ابے کی مداخلت ایک آنکھ نہ بھائی۔

''کیوں گھر چلا جاواں...... تاکہ تجھے نیہ بے غیرتیاں کرنے کی کھلی چھٹی مل جائے۔'' ابا رجو کے

سامنے یوں کھڑا ہوگیا کہ وہ اس کے پیچھے چھپ سی گئی۔
''چل دفع ہو گھر جا...... میں رجو کو اس کے گھر چھوڑ کر فیر تجھے پوچھتا ہوں۔'' پھر وہ رجو کی طرف مڑا۔
''ابے کو بھی ابھی آنا تھا...... رنگ میں بھنگ ڈالنے۔'' سوہنی جٹ غصے سے تلملاتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ کچھ بھی تھا ابے کا کچھ تھوڑا بہت رعب ان بھائیوں پر ابھی تک تھا۔
رجو کو چھوڑ کر ابا گھر آئے تو غصے کی بھٹی میں جل رہے تھے۔ سوہنی جٹ آرام سے اماں کے پاس بیٹھ کر جلیبیاں کھا رہا تھا۔ ابا سیدھا ادھر آئے اور سوہنی جٹ کو بے بھاؤ کی سنائیں۔ اماں منہ کھولے اپنے شوہر کا وہ جلال دیکھتی رہ گئی جو سال میں کبھی ایک دوبار ہی ظاہر ہوتا تھا۔
''اللہ جانے یہ سوہنی کیا کر آیا ہے جو اس کا ابا اتنے غصے میں ہے۔'' اماں دل ہی دل میں ہول گئی۔ ابے کی ساری ڈانٹ ڈپٹ سن کر بھی اماں کو اصل معاملہ سمجھ نہ آیا تو ابے کو ٹوک دیا۔
''کیا ہوگیا جی...... کچھ دسو...... ایویں غصہ کری جارہے ہو۔''
''میں کیا دساں...... ایہہ اپنے لاڈلے پت سے پوچھ جو گاؤں کی عزتوں سے کھیلنے لگا ہے۔''
''ہائے وے سوہنی' کیا ہوگیا' جلدی دس مینوں...... نئی تے میں نوں ٹیک ہاٹ (ہارٹ اٹیک) آجانا ہے۔'' اماں نے سوہنی کے بازو کو ہلایا۔
''کچھ نہیں اماں! وہ رستے میں رجو مل گئی تو ذرا دل لگی کر رہا تھا۔'' سوہنی جٹ پر ابا کی ڈانٹ کا ذرا برابر اثر نہیں ہوا تھا۔ اس نے بڑے فخر سے اماں کو اپنا کارنامہ بتایا تو اماں نے اپنا سر پیٹ لیا۔
''تسی وی نا چھوٹی جئی گل دا اینا رولا (شور) مچا دیندے ہو...... میں نے سوچا اللہ جانے کیا انہونی ہوگئی...... بھئی سوہنی جوان جہان ہے۔ جوان منڈے ایسی دل لگیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس میں اتنا غصہ کرنے والی کیا بات ہے۔'' اماں نے ابے کے غصے کو بے بنیاد قرار دے دیا۔
''کچھ خدا کا خوف کھا...... پتر دی ماں نہ بن...... انسان بن تے سوچ یہ کتنی نیچ حرکت ہے۔'' ابے نے اماں کو غصے سے گھورا۔
''چلو چھڈو وی ہون۔'' اماں نے ابے کی بات پوری ہی نہ ہونے دی۔
''رب تو ڈرو...... ساڈے آگے وی دھی ہے...... اک گل یاد رکھ لینا میری جو دوسروں کی ماں بہن کی عزت کرتے ہیں نا ان کی اپنی ماؤں' بہنوں کی عزت بھی محفوظ رہتی ہے۔ دوسروں کی عزتوں کو پیروں میں رولنے والوں کی اپنی عزتیں بی رل جاتی ہیں۔'' ابے کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔
''بس کردے ابا' تیری مہربانی...... میں بڑی دیر سے برداشت کر رہا ہوں اور یہ تو میری بہن کو کیا دوسروں سے ملا رہا ہے۔ شیدی سوہنی جٹ کی بہن ہے' سوہنی جٹ کی' کسی للو پنجو کی نہیں...... کوئی اس کی طرف میلی نظر سے دیکھے تو سہی...... میں اسے اپنی جتی کے نیچے یوں نہ مسل دوں تو میرا نام سوہنی جٹ نہیں۔'' سوہنی جٹ نے سینہ ٹھونک کر پیر میں پہنی ہوئی جوتی کو یوں زمین پر زور سے رگڑا جیسے اس کے نیچے کسی کو واقعی مسل رہا ہو۔ بڑا ہی متکبرانہ لہجہ اور انداز تھا سوہنی جٹ کا...... اور تکبر انسان کے لیے تو بنا ہی نہیں ہے۔ یہ تو بس اسی ایک ذات کے لیے جو اکیلا ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور جو زمین کے متکبروں کو منہ کے بل گرا کر انہیں ان کی اوقات یاد دلاتا ہے۔

☆☆☆

صبح طیفا فیکٹری جانے کے لیے سائیکل گھر سے باہر نکالنے لگا تو باہر والے دروازے کے پاس جا کر اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا' مگر اماں کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ اماں نے آج اپنی بیٹی سے ملنے اس کے گاؤں جانا تھا جو ان کے قصبے

سے تقریباً گھنٹے بھر کی مسافت پر تھا۔ رات کو اماں نے طیفے سے کہا تھا کہ وہ صبح اسے سائیکل پر اڈے تک لے جائے۔

''اماں جلدی کر لے ہون...... تجھے پتا وی ہے کہ مجھے فیکٹری ٹیم پر پہنچنا ہے۔'' طیفے نے آواز لگائی تو اماں چادر اوڑھ کر کمرے سے باہر آئی۔

''بس پتر آ گئی۔'' اماں آگے بڑھتے بڑھتے ایک دم واپس مڑی۔

'طیفے کے ابا' بکریوں کو کچھ کھانے کو ڈال دینا اور شام کو ان کا دودھ وی نکال لینا۔ مجھے آتے آتے دیر لگ جانی اے۔'' طیفے نے سائیکل گلی میں نکال لی۔ اماں بھی اس کے پیچھے نکل گئی۔

دونوں کو گلی کے نکڑ تک پیدل جانا تھا' کیونکہ گلی قدرے تنگ تھی اور اماں کو گلی میں سائیکل پر بیٹھنے سے ڈر لگتا تھا۔ سو کہیں جانا ہوتا تو وہ گلی کے نکڑ پر جا کر سائیکل پر بیٹھتی اور کہیں سے آنا ہوتا تو بھی گلی کے نکڑ پر ہی اتر جاتی۔ ابھی دونوں گلی کے درمیان میں ہی پہنچے تھے کہ سامنے سے گڈو آتی دکھائی دی جو نکڑ والی دکان سے رس لے کر گھر جا رہی تھی۔ طیفا اور اماں اس کے پاس پہنچے تو طیفے نے سائیکل روک لی۔

''کی حال اے گڈو بہن!''

''چنگا پا' تسی سناؤ۔'' گڈو نے اماں اور طیفے کو اکٹھے مخاطب کیا۔ اماں تو چپ ہی رہی۔

''رب دا کرم اے۔''

''ماسی کدھرے جا رہے ہو؟'' اماں جی بھر کر بدمزا ہوئی۔

''ہاں شمو کے گھر جا رہی ہوں۔'' اماں نے اکتائی ہوئی آواز میں کہا۔ طیفے نے اماں کے تیور دیکھے تو گڈو کو رب راکھا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ اماں بھی پیچھے تھیں۔

''نا...... ہون تجھے دیر نئیں ہو رہی تھی جو گلاں کرنے کھڑا ہو گیا تھا۔ میری واری تو پنج منٹ انتظار نہ کیا تو نے۔'' اماں نے چلتے چلتے شکوہ کیا۔ طیفا اماں کی بات پر بس مسکرا کر رہ گیا۔

☆☆☆

شیدی نے سارے گھر کی صفائی کی۔ اب اسے میدے سے بات کرنے کی جلدی تھی جو کتنی دیر سے کالوں پر کالیں کر رہا تھا۔ مگر شیدی کام مکمل کر کے اطمینان سے اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ ابھی شیدی جھاڑو رکھ کر پلٹی ہی تھی کہ اماں نے اسے آواز دی۔ اماں اور بھابھی اپنے سامنے ڈھیروں ساگ رکھے اسے کاٹنے میں مصروف تھیں۔

''نی شیدی چل ایتھے آ کے ساڈے نال ساگ کٹوا۔ اس اگ لگنے موبیل نوں لے کے اتے نہ چلی جاویں۔'' شیدی اماں کے حکم پر جی بھر کر بدمزا ہوئی۔ اماں کو انکار اس لیے نہ کیا کہ دو دن پہلے اماں نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ اگر اس نے موبیل کی وجہ سے گھر کے کسی کم کو ناں کہی تو وہ اس کے موبیل کو ایٹ (اینٹ) مار کے توڑ دے گی۔ اب موبیل سے محروم ہونے سے بہتر تھا کہ اماں کا کہا مان لیا جائے' کیونکہ اماں اک واری جو دھمکی دے دیتی تھی ضرورت پڑنے پر اس پر عمل بھی کر لیتی تھی۔

''اماں! تو ی نا کبھی مینوں آرام سے نہ بیٹھنے دیا کر۔'' شیدی بڑبڑ کرتی ساگ چننے بیٹھ گئی۔ اماں درانتی سے جلدی جلدی ساگ کاٹ رہی تھی' جبکہ بھابھی اور شدی ساگ چن چن کر ماں کو دیتی جا رہی تھیں۔ شیدی کا سارا دھیان میدے کو کال کرنے کی طرف تھا۔ اس لیے جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی۔

''لے اماں! اب تھوڑا سا ساگ رہ گیا تو اور پابی بنا لو۔ وہ دیکھو نا چھوٹی پابھی وچاری کب سے کلی کپڑے دھو رہی ہے۔ میں جا کے نا دھلے ہوئے کپڑے پچھلے ویہڑے میں ڈال آتی ہوں۔'' شیدی نے چھوٹی بھابھی کے لیے ہمدردی دکھائی تو نہ صرف چھوٹی بھابھی کام کرنا بھول گئی' بلکہ اماں اور بڑی بھابھی نے شیدی کو یوں دیکھا جیسے اس کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ شیدی کے سامنے کوئی خاص طور پر اس کی بھابھیاں تڑپ تڑپ کر مر بھی رہی ہوں تو وہ اٹھ کر ان کے منہ میں پانی کا قطرہ نہ ٹپکائے اور کہاں

اب وہ اپنی بھابھی کی ہمدردی کر رہی تھی۔
''نی تیری طبیعت ٹھیک اے۔'' اماں نے ساگ کاٹتے کاٹتے رک کر اسے دیکھا۔ شیدی منہ بنا کر اٹھ گئی۔ پہلے وہ اندر کمرے میں گئی۔ موبائل کو دوپٹے کے پلو میں باندھا اور باہر نکل کر دھلے ہوئے کپڑوں کی بالٹی اٹھا کر پچھلے ویہڑے کی طرف چلی گئی۔
پچھلے ویہڑے میں آ کر شیدی نے بالٹی زور سے پٹخی اور خود وہاں پڑی چارپائی پر بیٹھ کر میدے کو مس کال دی۔ فوراً ہی میدے کی کال آ گئی۔
''میں نے کہا خورشید لقا جی...... اب یہ دوریاں ہور برداشت نہیں ہوتیں...... تسی کچھ کرو...... کدھرے ملنے دا پروگرام بناؤ۔'' میدے نے چھوٹتے ہی کہا۔
''ناجی! میدے جی' آپ کو کتنی دفعہ کہا ہے کہ ملیا نہیں جاسکدا...... ضد نہ کریا کرتسی۔'' شیدی نے موبائل کان سے لگائے لگائے اپنا دوپٹا یوں درست کیا جیسے میدا اس کے سامنے بیٹھا ہو
''چلو اپنی کوئی پچر (تصویر) ہی بھیج دو تسی۔'' میدے نے ایک اور کوشش کی۔
''تسی میرے ویر سوہنی جٹ کو نہیں جانتے...... ان کو پتا چل گیا نا تو میرے سے پہلے تساں دی کم بختی آ جانی ہے۔ اس لیے بس آواز تے گزارا کرو جی۔'' میدا مایوس ہی ہو گیا۔
''تسی میرے تے اعتبار نہیں کردے۔'' میدا مان سے بولا
''کرتی ہوں پر فیروی مل نہیں سکتی۔'' شیدی نے صاف انکار کر دیا۔ ویسے بھی آج کل گھر میں شیدی کے رشتے کی گل چل رہی تھی۔ شیدی بس انتظار میں تھی کہ ادھر اس کا رشتہ پکا' ادھر وہ فوراً میدے سے رابطہ ختم کرے۔
☆☆☆
اماں کو گھر واپس آتے تقریباً رات ہی ہو گئی تھی۔ وہ مغرب کی اذانوں کے بعد گھر پہنچی تھی۔ طیفا اور اکا ابا چولہے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اماں نے ہاتھ میں پکڑی پوٹلی اور سر پر لی ہوئی چادر اتار کر صحن میں رکھی چارپائی پر رکھی اور ان کے پاس آ گئی۔
''اماں' تو بیٹھ میں پانی لے کے آتا ہوں۔'' طیفے نے چوکی آگے کی اور خود پانی لینے اٹھ گیا۔
''لے اماں' پانی پی ...... ہم تا روٹی کھانے لگے سی۔ اچھا ہوا تو آ گئی۔ ابے نے دال پکائی ہوئی تھی۔ روٹیاں میں تندور سے لے آیا تھا۔'' طیفے نے دال کٹوریوں میں نکالی اور ایک کٹوری ابا کی طرف بڑھائی اور دوسری اماں کی طرف۔
''اماں تو ہون آرام کر۔ آج پانڈے وی میں دھولوں گا۔'' طیفے نے برتن سمیٹ کر کہا تو اماں اٹھ کر اندر چلی گئی۔ طیفا برتن دھو کر اندر آیا تو اماں چارپائی پر وہ پوٹلی کھولے بیٹھی تھی جو اس کی بہن نے واپسی پر اماں کے ساتھ کی تھی۔ اماں اس میں سے میوے والا گڑ نکال کر مٹی کے پیالے میں رکھ رہی تھی۔ ابا چارپائی پر بیٹھ گیا اور طیفا اپنی عادت کے مطابق کمرے کے کچے فرش پر۔
''یہ لو تھوڑا تم لوگ چکھ لو۔ باقی میں سنبھال کے رکھ لوں۔ کسی وقت سالن نہ ہوئے تے چلو گڑ نال روٹی کھائی جائے گی۔'' اماں نے طیفے اور اس کے ابے کی طرف گڑ کی ایک ایک ڈلی بڑھائی۔
''اماں! وہ مجھے اک ڈھیلی ہور دے دو۔'' طیفے نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ اماں نے اسے گھوری ڈالی۔
''کیوں؟''
''وہ بہن گڈو کے بچوں کو دے آؤں گا۔ بچے خوش ہو جائیں گے وچارے۔'' طیفے نے سر کھجا کر بات مکمل کی۔
''لے پھڑ' تو نے کون سی میری جان چھڈ دینی ہے۔ ویسے وی وہ اس دن کڑھی دے گئی تھی' تو میں نے برتن خالی واپس کیتا سی۔'' اماں نے ایک کی بجائے دو ڈلیاں اس کی طرف بڑھا دیں۔ طیفا خوش ہو گیا۔ وہ گڑ کی ڈلیاں اٹھا کر کھڑا ہوا تو اماں نے

اسے ٹوک دیا۔
"طیفے تجھے کتنی واری کہا ہے کہ زمین پر نہ بیٹھا کر...... دیکھ کپڑوں پر کتنی مٹی چڑی ہوئی ہے تیرے۔ تجھے مت نہیں آسکتی۔ تیرے کپڑے دھوتے وقت میرے ہتھ دکھ جاتے ہیں۔" اماں نے اس کے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا' جہاں کئی جگہ مٹی کے ہلکے ہلکے نشان تھے۔
"یہ جو کچی مٹی زمین ہے نا اماں...... یہ انسان کو نا اس کی اوقات نہیں بھلنے (بھولنے) دیتی ہے...... یہ نا ہر ویلے یاد کراتی رہتی ہے کہ بندا کچھ وی کرلے' کچھ وی بن جائے...... آخر اس کو اس مٹی وچ ہی ملنا ہے۔" طیفے مسکرایا تو اماں کی جان جل گئی۔
"تیری گلاں وی وکریاں ہوتی ہین...... چل جا ہون...... دے آ گڑ گڈو کے گھر۔" اماں دوبارہ گڑ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

"فیر تسی کیا سوچا ہے' یار رحمت نے اپنے پتر واسطے ہماری شیدی کے لیے سوال پایا تھا۔ ایک مہینہ ہوگیا ہے اس گل کو۔ آج سویرے ماسی برکتے آئی تھی جواب لینے۔" اماں نے رات کو ابے کے سامنے حقہ تازہ کر کے رکھا۔ ابا کسی گہری سوچ میں تھے۔
"ہوں...... لوگ تو چنگے ہیں...... تو نے اپنے پتروں سے بات کرلی تھی۔ وہ کیا کہتے ہیں۔" ابے نے حقے کا کش لگا کر پوچھا۔
"آہو...... وہ کہتے ہیں جیسے ابے کی مرضی۔"
"میرا خیال ہے فیر بسم اللہ کرے۔ کوئی تاریخ رکھ لیتے ہیں منگنی کی۔" ابے نے بات مکمل کی۔ اتنے میں سوہنی جٹ گھر میں داخل ہوا۔ ابے نے اسے آواز دی۔
"گل سن منڈیا۔" سوہنی جٹ آکر سامنے بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گیا۔
"نسلوں سے ہم اس پنڈ میں رہ رہے ہیں۔ آج تک کسی کو موقع نہیں دیا ہم نے کوئی ہمارے گھر میں علامہ (شکایت) لے کر آئے۔ پر اک نلیق (نالائق) تے آوارہ کتھوں پیدا ہوگیا ساڈے خاندان وچ۔" ابے نے اس کی کلاس لی۔ اماں منہ کھولے اس بات کا پس منظر سمجھنے کی کوشش کرنے لگی اور سوہنی جٹ منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔
"پر ہویا کی ہے جی؟" اماں نے پوچھا۔
"آج مجھے رجو کے باپ نے راستے میں روک کر اس سوہنی کی شکیت کی ہے کہ یہ اس کی بچی کو تنگ کرتا ہے۔" ابے کو بڑا ہی ملال تھا۔
"جانے دے ابا...... وہ وچارا اور کروی کیا سکتا ہے۔" سوہنی جٹ نے جیرے موچی کی بے بسی کا جیسے مزا لیا تھا۔
"پر میں نے اک فیصلہ کرلیا ہے۔ شیدی کی منگنی والے دن میں نے تیری منگنی وی رجو کے ساتھ کردینی ہے۔" ابے نے سوہنی اور اماں کے سر پر بم پھوڑا۔
"کیوں ابا...... کہاں ہم جٹ...... کہاں وہ موچی...... میرے لیے وہی رہ گئی ہے۔ میں تو کسی جٹی سے ویاہ کروں گا جٹی سے۔" سوہنی جٹ نے پھول کر کہا۔ ابا کے ہونٹوں پر بڑی طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔
"اچھا تو فیر یہ 'جٹ' آتے جاتے اس 'موچن' کی راہ کیوں روکتا ہے۔" ابے کا لہجہ کڑا تھا
"وہ تو بس اوویں دل لگی کر رہا تھا ذرا۔"
"تیری دل لگی کی ایسی کی تیسی۔ خبردار جواب دوبارہ اس بچی کو تنگ کیا تو ورنہ یاد رکھیں میں وی تیرا باپ ہوں۔ تیرا نکاح نہ رجو نال کرایا تو میرا نام بدل دیویں۔" ابے کا بس نہیں چل رہا تھا کہ چھتر پکڑ کے سوہنی جٹ کی کھال ادھیڑ دے جو اپنے کیے پر ذرا برابر شرمندہ نہیں تھا۔
"نہ جی تسی ایک گل دسو...... تسی سوہنی کے باپ ہو یا اس بھیڑی رجو کے۔" اماں کو ابے کا یہ انداز برداشت نہ ہوا۔

''بدقسمتی نال اس کا باپ ہوں۔ پر پنڈ کی ہر کڑی میری دھی جیسی ہے۔ اس لیے میرے تو کسی رعایت دی امید نہ رکھنا۔'' ابے نے صاف صاف لفظوں میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔ سوہنی جٹ نے ابے کا ارادہ دیکھ کر دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ آئندہ وہ رجو کو کچھ نہیں کہے گا' مگر بظاہر وہ خاموش ہی تھا۔ اماں اور سوہنی دونوں ایک دوسرے کو دیکھ نظروں ہی نظروں میں ابے کی طرف اشارہ کرنے لگے۔

☆☆☆

شیدی کی منگنی ہوگئی۔ منگنی والا پورا دن اس نے موبائل آف کر کے صندوق میں رکھ دیا تھا۔ دوسرے دن وہ اپنی منگنی میں آیا ہوا سامان گاؤں کی کڑیوں کو دکھا رہی تھی۔ سارا دن اسی کام میں گزر گیا۔ شیدی کو موبائل آن کرنے کا وقت ہی نہ ملا اور دوسری طرف میدے کی جیسے دنیا اندھیر ہوگئی۔ وہ کالیں ملا ملا کر انگلیوں میں درد کروا بیٹھا' مگر بند نمبر بند ہی رہا۔ آج تیسرے دن جب سب کچھ اپنے معمول پر آیا تو فارغ ہو کر شیدی نے جیسے ہی موبائل آن کیا۔ میدے کی کال آنے لگی۔ شیدی نے آج اس کے ساتھ دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا اور موبائل اٹھا کر پچھلے ویہڑے میں چلی گئی اور موبائل کان سے لگایا۔ ابھی اس نے ہیلو بھی نہیں کیا تھا کہ دوسرے طرف میدا شروع ہوگیا

''خورشید لقا جی...... مجھ سے کیا غلطی ہوگئی' تو تسی میرا فون ہی نہیں سنتے ہو۔'' شیدی نے ناک پھلا اور آنکھیں چڑھا کر اس کی بات سنی۔ اب اسے کیا ضرورت تھی دو' دو ٹکے کے لڑکوں کے منہ لگنے کی۔ اب تو خیر سے وہ خود ایک عدد منگیتر والی تھی۔ اب وہ اپنے منگیتر سے بات کرے گی کہ اس نمانے سے...... ویسے بھی اس کی نند اپنے بھائی کی فرمائش پر گھر والوں سے چوری چھپے اس کا نمبر لے گئی تھی۔

''تسی بولتے کیوں نہیں جی۔'' میدے کی جان جیسے لبوں پر آئی۔

''دیکھو جی...... میرے پا کو پتا چل گیا ہے کہ ہم دونوں آپس میں گل کرتے ہیں۔ اس لیے اتنے دن تک میرا موبائل بند تھا۔ اج بڑی مشکل سے موبائل چوری کیا ہے' تاکہ تجھے اطلاع دے دوں کہ آئندہ ادھر فون نہ کرنا...... نئیں تے میرے ساتھ تو جو ہونی ہے زندہ تم نے بھی نہیں رہنا۔'' شیدی نے دوٹوک بات کر کے میدے کو ڈرایا۔

''میں تو جی آپ کے لیے جان بھی قربان کرسکتا ہوں۔'' میدا کرلایا۔

''او...... مجھے نہیں چاہیے تیری جان...... بس تو میری جان چھوڑ۔'' شیدی خفا ہوئی۔

''دو دن تیرے ساتھ دل لگی کیا کرلی تو چڑ ہی گیا ہے۔ بس آئندہ مجھے فون نہ کرنا۔'' ادھر سے میدے نے نہ جانے کیا کہا کہ شیدی ساری احتیاط بالائے طاق رکھ کر چیخ اٹھی۔ فون بند کر کے شیدی جوں ہی مڑی اس کی روح فنا ہوگئی۔ چارپائی پر پاؤں لٹکائے سوہنی اسے سرخ سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ وہ جو تھوڑی دیر پہلے سونے کی نیت سے ادھر آیا تھا۔ شیدی کی ساری بات سن اور سمجھ چکا تھا۔ شیدی نے واپس جانا چاہا تو سوہنی نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل چھینا اور پھر اس کے بال پکڑ لیے۔

''اے بے غیرت کدھر جا رہی ہے تو...... یہ کون یار تھا تیرا؟'' شیدی نے اپنے بال چھڑانے کی کوشش کی' مگر نا کام رہی۔

''جلدی بول۔'' سوہنی نے بالوں کو ایک جھٹکا دیا تو شیدی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''نئیں پاوہ کوئی رانگ نمبر تھا۔ اس لیے ڈانٹ رہی تھی۔'' شیدی نے جھوٹ سے بات بنانا چاہی۔

''تو مجھے الو کا پٹھا سمجھتی ہے۔ جلدی بتائیں تو ابھی جا کے اماں' ابا کو بتاتا ہوں تیرے کرتوت۔'' شیدی لرز گئی' اگر بات پھیل جاتی تو اس کی نئی نویلی منگنی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ سو اس نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ سوہنی جٹ سانپ کی طرح بل کھاتا رہا۔ ساری معلومات لینے کے بعد اس نے جھٹکے سے شیدی کے بال چھوڑے تو وہ گھٹنوں کے بل جا

گری۔

"مرادھر...... تجھے تو بعد میں دیکھوں گا...... تونے تو ویسے بھی یہاں سے دفع ہو جانا ہے۔ اصل مزا تو میں اس کو چکھاؤں گا جس نے سوہنی جٹ کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کیتی ہے۔" سوہنی جٹ ایک شعلہ بار نظر اس پر ڈال کر مڑا تو شیدی اس کا انداز دیکھ کر تیر کی طرح اڑتی ہوئی اس کے سامنے کھڑی ہو کر اس کا راستہ روک گئی۔

"اللہ کا واسطہ ہے پا...... گل کو زیادہ نہ بڑھاؤ...... میں اور میدا صرف گلاں کرتے تھے...... کدی ملے نہیں نہ کدی کوئی اور غلط کام کیا ہے۔ معاف کر دو پاجی۔" شیدی نے ہاتھ جوڑ دیے۔ اس کے نزدیک کسی غیر مرد سے باتیں کرنا کوئی گناہ نہیں تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ایک رانگ کال سے شروع ہونے والی یہ 'دل لگی' ایسی سنگین صورت حال اختیار کرلے گی۔

"چل دفع ہو پرے...... اس کو تو میں ایسا سبق پڑھاواں گا کہ اس کی ست نسلیں یاد رکھیں گی۔" سوہنی نے اسے پرے دھکیل کر آگے بڑھا تو شیدی اس کے پیروں سے لپٹ گئی

"پا ...... کوئی ایسا کم نہ کرنا کہ فیر پچھتانا پڑے۔ معاف کر دو اس کو بھی......" شیدی اس کے پیروں سے لپٹی گڑگڑا رہی تھی۔ وہ سوہنی کی انتقام لینے والی فطرت کو جانتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں میدے کو جان ہی سے نہ مار دے۔

"کوئی بڑی ہمدردی ہو رہی ہے تجھے اس کمینے بدذات سے...... بدلہ تو میں اس سے لے کر رہوں گا۔" سوہنی جٹ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا اور شیدی گھٹنوں کے بل گری روتی رہی۔

☆☆☆

سوہنی جٹ سیدھا شیدے ڈفلی کے ڈیرے پر آیا، مگر وہ پارٹی کے کسی ہنگامی جلسے میں شرکت کے لیے شہر گیا ہوا تھا۔ ڈیرے پر فی الحال کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ درختوں کے نیچے بچھی چارپائی پر بیٹھ گیا اور پھر اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

"کیا کروں میں اس کا...... جان سے مار دو تو کام ختم...... پر نہیں...... مجھے ایسا زخم لگانا ہے جسے وہ ساری حیاتی چٹ چٹ کے روتا رہے اور وہ زخم کدی نہ بھرے۔" سوہنی جٹ ٹہل ٹہل کر سوچتا رہا اور پھر جیسے اس کے دماغ میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا اور وہ یک دم گرنے کے سے انداز میں چارپائی پر بیٹھا اور مسکرانے لگا۔

"اے گل ہوئی نا۔ اب اس کو پتا لگے کہ سوہنی جٹ کی عزت پر ہتھ ڈالنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟" اس وقت وہ یہ بات بھول گیا کہ اس نے زبردستی اس کی 'عزت' پر ہتھ نہیں ڈالا' بلکہ اس کی 'عزت' بھی اپنی پوری رضامندی سے اس کے ساتھ شامل تھی۔

"اوئے فیرے! ساتھ والے پنڈ میں میدے نام کا ایک منڈا رہتا ہے۔ اس کے بارے میں ساری معلومات لے کر آ...... کون ہے۔ کیا کرتا ہے۔ کتنے بہن بھائی ہیں۔" سوہنی جٹ نے اگلے دن فیرے کے ہتھ پر پانچ سو کا نوٹ رکھ کر دوڑایا۔

"میدے کی پنڈ میں پرچون کی دکان ہے۔ ابا مر چکا ہے۔ بڈھی ماں ہے۔ تین بھائی ہیں۔ بہن اک ہی ہے جو قصبے میں ویاہی ہوئی ہے۔" شام کو فیرا پوری معلومات کے ساتھ حاضر تھا۔

"ہوں...... اس کی بہن کس قصبے میں رہتی ہے؟" سوہنی جٹ نے مونچھوں کو تاؤ دے کر پوچھا۔

"شہر کے پاس والے وڈے قصبے فتح پور میں۔"

"چل ٹھیک ہے، تو جا۔" سوہنی جٹ نے فیرے کو جانے کا اشارہ کیا اور خود گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

ایک ہفتہ ہو گیا تھا سوہنی کو شیدی سے موبائل لیے ہوئے اور شیدی جیسے گم صم سی ہو گئی تھی۔ موبائل جانے کے غم میں نہیں' بلکہ اسے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ کہیں سوہنی میدے کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

سارا دن چپ چاپ بیٹھی رہتی۔
"مجھے تو لگتا ہے کہ شیدی کو منگنی والے دن کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ ہر ویلے ڈری سہمی سی بیٹھی رہتی ہے۔" اماں نے سب کی توجہ شیدی کی حالت کی طرف دلائی۔ بھابھیاں دبی دبی ہنسی ہنستی رہیں۔ ابا البتہ پریشان ہو گیا۔
"آہوں...... میں آج اس کو مولبی (مولوی) صاب سے دم کروانے لے جاؤں گا۔" ابے نے حقہ گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ رات کو موقع پا کر شیدی سوہنی جٹ کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔
"پا! اک واری معاف کر دو۔"
"چل دفع ہو جا اپنی اے پیڑی (بری) شکل لے کر میرے سامنے نہ آیا کر...... دور رہا کر میری نظروں سے...... کہیں میں تجھے اوپر نہ پہنچا دوں۔"
سوہنی جٹ کا بس چلتا تو وہ شیدی کا گلا ہی گھونٹ دیتا۔ مگر کیا کیا جاتا کہ اس کی اکوں اک بہن تھی۔ بہن بھی وہ جس سے وہ بہت پیار کرتا تھا۔ اس لیے چاہتے ہوئے بھی اسے کوئی سزا دینا مشکل تھا۔ اس لیے سوہنی نے اس کے حصے کی سزا بھی میدے کو دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ شیدی سسکتی رہی تو وہ جاتے جاتے پلٹا۔
"چل کیا یاد کرے گی، معاف کیا تجھے بھی اور اس بے غیرت میدے کو بھی......" سوہنی کی بات سن کر شیدی کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو ہو گئیں۔
"سچی پا۔" چند لمحوں بعد اس کے لبوں سے نکلا۔
"آہو...... میدے کو کچھ نہیں کہوں گا۔ پر سزا اسے ضرور دوں گا۔ ایسی سزا جو ساری حیاتی یاد رکھے گا۔" سوہنی خباثت سے مسکرایا۔ شیدی نے الجھ کر اسے دیکھا اور اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

سرِ شام عجیب لال آندھی سی چڑھی تھی جو دیکھتے ہی دیکھتے زور پکڑ گئی۔ زوردار ہوا درختوں کو اپنے رخ پر یوں کھینچ رہی تھی جیسے جڑ سے اکھاڑ کر ساتھ لے جائے گی۔ کئی پرندوں کے آشیانے بکھر گئے۔ گڈو نے اپنے بچوں کو گھر کے اندر کیا اور دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔ گھر میں وہ اس کے بچے اور سسر ہی تھے۔ اس کی ساس اس کے شوہر کے ساتھ شہر گئی ہوئی تھی اور باقی ابھی کام سے واپس نہیں آئے تھے۔ گڈو نے بچوں کو اپنے سسر کے پاس بٹھایا جو برآمدے میں بچھی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور خود چھپر تلے بنے باورچی خانے میں آ گئی۔
ہوا کا ایک زوردار جھکڑ آیا اور مٹی زمین سے اٹھ کر آسمانوں کو چڑھنے لگی۔ گڈو نے تیار ہانڈی کپڑے سے پکڑ کر چولہے سے اتاری اور اندر کمرے میں رکھ آئی۔ وہیں رکھی رہتی تو رات تک کھانے کے قابل نہ رہتی۔ گڈو بھی برآمدے میں بچھی دوسری چارپائی پر بیٹھ گئی۔ بچے اس کے پاس آ گئے تو اس نے انہیں اپنے دائیں بائیں بٹھا لیا۔
"ابا! رب خیر کرے بڑی زور کی ہنیری (آندھی) ہے۔" گڈو کا دل عجیب بے سکونی کا شکار ہو کر ہچکولے کھا رہا تھا۔
"رب بادشاہ خیر کرے سب دی۔" اس کے سسر نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ زوروں سے چلتی آندھی یک دم آہستہ ہوئی اور پھر چند منٹ بعد یوں رک گئی جیسے کسی نے ہوا کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کا دم گھونٹ دیا ہو۔ ہر طرف سکوت سا چھا گیا۔ اتنے میں ان کا دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا گیا جیسے آنے والا دروازہ توڑ کر اندر آنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ گڈو نے دہل کر بچوں کو اپنے ساتھ چپکا لیا۔
"او...... کون اے...... پائیا۔" گڈو کا سسر اٹھ کر دروازے تک گیا۔
"دروازہ کھولو۔" کرخت سی ناشناسا آواز آئی تو گڈو کے سسر نے دروازے کی زنجیر گرا دی۔ آنے والے دو نقاب پوش تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ انہوں نے گڈو کے سسر کو دھکا دے کر پرے گرایا اور خود اندر گھس گئے۔
"کون ہوتسی؟" گڈو نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔ وہ دونوں اب برآمدے میں پہنچ گئے تھے۔

''گڈو پتر' تو بچوں کو لے کر اندر جا۔'' گڈو کا سسر زمین سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور وہیں سے گڈو کو خبردار کیا۔ مگر وہ دونوں اس طرح گڈو کے سر پر کھڑے تھے کہ اب بھاگنا تو کیا اٹھ کر کھڑے ہونا بھی مشکل تھا۔

''اوو...... تے تو گڈو اے......'' ایک نقاب پوش نے گڈو کو اوپر سے نیچے تک دیکھ کر جس انداز میں کہا' گڈو کی روح تک کپکپا اٹھی۔

''ک...... ک...... کون ہو تسی؟'' گڈو کے پیلے پڑتے چہرے پر خوف کے سائے لہرانے لگے۔

''ابھی دس دیں گے کہ ہم کون ہیں...... چل اٹھ۔'' ایک نقاب پوش نے گڈو کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کردیا۔ گڈو کے بچے سہم کر رونے لگے۔ گڈو کا بوڑھا سسر بھاگ کر آگے آیا۔

''اوئے چھڈ دے اس کو۔'' دوسرے نقاب پوش نے اسے دھکا دے کر پرے کیا اور پہلا نقاب پوش گڈو کو گھسیٹتے ہوئے صحن میں لے گیا۔ گڈو خود کو چھڑانے کے لیے اپنا پورا زور لگارہی تھی۔ اسی کھینچا تانی میں ایک نقاب پوش کا نقاب اتر گیا۔ سامنے سوہنی جٹ کھڑا تھا' مگر گڈو تو اسے جانتی تک نہیں تھی' پہچانتی کیسے۔ وہ گڈو کو گھسیٹتے ہوئے گھر سے باہر لے جارہا تھا۔ جب گڈو کی ساری مزاحمتیں بے کار ہونے لگیں تو اس نے حلق کے بل چلانا شروع کردیا۔ بچے الگ چیخ رہے تھے۔ اس کا سسر اٹھ کر ان کے پیچھے لپکا' مگر تب تک سوہنی جٹ گڈو کو گھر کی چوکھٹ سے باہر لے جاچکا تھا۔ گڈو کی چادر گھر کے صحن میں گری۔ ایک چپل برآمدے میں' دوسری صحن میں اتر گئی۔ وہ ننگے سر' ننگے پیر سوہنی جٹ کے ساتھ گھسٹتی چلی جارہی تھی۔ ان کی چیخیں سن کر اہل محلہ باہر بھاگے۔ مگر باہر کی صورت حال ان کے سان و گمان میں بھی نہیں تھی۔ آج تک ان کے محلے میں کسی کے ہاں معمولی چوری تک نہیں ہوئی تھی اور کہاں اب یوں دو ڈاکو ان کے محلے میں گھس آئے تھے۔ بات تو خوف زدہ ہونے والی ہی تھی۔ سب کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے گم ہوگئی۔ اتنے میں سوہنی جٹ گڈو کو گھسیٹ کر گلی کے نکڑ تک لے گیا تھا تو جیسے ان لوگوں کو ہوش آیا۔

''اوئے...... روکو ان کو...... یہ کیا کررہے ہیں؟'' دو تین مردوں نے آگے بڑھ کر گڈو کو بچانے کی کوشش کی تو سوہنی جٹ نے دو تین ہوائی فائر کردیے۔ فائر کی آواز سن کر جو جہاں تھا' وہیں جم گیا۔ اپنی جان بھلا کسے پیاری نہیں ہوتی۔ گڈو کی ایک آستین پھٹ کر اس کا بازو عریاں کررہی تھی۔

''رب کا خوف کرو...... چھڈ دو مینوں۔'' گڈو نے آخری کوشش کی' مگر سوہنی نے اسے زمین پر پھینک دیا۔

☆☆☆

طیفا فیکٹری سے واپس آرہا تھا۔ اپنی گلی کے نکڑ پر رش دیکھ کر تھوڑا پیچھے ہی سائیکل سے اتر گیا۔

''رب خیر کرے۔ ایتھے کیا ہوگیا؟'' وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ اتنے میں ان کا ایک محلے دار بھاگتا ہوا اس کے پاس سے گزرا۔

''کی گل ہے پا سرور؟'' وہ شخص بھاگتے ایک لمحے کو رکا۔

''دو ڈاکو گڈو بہن کو گھسیٹ کر لے جارہے ہیں اور فیرنگ (فائرنگ) بھی کیتی ہے ڈاکوؤں نے۔'' وہ شخص اتنا ہی کہہ کر دوبارہ بھاگ گیا۔ طیفے نے اپنی سائیکل وہیں پھینکی اور ہجوم کی طرف دوڑا۔

''اب تیرے بھرا میدے کو پتا چلے گا کہ دوسروں کی عزتوں سے کس طرح کھیلتے ہیں۔ (وہ یہ بات بار بار بھول جاتا تھا کہ اس کھیل میں اس کی 'عزت' بھی برابر کی شریک تھی۔) میدے کو میں ایسا زخم دوں گا آج کہ ساری حیاتی وہ اس کو چاٹتا رہے گا۔ اس نے سوہنی جٹ کی عزت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت کیسے کیتی۔ آج میں تجھے چوراہے وچ سب کے سامنے بے عزت کراں گا اور دیکھوں گا کہ تجھے کون بچاتا ہے۔'' سوہنی جٹ نے فرعونی لہجہ اختیار کیا۔ سوہنی جٹ اپنے تئیں ایک کمزور' بے بس اور بے قصور عورت پر چیخ چلا کر اور اسے اذیت دے کر اپنی مردانگی کی تسکین کررہا تھا۔ طیفا

ہانپتا کانپتا وہاں پہنچا۔

''اوئے...... چھڈو گڈو بہن کو...... لعنتیوں اے کیا کر رہے ہو تسی۔'' طیفا ان کی طرف بڑھا۔ سارے مجمع میں ہلچل مچ گئی۔

''نہ طیفے...... ہٹ جا...... ان کے پاس اسلحہ ہے۔'' ایک دو لوگوں نے طیفے کا بازو پکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کی' مگر طیفا اپنا بازو چھڑا کر سوہنی جٹ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''او چاچی...... طیفا باہر ڈاکوؤں سے لڑ پڑا ہے۔'' کسی نے طیفے کے گھر اطلاع دی۔ اماں جو دوائی کھا کر سو رہی تھی۔ ایک دم اٹھی۔

''او...... ہائے...... او...... ربا۔'' وہ دوپٹا سر پر باندھے ننگے پیر باہر بھاگی۔ طیفے کا ابا بھی پچھلے کمرے سے نکل کر بھاگا آیا۔

''اوئے تو کون ہے؟'' سوہنی جٹ نے طیفے کا گریبان پکڑ کر اسے دو تین جھٹکے دیے۔

''بھرا ہوں میں اس کا۔'' طیفے کا غصے سے اپنا گریبان چھڑایا۔ سوہنی جٹ نے طیفے اور اس کے حلیے کو دیکھ کر زور سے قہقہہ لگایا۔

''اوئے تو نے اپنی اوقات دیکھی ہے۔ اک گولی کی مار ہے تو ساری۔'' سوہنی جٹ کے لہجے میں حقارت تھی۔

''تسی ایس نو چھڈو۔ جو گل ہے آرام نال بیٹھ کے کرلو۔'' طیفا پھر بولا تو سوہنی نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا اور پھر اسے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ سوہنی کا ساتھی ابھی تک گڈو پر پستول تانے کھڑا تھا جو بیچ چوراہے میں گھٹنوں کے بل گری ہوئی تھی۔ اتنی بے عزتی پر اسے جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔

''او طیفے...... او طیفا...... او پتر......'' اس کے اماں' ابا اسے آوازیں دیتے وہاں پہنچے۔ طیفے کو مار کھاتے دیکھ کر دونوں سوہنی جٹ کے آگے ہاتھ جوڑنے لگے۔ سوہنی نے طیفے کو زوردار دھکا دیا تو وہ الٹ کر پاس پڑے مٹی کے ڈھیر پر منہ کے بل یوں گرا کہ اس کی ہتھیلیاں مٹی پر چھپ گئیں۔ اس کے ناک اور منہ سے نکلنے والے خون کے قطرے خاک پر گر کر موتیوں جیسی شکل اختیار کر رہے تھے۔ طیفا بے بس ہو گیا تھا۔ مگر اس نے ایک عورت کی عزت بچانے کی کوشش کی تھی اور اللہ کو اس کی یہ کوشش پسند آئی تھی۔ طیفے نے بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا' یوں جیسے اوپر والے سے مدد کی درخواست کر رہا ہو۔ سارے مجمع میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی' مگر آگے بڑھنے کی جرأت کسی میں نہیں تھی۔ طیفا آنکھوں میں آنسو لیے ابھی تک آسمان کو تک رہا تھا۔

''اٹھ اور اسی مٹی کو اپنا ہتھیار بنا۔'' اچانک جیسے طیفے کے کان میں کسی نے سرگوشی سی کی۔ طیفے نے مٹی پر پھیلے اپنے ہاتھوں کو غور سے دیکھا اور پھر اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بند کرلیں تو دونوں مٹھیوں میں مٹی قید ہو گئی۔ اس نے مٹی کو زور سے ہتھیلیوں میں دبایا اور گردن موڑ کر سوہنی جٹ اور اس کے ساتھی کو دیکھا جو دوبارہ گڈو کو گھسیٹ رہے تھے۔ سوہنی جٹ کو اطمینان تھا کہ طیفے کا حشر دیکھ کر اب کوئی ان کو روکنے نہیں آئے گا۔ طیفا ایک دم اٹھا اور تیر کی طرح ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دونوں نے ایک دم طیفے کو دیکھا' مگر طیفے نے ان کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور مٹھیوں میں بھری خاک ان کی آنکھوں میں جھونک دی۔ دونوں ایک دم سب چھوڑ چھاڑ کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چیخنے لگے اور طیفے کو گالیاں دینے لگے' مگر وہ بے بس ہو چکے تھے۔ ان کی پستولیں بھی نیچے گر گئیں۔ بس اتنی مہلت کافی تھی۔ مجمع میں سے چند لوگ آگے بڑھے اور ان دونوں کو پکڑ کر مارنے لگے۔ ایک آدمی نے ان کی پستولیں اٹھا کر اپنے صافے میں باندھیں اور اطمینان سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ کچھ عورتیں آگے بڑھیں اور گڈو کے سر پر چادر ڈال کر اسے وہاں سے اٹھا کر لے گئیں۔ لوگ سوہنی جٹ اور اس کے ساتھی کی درگت بنانے لگے۔

''کوئی جا کے وڈے ملک ہوراں کو اطلاع دو۔''

طیفا ابھی بولا ہی تھا کہ سامنے سے وڈے ملک دو چار اور لوگوں کے ساتھ آتے دکھائی دیے۔ یہاں کی صورت حال دیکھ کر وڈے ملک کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ انہیں کسی نے طیفے کے جھگڑے کی خبر دی تھی۔ تو وہ اس لیے بھاگے چلے آئے کہ آج تک طیفے کی کسی سے لڑائی نہیں ہوئی تو اب ایسا کیا ہو گیا کہ وہ کسی سے لڑ رہا ہے۔ ساری کہانی معلوم ہونے پر وڈے ملک کا غصہ سوا نیزے پر آن پہنچا۔

''او...... ہٹو...... اوئے منڈیو...... چھڈو...... ان کو...... قانون کو اپنے ہتھ میں نہیں لینا چاہیے۔ میں تھانے فون کرتا ہوں۔'' وڈے ملک کی پکار پر سب پیچھے ہٹ گئے۔

''تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ میرے محلے کی بچی کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی۔'' انہوں نے خود سوہنی اور اس کے ساتھی کو ایک ایک زوردار ٹھوکر رسید کی۔

''جاؤ رسی لا کر ان کو باندھ دو۔'' وڈے ملک نے حکم سنایا۔

''تسی سب جانتے نہیں کہ میں کس کا آدمی ہوں۔ میں تم سب کو جیل میں ٹھکواؤں گا۔'' سوہنی جٹ چیخا۔

''او چپ کر بے غیرتا...... تو تے وڈا مرد ہے نا جو ایک مرد کے کیے کی سزا اک بے بس عورت کو دینے آیا ہے۔ شرم سے ڈب کر مر جا۔ کب تک اسی عورت تے ظلم کر کے اپنی مردانگی منواتے رہو گے۔ کب تک مردوں کی لڑائیوں میں ہم ماں بہن کی گالیاں دے کر خود کو بادر (بہادر) ثابت کرتے رہو گے۔ کب تک اسی بھراواں دے قصوراں دی سزا بہنوں کو دیتے رہو گے۔ کب تک اپنی جانیں بچان واسطے اس اپنی عورتاں کو سولی پر چڑھاتے رہا گے۔ لکھ دی لعنت ہے ایسی مردانگی اور زندگی تے جس واسطے کسی مظلوم عورت کو قربان کیتا جائے۔ آخ تھو۔'' طیفے نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور کھا جانے والی نظروں سے دونوں کو گھورنے لگا۔

☆☆☆

پولیس آئی۔ موقع کا معائنہ کیا۔ لوگوں کے بیان ریکارڈ کیے اور سوہنی جٹ اور اس کے ساتھی کو گاڑی میں ڈال کر تھانے لے گئی۔ وڈے ملک بھی طیفے کو لے کر اپنی گاڑی میں پیچھے گئے۔

''ایک واری میری گل کرادو تسی فون تے...... تسی مینوں جانتے نہیں میں رفاقت بٹ کا بندا ہوں۔'' سوہنی نے اپنے علاقے کے ایم این اے کا نام لیا۔ تھانے دار اس کا نام سن کر زیر لب مسکرایا اور پھر اس کے دل میں نہ جانے کیا سمائی کہ سوہنی جٹ سے نمبر پوچھنے لگا۔ سوہنی جٹ کے پاس کون سا ایم این اے کا نمبر تھا۔ اسے شیدے ڈفلی کا نمبر یاد تھا۔ وہی بتا دیا۔ وہ تو ایم این اے سے کبھی ملا تک نہیں تھا۔ بس شیدے ڈفلی کے یار بن کے ہی اکڑتا رہتا تھا۔ تھانے دار نے نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا۔

''جی...... دو بندے پکڑے ہیں ہم نے موقع سے...... ایک عورت کو اس کے گھر سے اغوا کر کے لے جا رہے تھے...... کم از کم چالیس گواہ ہیں جنہوں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور وہ سب کے سب گواہی دینے کو تیار ہیں۔ بڑا پکا کیس بنے گا ان پر...... اب تو گورنمنٹ نے ویسے بھی عورتوں کے لیے قانون پاس کر دیا ہے۔ پر وہ دونوں خود کو آپ کا بندا بتا رہے ہیں۔'' تھانے دار نے نہ جانے ادھر اطلاع دی تھی یا دھمکی۔

''او جی ساڈا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب کوئی وی ہمارا نام لے گا تو تسی اسے رفاقت بٹ کا بندا سمجھو گے۔ ہماری طرف سے جو مرضی سلوک کروان کے ساتھ...... ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے ان سے۔'' اسپیکر سے شیدے ڈفلی کی آواز ابھری' جسے سن کر سوہنی جٹ ڈھے گیا۔ ادھر شیدے ڈفلی نے فون بند کر کے سوہنی جٹ کو موٹی سی گالی دی۔

''پہلے ہی رفاقت صاب کے خلاف انکوائری چل رہی ہے' اوپر سے یہ پنگا لے لیا سوہنی نے۔ کتنا عیش کروایا اس سوہنی کے بچے کو...... پر اسے عقل نہ آئی۔ منہ اٹھا کے رفاقت صاب کا نام لے دیا۔ پہلے

مجھے تو فون کرتا' میں باہر ہی باہر سے کچھ کرتا۔ اب تو میں وی کچھ نہیں کرسکدا کہ پولیس والوں کو معلوم ہوگیا ہے کہ میں رفاقت بٹ کا بندا ہوں۔ دفع ہو سڑے اب جیل میں۔'' شیدے ڈفلی نے غصے سے دل ہی دل میں کہا اور فون اپنی جیب میں ڈال کر باہر نکل گیا تاکہ باقی سب کو بھی سمجھا دے کہ کوئی فون آئے تو سوہنی کو پہچاننے سے صاف مکر جائیں۔ تھانے دار وڈے ملک کا رشتے دار تھا اور ویسے بھی ایمان دار آدمی تھا۔ اس نے فون بند کر کے سوہنی جٹ کو گھورا۔

''کیا کہتے ہو اب؟'' سوہنی کوئی جواب دیے بغیر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ وڈے ملک کی سپورٹ کی وجہ سے سوہنی جٹ کے خلاف پکا پرچہ کٹ گیا۔

☆☆☆

سارا محلہ گڈو کے گھر جمع تھا۔ سب انہیں تسلی دلاسے دے رہے تھے' مگر گڈو کا سکتہ ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ اس کا سسر بھی ایک طرف بیٹھا سر پر بازو رکھے سسک رہا تھا۔ غریب کے پاس عزت کے سوا ہوتا ہی کیا ہے۔ اگر وہ بھی بیچ چوراہے پر تار تار ہونے لگے تو کھڑا بندا مر جاتا ہے۔ تھانے سے فارغ ہو کر طیفا اور وڈے ملک سیدھے گڈو کے گھر آئے۔

''چاچا' گھبرائیں نہ...... میں پکا بندوبست کر کے آیا ہوں ان کا۔'' وڈے ملک نے گڈو کے سسر کو تسلی دی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ طیفے بھی گھر جانے کے لیے اٹھا تو پہلے آگے بڑھ کر گڈو کے سر پر ہاتھ رکھا اور مردہ گڈو کے تن میں جیسے جان پڑ گئی۔ اس کے آنسو گرنے لگے۔

''پاجے اج تو نہ آتا تو......'' گڈو اپنی بات مکمل نہ کرسکی۔

''چل جھلیے...... چپ کر جا اور اللہ کا شکر کہ اس نے کسی وڈے نقصان تو بچالیا۔'' طیفے نے اسے چپ کرادیا۔

☆☆☆

''میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ میں یہ سب کراں گا تو کسی کو کن و کن خبر نہیں ہوگی۔ پنڈ میں سب کو پتا چلے گا تو کنی بے عزتی ہوگی۔ اور یہ بات بھی پھیلے گی کہ سوہنی کی بہن کی کسی سے موبائل پر دوستی تھی۔ جو بات لکی (چھپی) ہوئی تھی۔ اب سب کے سامنے آجائے گی۔'' سوہنی اکیلا رہ گیا تو اسے اپنی اوقات یاد آئی۔ اس سے پہلے تو وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ جو کسی بے گناہ اور معصوم کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے' اللہ اس کے لیے بڑی ذلت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ عزت وہی پاتے ہیں جو دوسروں کی عزتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوہنی جٹ اپنے ہاتھوں اپنی اور اپنے خاندان کی رسوائی کا سامان کر چکا تھا۔

طیفا گھر میں داخل ہوا تو اسے پوری امید تھی کہ آج اماں نے اس کے سر میں جوتیاں مارنی ہے۔ وہ ڈرتے ڈرتے گھر میں داخل ہوا تو اماں اور ابا چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر دونوں اٹھے۔

''او...... پاغلاں...... ان کے ہتھ میں پستول تھا۔ تینوں گولی مار دیتے تو...... اکو اک پتر ہے ہمارا' تجھے کچھ ہو جاتا تو اسی دونوں بڈھا بڈھی کیا کرتے۔'' آج اماں کی بجائے ابے نے طیفے کو ڈانٹا۔

''ابا اس وقت میری جان کو لوں زیادہ گڈو بہن کی عزت زیادہ قیمتی سی۔'' طیفے نے نظریں نیچی کر کے جواب دیا۔ وہ اماں' ابا کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ اماں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ آج ابے کی بجائے اماں نے اسے گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما تھا اور پیٹھ پر تھپکی دی تھی۔ طیفے نے اماں کو حیرت سے دیکھا۔

''ہاں پتر...... تو نے اج گڈو کو بچا کر یہ گل ثابت کر دیتی ہے کہ سورما وہ ہوتا ہے جو عورت کی چاہے او کوئی وی ہوئے' نہ صرف عزت کرے' بلکہ اس کی عزت کی حفاظت وی کرے۔ شاباش پتر شاباش۔'' اماں نے مان سے طیفے کو دیکھا اور ابا اور طیفا منہ کھولے اماں کو دیکھنے لگے۔

☆☆

کشف بلوچ

محبتیں تقسیم کرتی ہیں



''ماسٹر نور دین کی بیٹی ریاضی میں فیل ہوگئی۔'' سننے والوں کو تو جیسے موقع مل گیا۔ روز ہی افسوس میں لپٹا طنز مارنے چلے آتے۔ ماسٹر صاحب نے دو دن تو لوگوں کی اس حرکت کو برداشت کیا۔ مگر تیسرے دن۔

''اس کا کوئی رشتہ آیا ہے تو ہاں کر دے۔''

چھاج میں گندم صاف کرتی نعمت خاتون کو کہہ کر مڑ گئے۔

رضائیوں کے ڈھیر کے اوپر آلسی سے لیٹی گڑ کی ڈلی چوستی جویریہ کے ہاتھوں سے ڈلی گر کر دور جا گری۔ لم ڈھینگ چیونٹوں کی بارات اتر آئی گر کی ڈلی پر۔ گاؤں کے پٹواری کے توسط سے آئے ایک رشتے پر ماسٹر صاحب کی رضا مندی دیکھ کر نعمت خاتون کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''اگر لڑکی میٹرک مکمل کر لیتی تو......''

سامنے نواڑی پلنگ پر نیم دراز شوہر سے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''شہر کے پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اگر آگے کا کہے گی تو وہ منع تھوڑی کریں گے۔'' کہہ کر اٹھے اور کھونٹی پر لٹکی سرمئی واسکٹ اتار کر پہنی اور بیرونی دروازہ پار کر گئے۔

مقدر میں ہجرت کا فیصلہ لکھ دیا گیا۔

''میتھوں کی قصور ہو گیا وے بابل دس کے تا جاوی وے۔''

برگد کے بوڑھے درخت کے نیچے بیٹھی گاؤں کی بڑی بوڑھیاں شادی بیاہ پر گائے جانے والے سدا بہار گانے رندھی ہوئی آواز میں گا رہی تھیں اور اندر وہ اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں دلہن بنی زرد قالین پر پھسکڑی مارے پرانے منظر ادھیڑ رہی تھی۔

''اگر تمہارے پاس پانچ روپے ہوں اور تم دو روپیہ اپنی سہیلی رقیہ کو دے دو تو اب تمہارے پاس کتنے پیسے بچے؟''

بیٹھک میں بچوں کو پڑھاتے ہوئے ماسٹر نور دین نے جویریہ کو تفریق کا طریقہ سکھاتے ہوئے کہا۔

''صفر۔''

اس نے سلیٹ پر لکھے سوال کے آگے جواب کے خانے میں صفر لکھتے ہوئے کہا اور بیٹھک میں موجود سارے بڑے بچے اس کا جواب سن کر ہنسے پڑے۔

''وہ کیسے؟'' ماسٹر نور دین نے اسے چشمے کی اوٹ سے گھورا۔

''رقیہ کے ابو نہیں ہے ناں اس لیے میں تو اسے ہاتھ میں آئے سارے پیسے دے دیتی ہوں، اماں کہتی ہیں یتیموں سے کیسا حساب۔''

اس نے معصوم سا منہ بنا کر کہا اور حساب کتاب کے ماہر ماسٹر نور دین نے اپنا سر پکڑ لیا۔

''ذرا جو ماں سے کم ہو کمبخت۔'' جویریہ واقعی بنی بنائی نعمت خاتون تھی۔ سولہ پاس ماسٹر نور دین کو ایک اور قلق لاحق ہو گیا۔ ایک چٹی ان پڑھ ماں تھوڑی تھی جو دوسری بھی......

''ایک، دو، تین، چار......'' گھنگریالے بالوں کی چوٹیوں کو دائیں بائیں جھلاتی جویریہ لہک لہک کر اپنے نانا کے آنگن میں بندھی بھینسیں اپنی انگلیوں کی پوروں پر گن رہی تھی۔

''نہ بیٹی یہ تو اللہ کا مال ہے اس کی نعمتوں کو نہیں گنتے، انگلیوں کی پوریں تو اللہ سوہنے کی تسبیح پڑھنے کے لیے ہیں۔''

اور وہ جو بھوری بھینس کے گھوں پر، کالی گائے کے بچھڑوں پر، باڑے میں ٹہلتی چتکبری بھیڑوں پر، آنگن میں دھری دودھ سے بھری گاگروں پر، رات کو کھلے آسمان کے تاروں پر، آنگن میں روٹی کے بھلونڈے کھاتی مرغیوں پر، کائی زدہ سبز تالاب میں تیرتی سفید بطخوں پر، کتیا کے اندھے پلوں پر، منے کمہار کے دھوپ میں سوکھتے مٹی کے برتنوں پر، کابک میں بند سفید ملائم پر والے کبوتروں پر، املتاس کی شاخوں پر جھولتی شیامہ چڑیوں پر نیا نیا گنتی گننا سیکھ رہی تھی۔ ماں کی بات سن کر باپ کی سکھائی گنتی بھول گئی۔

نانا ابا مہینے کے مہینے اماں کے حصے کی زمینوں میں اگی سبزیوں کے گٹھڑ باندھ کر لاتے اور وہ جب

تک گڑ والی چائے کی پوری کیتلی ختم کرکے اپنی تھکن اتارتے، ماں ساری سبزی گاؤں میں تقسیم کر آتی۔ سال بھر کی گندم بھی اپنی ضرورت کے مطابق کچے کوٹھے میں بھوسے کے اوپر سنبھال کر رکھ دی جاتی اور باقی ضرورت مندوں اور غریبوں میں بانٹ دیتی۔ چاول کی فصل آنے پر ان کے گھر میں پورا میلا لگ جاتا۔ زردے کی دیگیں صبح چڑھتیں تو شام تک میٹھی خوشبو کے پیچھے لوگ کھنچے چلے آتے۔

چنے کی فصل آنے پر کچے کوٹھے میں موجود پتھر کی چکی میں صبح سے رات تک چنے پیسے جاتے اور پھر اگلے دن آس پڑوس میں بڑی سی چنگیر میں دیسی گھی سے چپڑی بیسنی روٹیاں بانٹ دی جاتیں۔ ایسے میں ماسٹر نور دین جی جان سے کلستے مگر کچھ کہتے کیسے، یہ میلا اور گھر ان کی پندرہ ہزار تنخواہ سے تھوڑی چلتا تھا۔

''میں جس کے گھر میں کٹوری بھر کے لے گئی انہوں نے خالی ہی بھیجی، اب بھلا ہمیں کیا فائدہ ہوا''

کٹوری چارپائی پر پٹختے ہوئے منہ بسورا گیا۔

پتیلے میں سے سرسوں کا ساگ کٹوری میں بھر کر بیچ میں مکھن کا پیڑا رکھتی نعمت خاتون جویریہ کی بات سن کر ہنس پڑی۔

''اللہ کے نام پر دیے میں فائدے نہیں دیکھے جاتے اور نہ ہی اس میں لے، دیے چلتی ہے۔ لینا دینا تو دنیا کے سودے ہیں۔ چیزیں تقسیم کرتے ہیں تب ہی تو نیکیاں جمع ہوتی ہیں۔ دنیا تقسیم کرتے ہیں تبھی تو آخرت ملتی ہے اور غور سے دیکھ ان خالی کٹوریوں کے پیندے میں لوگوں کی دعائیں چھپی ہیں۔''

ماسٹر نور دین سے جمع کا طریقہ سیکھنے والی پھر سے ان کا سبق بھلا کر ماں کا سکھایا تقسیم کا طریقہ سیکھ گئی۔

اس نے دعائیں جمع کرلیں اور چیزیں تقسیم کردیں۔

جو تقسیم سیکھ لے وہ پھر جمع کہاں کر پاتا ہے۔''

پھر تو روٹین ہوتی یا گاؤں کی کوئی اور لڑکی جس نے جو چیز مانگی اسے نے بنا دیکھے اٹھا کر دے دی۔ کپڑے ہوتے یا جوتے کوئی خود واپس کر جائے تو ٹھیک ورنہ اس نے خود سے نہیں مانگے۔ اس نے زندگی گزارنے کے سارے ڈھنگ ماں سے سیکھے تھے۔ ماسٹر نور دین کا سکھایا کوئی طریقہ اس کے ذہن میں فٹ ہی نہیں آتا اور خاص طور پر یہ حساب جو اکثر اس کے سر پر سے گزر جاتا تھا۔

نہم تک تو وہ مرمر کے پاس ہوگئی مگر دہم کی ریاضی نے اسے چاروں شانے چت کردیا اور یہ بات ایم اے ان میتھ ماسٹر نور دین کو تازیانے کی طرح لگی اور اسی قصور نے اسے بابل کے آنگن سے دربدر کردیا۔

☆☆☆

''نیاز محمد کے پانچ، فیاض محمد کے سات بچوں کا ناشتہ سویرے سات بجے تیار کرنا ہوتا ہے۔ سادہ سے پراٹھے اور آملیٹ مگر یاد رکھنا سات سے ایک سیکنڈ اوپر نہ ہو ورنہ اسکول کی وین والا بابا ہارن دے دے کر پورے محلے کو اٹھا دیتا ہے۔ جبکہ نیلم اور آسیہ آٹھ بجے خود ہی اپنا اور اپنے شوہروں کا ناشتا بنا لیتی ہیں۔ ابلا ہوا انڈا اور کڑک چائے تمہارا ناشتا ہے۔ باقی رہ گئی میں...... میں سات بج کر بیس منٹ پر اٹھ کر سادہ سا ناشتا کرتی ہوں۔ سادہ سا پراٹھا اور رات کا بچا سالن۔''

سونے کی چوڑیاں اتارتے ہوئے جویریہ نے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی ساس کی ایک ہی سانس میں کہی ہدایات سن کر چپ چاپ سر ہلا دیا۔

''اور ہاں۔''

وہ جاتے جاتے پلٹیں۔

''یاد سے اٹھ جانا سویرے اب بس ناشتا تمہاری ذمہ داری ہے۔''

نظریں اس کی گردن سے لپٹے بھاری گلوبند پر تھیں۔ وہ اب بھی خاموشی کی بکل مارے کنگن کا ننھا پیچ کھولتی رہی۔

''اور ہاں یہ زیور گن کر صبح میرے پاس رکھوا دینا۔ اب کہاں ضرورت پڑنی ہے ان کی۔ شہر میں تو ہفتے بعد ہی دعوتیں ختم دلہن پرانی۔''

انہوں نے چوتھی بار بھی یہ ہی بات دہرائی تو

اس کا دل چاہا سارے زیور اتار کر ان کی ہتھیلی پر دھر دے مگر......

☆☆☆

''چوتھا مہینہ شروع ہونے والا ہے مگر مجال ہے جو یہ لڑکی گھر کے طور طریقے سیکھ پائی ہو۔''

سب کے سامنے ہوتی اپنی عزت افزائی دیکھ کر وہ پانی پانی ہوگئی۔ سامنے بیٹھا ریاض محمد بڑی دل جمعی سے ٹیلی وژن کی اسکرین پر باکسنگ دیکھ رہا ہے۔

''ہر آنے جانے والوں کو دیکھ کر جھٹ باورچی خانے میں گھستی ہے اور جھٹ پٹ چائے اور بسکٹ پلیٹ میں سجائے سامنے دھر دیتی ہے۔ اب بھلے سے آگے مانگنے والی ہو فقیرنی ہو، کمیٹی کے پیسے لیتی خالہ ذکیہ ہو یا پھر بچوں کی شکایت لے کر آنے والی نگوڑی کلثوم۔''

ماں کی بات سن کر اس کی بڑی نند نے ایک قہقہہ لگا کر اس کی طرف دیکھا اور اس نے چور نظروں سے اسکرین پر نظریں جمائے ریاض محمد کو۔ اسکرین پر باکسر نے اپنے مخالف کو جبڑے پر زور دار پنچ مارا اور وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے سوچ رہی تھی۔

''بے اعتنائی پنچ سے زیادہ وزنی ہوتی ہے۔''

''محلے سے آئی عورت کو صرف چائے کا سرسری سا پوچھنا ہے۔ رشتہ داروں کو صرف خالی چائے کی پیالی تھمانی ہے۔ نندوں کے سسرالیوں کو دیکھتے ہی کھانے کا انتظام کرنا ہے۔ مردوں کے آئے مہمانوں کی ٹرے پورے لوازمات سے پر ہو۔ جبکہ جیٹھانیوں کے میکے کو صرف چائے پانی کا پوچھا جائے۔''

ناشتے کے حساب کتاب کے بعد اس نے دل پر جبر کرتے ہوئے مہمانوں کو بھگتانے کا سسرالی طریقہ بھی از بر لیا۔

☆☆☆

''نیاز محمد کے پانچ بچوں کے دس لڈو بھابھی نیلم کو دینے ہیں، فیاض محمد کے سات بچوں کے چودہ لڈو بھابھی آسیہ کو، ریاض محمد کے پانچ لڈو اپنے کمرے کی الماری میں رکھنے ہیں جبکہ دو بڑی نندوں کے بچوں کے کل ملا کے بیس لڈو اماں کی الماری میں رکھنے ہیں۔''

پورے چھ ماہ بعد نعمت خاتون جویریہ سے ملنے اس کے گھر آئی تھی۔ اور ساتھ لائی سوغاتیں دیکھ کر اس کے سسرالیوں کے تو حقیقتاً ہاتھ پیر پھول گئے۔ سرسری سا سلام کر کے سب ہی چیزیں سنبھالنے میں لگ گئے۔ وہ گلے مل کے جی بھر کر ماں کو دیکھ بھی نہیں پائی تھی کہ کچن میں پڑے دیسی گھی کے لڈوؤں پر درجن بھر بچوں کا حملہ دیکھ کر اس کی ازلی کنجوس ساس نے اسے دیسی گھی کے لڈوؤں کی تقسیم کرنے پر لگا دیا۔ وہ پوروں پر تین بار لڈوؤں کا گنتی کر چکی تھی مگر ہر بار ڈرائنگ روم میں بیٹھی ماں کی۔

''جویریہ کو بلا دیں بہن مجھے شام سے پہلے جانا بھی ہے۔'' بات سن کر گنتی بھول جاتی۔

''یہ دیسی گھی کے کنستر اٹھا کر میرے کمرے میں تو رکھوانا۔'' لڈوؤں کے حساب سے بہ مشکل جان چھوٹی تھی کہ ماں کے لیے پانی کا گلاس لے جاتی جویریہ کو باورچی خانے کے دروازے پر ساس نے پھر سے دھر لیا۔ گلاس وہیں رکھ کر وہ کنستر اٹھانے میں ان کی مدد کرنے لگی۔

''خالص دیسی گھی ہے میں نے سوچا سنبھال کر رکھ دوں ورنہ جس دن گھر میں گھی نہ ہوا یہ تمہاری موئی جیٹھانیاں تو بھنڈی توری میں بھی دیسی گھی انڈیل دیں گی۔''

انہوں نے پلنگ کے نیچے اسے گھسا کر کنستر چھپائے۔

''تم لوگوں کے فائدے کے لیے چھپایا ہے ورنہ مجھ بڑھیا کو کہاں ہضم ہوتا ہے اور پھر آسیہ کے دن بھی تو قریب ہیں، ورنہ یہ شہر والے تو دو ہزار میں ملاوٹ والا گھی بھی دیسی گھی کا لیبل لگا کر بیچ ڈالتے ہیں۔''

انہوں نے پلنگ کی چادر تقریباً فرش پر گراتے ہوئے گویا تمام ثبوت تک مٹا ڈالے۔

پلنگ کے نیچے سے نکلتے ہی اس نے جلدی سے باہر کی طرف دوڑ لگائی مبادا انہیں کوئی اور کام یاد نہ آجائے مگر شومئی قسمت کہ اندر آتے ریاض محمد سے ٹکرا گئی۔

''اچھا ہوا تو آ گیا چل سسرال سے آئی گندم

اور چاول کی بوریوں کو ٹھکانے لگا دے اپنی بیوی کے ساتھ مل کر۔"

وہ جو ماں بیٹے کو باتیں کرتے دیکھ کر منظر سے کھسکنے کا سوچ رہی تھی۔ اپنا نام سن کر ماتھا پیٹ لیا۔

"دو گھنٹے تو کہیں نہیں گئے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی شوہر کے پیچھے چل پڑی۔

"بس تو جلدی سے یہ فارم پر کر دے مجھے۔ تیری سہیلی بتا رہی تھی کہ داخلے شروع ہو گئے ہیں تو میں نے بھی تیرا فارم منگوالیا۔"

نعمت خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پلاسٹک کے تھیلے میں سے ایک فائل اور فارم نکال کر اس کے سامنے رکھا۔

"تیری ساس بتا رہی تھی کہ ابھی تم پر سوائے ناشتے کے کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے تو تم فارغ وقت میں ریاض محمد سے پڑھ لیا کرنا تیری کتاب بھی لائی ہوں۔"

کہہ کر تھیلے سے ریاضی کی کتاب نکال کر میز پر رکھی۔

فائل پر ولدیت کے خانے میں ماسٹر نور دین کا نام لکھتے وقت اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں یا پھر ماں کا جملہ۔

"ریاض محمد سے پڑھ لینا۔" سن کر...... کچھ خاص پتا نہیں چلا۔ ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہونے لگا۔

"چھ ماہ میں اسے اپنے کمرے میں آئی اس لڑکی کو پڑھنے کی فرصت نہیں ملی کجا اسے پڑھانا۔"

اب وہ اماں کو کیا بتاتی وہ اوپر سے نعمت خاتون کا عکس ہی نہیں قسمت بھی ویسی ہی لکھوا کر لائی تھی۔

رات کے ابتدائی پہر ہاتھ میں کتاب پکڑے پلنگ پر نیم دراز ماسٹر نور دین اور دائیں سمت کروٹ کے بل لیٹی سرورق کو گھورتی نعمت خاتون اور دکان کے کھاتے والا بڑا سا رجسٹر کھولے ریاض محمد اور دیوار کو گھورتی جویریہ ایک جیسی تنہائی کا شکار تھیں۔ وہ سر جھکا کر فارم پر کرتی رہی۔

"نیاز محمد کے پانچ بچوں کے اور یہ فیاض محمد کے سات بچوں کے اور یہ نیلم بھابھی اور اماں کا۔"

نعمت خاتون نے دروازے پر جا کر "اللہ حافظ جویریہ!" کی صدا لگائی تو دیسی انڈوں کا حساب لگاتی جویریہ نے جھٹ انڈے فریج میں رکھے۔

"اوہ ریاض محمد چیخ گیا"

ٹوکری میں ریاض محمد کے انڈوں میں سے ایک انڈا جلدی رکھنے کے چکر میں چیخ گیا اور اس کی بات سن کر ہانڈی بھونتی آسیہ بھابھی۔ "اوہ ریاض محمد چیخ گیا" سن کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگئی اور وہ کھسیانی ہو کر دروازے کی طرف دوڑی۔ آج کی تاریخ میں تو اس کے پاس ہنسنے کا بھی وقت نہیں تھا۔ ماں سے مل کر ابھی اسے گاؤں سے آئے پھلوں کے بھی حصے کرنے تھے۔

☆☆☆

"واپسی پر مجھے دیر ہو جائے گی اس لیے تو پیپر دے کر خود ہی اپنے میکے چلی جانا میں کل تجھے لینے آجاؤں گا۔"

انگلی کو تھوک سے گیلا کر کے ہزار کے نوٹوں سے چپکے سو سو کے تین نوٹ بٹوے سے نکال کر جویریہ کی طرف بڑھاتے ہوئے ریاض محمد نے کہا اور یہ جا وہ جا۔

ریاض محمد خالص کاروباری آدمی تھا۔ پہلے دن ہی جویریہ کو دیکھ کر جیسے اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوئے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ ظاہری حسن سے مالا مال شہری مرد کو عام سے نقوش والی دیہاتی لڑکی پسند نہیں مگر اب قیمت بھی ادا کی جا چکی تھی سو واپسی بھی ناممکن تھی۔ سو بادل ناخواستہ ایک کونے میں ڈال دیا۔ دن بھر دکان پر اور شام کو دوستوں سے ساتھ گپ شپ کے بعد وہ گھر آتے ہی رجسٹر سنبھال کر بیٹھ جاتا۔ ابتدائی دنوں کی گرم جوشی سرد ہوتے ہی اسی فیصد شوہروں کی طرح ضرورت کے تحت ہی اس کے پاس آتا۔ شروع شروع میں تو جویریہ تھوڑی گھبرائی مگر پھر وہ بھی اسی فیصد بیویوں کی طرح عادی ہوگئی۔ پلنگ کے ایک کونے پر وہ کیلکولیٹر پر جھکا رہتا تو رجسٹر میں لکھتی جویریہ دوسرے پر۔

"کبھی کبھی تو ریاض محمد بھی الجبرا کا ایک پیچیدہ سا سوال لگتا۔"

چھوٹی بڑی بریکٹ کو بند کرتے ہوئے کن

انکھوں سے اسے دیکھ کر سوچتی۔

☆☆☆

کمرہ امتحان میں داخل ہوئی وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

یہ رات گئے تک پڑھنے کا نتیجہ تھا یا پھر سسرالیوں نے اسے حساب کتاب میں اتنا طاق کر دیا تھا کہ دہم جماعت کا ریاضی کا پرچہ پڑھ کر وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"اتنا آسان......" کہہ کر حل کرنے لگی۔

"ششششش...... پرچہ حل کرتی جویریہ نے آواز کی سمت جھانکا۔

"سن سوال نمبر چھ کا جواب تو بتا دے۔"

ساتھ بیٹھی لڑکی نے اسے پکارا۔

"ٹھہرو! اپنی ساس سے پوچھ کر بتاتی ہوں کہ......"

زبان کو بے اختیار دانتوں تلے دبا کر باقی مائندہ لفظ حذف کیے۔ ساتھ بیٹھی لڑکی نے اس کے ادھورے فقرے کو حیرانگی سے سنا۔ جویریہ اپنی حالت زار پر ہنس ہنس کر دہری ہوگئی۔ اگر ممتحن اسے نا ٹوکتی تو شاید وہ تین گھنٹے تک ہنستی ہی رہتی۔

اس کے اندر کی گھٹن دھواں بن کر باہر نکلنے لگی۔

"یہ لو سارے سوالوں کے جواب۔"

"دیکھ میری بہن نہیں ہے۔" کے جواب میں اس نے لڑکی کے ہاتھ پر سارا پیپر رکھ دیا۔

"بقایا پیسے تو لیتی جا پتر!" چنے چاٹ کی پلیٹ پکڑے، برگد کے پیڑ کے نیچے جاتی جویریہ نے پلٹ کر بوڑھی عورت کو دیکھا۔

"تو سارے رکھ لے مائی۔"

سدا کی دیالو لڑکی کی کئی ماہ کی گھٹن باہر نکلی۔

"دعا کرنا سائیں میں زندگی کے امتحان میں کامیاب ہو جاؤں۔"

اسکول کے گیٹ کے پاس لنگڑے فقیر کی جھولی میں دو سو روپے ڈال کر وہ گھر پیدل چل پڑی۔

"شادی شدہ لڑکی اس پودے کی مانند ہوتی ہے جس کو ایک زمین سے دوسری زمین منتقل کر دیا جائے۔ نئی مٹی، آب و ہوا، روشنی اور پانی راس آتے آتے کئی سال لگ جاتے ہیں۔ زمیں کے اوپر موسم کے لاکھ تھپیڑے پڑیں مگر اول شرط یہ ہی ہے کہ اپنی زمین کے ساتھ مضبوطی سے جڑے رہیں اور پھر ایک وقت آتا ہے جب زمین راس بھی آجاتی ہے۔ قدم مضبوط ہو جاتے ہیں اور پھل بھی لگ جاتا ہے۔"

آنگن میں مرچوں کے پودے لگاتی نعمت خاتون جویریہ کو اکیلا آتے دیکھ کر "چل کوئی بات نہیں۔"

کہہ کر ایک خوب صورت بات اس کے دوپٹے کے پلو سے باندھ دی۔

☆☆☆

پورے ڈیڑھ سال بعد ماسٹر نور دین نے جویریہ کے سسرال قدم رکھا تو گن گن کر پیڑے بناتی جویریہ کے ہاتھ سے پیڑا گر کر زمین بوس ہوگیا۔

"پورے ستر فیصد نمبر لیے ہیں ریاضی میں۔"

نعمت خاتون نے جوش سے بتایا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے افراد کی ساری توجہ نمبروں سے زیادہ میز پر دھرے ٹوکروں پر تھی۔

ریاضی کے پیچیدہ سوالوں کو ایک سال میں حل کرلیا۔ مگر سسرالیوں کے ذہنوں میں جمع کے ہندسے کو کھرچ کر تقسیم کا ہندسہ فٹ کرنے کے لیے اسے کئی سال درکار تھے۔ چائے دم کرتے ہوئے اس نے دیکھا۔ اس کی ساس نے گاؤں سے آئی باجرے کی بوریوں کو جہاں کمبل سے ڈھانپ کر چھپا رکھا تھا۔ وہاں ایک لنگڑی چڑیا اوپر چکر کاٹ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور اوپری بوری کا منہ کھول کر مٹھی میں باجرہ بھر کر سامنے آنگن میں بکھیر دیا۔ لنگڑی چڑیا سمیت کئی پرندے دانہ چگنے نیچے اتر آئے۔

جمع کی گئیں چیزیں ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتی ہیں، مگر تقسیم کی گئی کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

جمع کی گئیں چیزیں اتنی ہی رہتی ہیں مگر تقسیم کی گئیں دو گنا ہو کر واپس آجاتی ہیں، دعاؤں کی صورت میں۔

☆☆

نگہت عبداللہ

ہوائیں رخ بدل گئیں

حیدر علی اور احمد علی دو بھائی تھے۔ حیدر علی بڑے تھے، چھوٹے بھائی احمد علی کے لیے وہ مشفق باپ تھے۔ احمد علی کا انتقال ہو چکا تھا اور حیدر علی جس حد تک ممکن ہوتا بھاوج اور بچوں کی مدد کرتے ہیں۔

حیدر علی کو ان کے مزاج کے برعکس بیوی ملی تھیں۔ وہ جتنے نرم خو تھے حمیدہ بیگم اسی قدر تیز وطرار اور کسی حد تک بدزبان بھی۔ احمد علی کی بیوی فاخرہ ان ہی کی طرح نرم مزاج اور درگزر کرنے والی تھیں۔

حیدر علی کی تین بیٹیاں سبینہ، خزینہ اور شہرینہ تھیں جبکہ احمد علی کے دو بچے حمزہ اور بیلا تھے۔

سبینہ کی شادی ہو چکی ہے۔ خزینہ اپنے باس تیمور غزنی کو پسند کرتی ہے جبکہ خزینہ کا خالہ زاد شرجیل اس کو چاہتا ہے۔ حمزہ اور شہرینہ کا رشتہ، حیدر علی نے حمیدہ بیگم کی مرضی کے خلاف بھائی کی زندگی ہی میں ان کی کم عمری ہی میں کر دیا تھا جو وقت کے ساتھ ان کے دلوں میں بھی مضبوط ہو چکا ہے۔

حیدر صاحب کا آفس میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو جاتا ہے۔ حمزہ کو جاب مل جاتی ہے لیکن اس کے باس حسان صاحب کی بیٹی ربیکا اس کو پسند کرنے لگتی ہے جو وقتاً فوقتاً حمزہ کو اپنی باتوں سے پریشان کرتی ہے۔

تیمور غزنی اور سارہ کی کوئی اولاد نہیں ہے' سارہ مس کیرج ہونے کی وجہ سے اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ سارہ، تیمور سے اپنی دوست زوبی کا بے بی لینے کا کہتی ہے لیکن تیمور اس بات پر دل سے رضامند نہیں ہے۔



سونیا کے مشورے پر تیمور دوسری شادی کے لیے سوچنے لگتا ہے اور خزینہ اسے بالکل موزوں نظر آتی ہے لیکن وہ خزینہ سے جھوٹی محبت کا اظہار کرتا ہے اور اسے سارہ کے بارے میں نہیں بتاتا اور کہتا ہے کہ فی الحال گھر والے راضی نہیں ہیں اس لیے وہ خزینہ سے چھپ کر شادی کرے گا اور بعد میں انہیں منالے گا۔ خزینہ تیمور کی محبت میں رضامند ہو جاتی ہے اور حمیدہ بیگم کو بھی اس شادی پر راضی کر لیتی ہے۔ تیمور خزینہ کو ایک الگ فلیٹ میں بیاہ کر لے جاتا ہے۔

نویں قسط



تب شہرینہ نے جانا کہ خزینہ کے لیے اس سے قیمتی اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ دھیرے سے اٹھ کر اس کے پاس آبیٹھی اور اسے گلے لگا کر خود بھی رو پڑی۔

انسان آتا ہے چلا جاتا ہے اور اسے پتا بھی نہیں چلتا وہ اپنے پیچھے کیا کچھ چھوڑ گیا ہے اور کچھ ایسا تو ہوتا ہے جو وہ دلوں میں محفوظ رہ جاتا ہے کتنی دیر دونوں بہنیں اپنے ابو کی باتیں کرتی رہیں۔ ماحول اداس اور بوجھل ہو گیا تھا۔ نجمہ خالہ لوازمات سے سجی ٹرالی دھکیلتی ہوئی آئیں، تب خزینہ چونک کر بولی۔

''ارے مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ پھر تعارف کرانے لگی۔ خالہ یہ میری امی ہیں اور امی یہ نجمہ خالہ ہیں۔''

حمیدہ بیگم نے جانچتی نظروں سے نجمہ خالہ کو دیکھا پھر بیٹھنے کو کہا تو وہ خزینہ کو دیکھ کر اشارے سے کھانے وغیرہ کا پوچھنے لگیں۔

''ابھی آپ بیٹھ جائیں خالہ، امی کے ساتھ باتیں کریں۔'' خزینہ نے کہا تو حمیدہ بیگم غالباً اپنی تسلی کرنا چاہتی تھیں جب ہی فوراً بولیں۔

''ہاں ہاں بیٹھو اور ہمارے لیے کھانا مت بنانا ہم زیادہ دیر نہیں رکیں گے۔'' خزینہ پلیٹ میں سموسہ اور دوسری چیزیں رکھ رہی تھی جب ہی متوجہ نہیں ہوئی ورنہ ضرور ٹوکتی۔

''آپ کی بس یہ دو بیٹیاں ہیں؟'' نجمہ خالہ نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

''نہیں ایک خزینہ سے بڑی سبینہ ہے۔ وہ بھی ماشاء اللہ اپنے گھر کی ہے۔ بس اب ایک یہ چھوٹی رہ گئی ہے۔'' حمیدہ بیگم نے بتایا تو نجمہ خالہ شہرینہ کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

''اللہ اس کے نصیب اچھے کرے۔ خزینہ تو ماشاء اللہ بہت نصیبوں والی ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔''

''آمین۔''

''میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' نجمہ خالہ اٹھ کر گئیں تو خزینہ شرارت سے شہرینہ کو دیکھ کر بولی۔

''امی آپ شہرینہ کی شادی بھی کر دیں۔''

''جی نہیں۔'' شہرینہ اچھل کر بولی۔ ''میں کوئی شادی وادی نہیں کروں گی۔''

''پھر کیا کرو گی؟'' خزینہ کا محظوظ انداز تھا۔

''کچھ نہیں، میرا مطلب ہے مزید تعلیم جاری رکھوں گی اور ہمیشہ امی کے ساتھ رہوں گی۔'' شہرینہ اچانک جذباتی ہو گئی تھی۔

''گڈ اچھا خیال ہے۔ میں کل یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ تمہاری شادی کے بعد تو امی بالکل اکیلی ہو جائیں گی۔'' خزینہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بول رہی تھی۔

''میں امی کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ میں نے سوچ لیا ہے۔'' شہرینہ کو غالباً خود پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ بس جذبات میں بولے جا رہی تھی۔

حمیدہ بیگم خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں بولیں کچھ نہیں شاید ان کا ذہن بھی اسی نہج پر سوچنے لگا تھا۔ جبکہ خزینہ نے تو محض مذاق میں شہرینہ کو چھیڑا تھا لیکن وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔ جب ہی اگلے دن سے ہی اس نے کالج جانا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

ربیکا لنچ آرڈر کر کے حمزہ کو دیکھنے لگی جو انتہائی لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور اس کا یہی انداز ربیکا کو کھلتا تھا کہ وہ جب سنجیدگی سے بات کرنا چاہتی تھی تو وہ یونہی انجان بن جاتا تھا۔ ابھی بھی وہ تلملائی ضرور لیکن ضبط کرتے ہوئے اسے ٹوکنا چاہتی تھی کہ اچانک وہ اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

''سنو! ہمیشہ تم بولتی ہو اگر اجازت ہو تو آج میں کچھ عرض کروں؟''
''شیور......'' ربیکا نے ٹیبل پر کہنی رکھی پھر ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکا کر یوں بیٹھ گئی جیسے اب صرف اسے سنے گی۔
''تھینک یو۔'' وہ ریلیکس ہوا پھر کھانا سرو ہونے کے بعد کہنے لگا۔ ''ایسا ہے ربیکا کہ تم جو مجھے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہو تو شاید یہ ممکن نہ ہو سکے۔ بالکل اسی طرح جیسے میں تم سے کہوں کہ اپنا محل چھوڑ کر میری جھونپڑی میں آرہو۔ تو یہ تمہارے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ یا تم سمجھتی ہو کہ میرے ساتھ میرے چھوٹے گھر میں رہ سکتی ہو۔'' وہ خاموش ہو کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ تو وہ کولڈ ڈرنک حلق سے اتار کر بولی۔
''یعنی تم کنویں کے مینڈک بنے رہنا چاہتے ہو۔''
''نہیں، بس چاہتا ہوں تم بے شک مجھے اپنے لیول تک لے آؤ لیکن میری عادات بدلنے کی کوشش مت کرو۔ میں سیدھا سادا ملنگ آدمی ہوں۔ مجھے ایسا ہی رہنے دو۔ میں چٹائی پر بیٹھ کر کھانا کھاؤں تو ٹوکو مت۔ صرف بنیان میں سونا چاہوں تو تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ زچ ہونے والے انداز میں بول رہا تھا اور ابھی مزید کچھ کہتا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔
''پلیز حمزہ! چپ ہو جاؤ، کیا سمجھتے ہو تم، تمہاری ایسی باتوں سے ڈس ہارٹ ہو کر میں تمہیں اپنے دل سے نکال دوں گی، نو...... نیور......''
''سوری! میرا یہ مقصد نہیں ہے۔'' وہ جز بز ہوا تھا۔
''پھر......!'' اس کے تیکھے انداز پر وہ سر جھٹک کر بولا۔
''بس جانے دو۔''
''نہیں...... اب جب تم نے بات کی ہے تو مجھے سمجھاؤ بھی۔'' وہ اڑ گئی۔
''سمجھایا اسے جاتا ہے ربیکا! جو سمجھنا چاہیے اور جس نے نہ سمجھنے کی ٹھانی ہوئی ہے اس کے لیے وہ مثال ہے بھینس کے آگے بین بجانا۔ اور مجھے اپنی انرجی ویسٹ کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' اسے غصہ آگیا تھا۔
''تمہارا مطلب ہے۔''
''تم جو چاہے مطلب نکالو۔ میں مزید اس میٹر پر بات نہیں کروں گا۔ ڈیٹس آل۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔
ربیکا پہلی بار اس کا یہ روپ دیکھ رہی تھی اور شاید وہ یہی چاہتی تھی کہ وہ صرف جی حضوری نہ کرتا رہے اس کی مانے تو اپنی بھی منوائے۔ جب ہی بجائے خفا ہونے کے مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی اور ابھی انہیں آفس جانا تھا لیکن ربیکا نے جانے کیا سوچ کر گاڑی مختلف سمت موڑ دی تھی اور وہ کیونکہ کچھ خفا سا بیٹھا تھا جبھی دھیان نہیں دیا لیکن پھر اچانک چونکا تھا۔ راستے انجان تو نہیں تھے لیکن آفس کی سمت نہیں جاتے تھے۔
''یہ تم کہاں جا رہی ہو؟''
''تھینک گاڈ! میں ڈر رہی تھی کہیں تم منزل پر پہنچ کر نہ پوچھ بیٹھو کہ یہ تم مجھے کہاں لے آئی ہو۔'' ربیکا نے گہری سانس کے ساتھ کہا تو وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا بولا کچھ نہیں کیونکہ وہ اس سے مزید نہیں الجھنا چاہتا تھا۔
''ایسے مت دیکھو حمزہ! میں نروس ہو رہی ہوں۔ ایسا نہ ہو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہم اوپر پہنچ جائیں۔'' وہ اس کی نظروں کو بری طرح محسوس کر رہی تھی۔ حمزہ نے بلا ارادہ گردن سیدھی کر لی۔ اور جب گاڑی ایک عالیشان بنگلے کے گیٹ سے اندر داخل ہو کر رکی تب بھی اس نے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا اور کسی روبوٹ کی طرح اس کی تقلید کی۔
''میں نے سوچا تمہیں اپنا گھر دکھا دوں۔'' ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر ربیکا نے کہا۔ باہر سے آنے کے باعث اندر کچھ واضح نظر نہیں آرہا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوتیں ربیکا نے تمام

لائٹس آن کردیں۔
''میرے خدا!'' حمزہ نے بے اختیار آنکھیں بند کرلیں۔
''بیٹھو حمزہ! میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ اس کی کیفیت سے بے خبر ڈرائنگ روم سے نکل آئی۔ اور لاؤنج سے ہی پکارنے لگی۔
''مما..... مما کہاں ہیں؟''
''کیا بات ہے رابی!'' ثمرہ کو غالباً اس کی بے وقت آمد نے بوکھلا دیا تھا۔ بدحواس میں کمرے سے نکلی تھیں۔
''مما! آیئے میرے ساتھ۔'' ربیکا نے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما تو وہ ناسمجھی سے بولیں۔
''کہاں؟''
''آپ آئیں تو۔'' ربیکا سرخوشی کے عالم میں انہیں کھینچتے ہوئے ڈرائنگ روم میں لے کر آئی تو آگے حمزہ اسی طرح گم صم کھڑا تھا۔
''ارے تم ابھی تک ایسے ہی کھڑے ہو۔'' ربیکا کی کھنکتی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا تو وہ فوراً بولی۔
''یہ میری مما ہیں اور مما یہ حمزہ ہے۔''
''حمزہ!'' ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ نہ صرف ثمرہ کے چہرے پر ناگواری پھیلی بلکہ آنکھوں سے خشونت بھی جھلکنے لگی تھی۔ جیسے محسوس کرکے ہی حمزہ نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنے پر اکتفا کیا تھا۔
''بیٹھو ناں حمزہ!'' ربیکا نے اصرار سے کہا تو وہ نروٹھے پن سے بولا۔
''نہیں بس اب میں چلوں گا۔''
''کیوں۔ آئے ہو تو بیٹھو۔ کچھ کھاؤ پیئو۔'' ثمرہ کا چبھتا لہجہ دل میں ترازو ہوا تو حمزہ کو جتانا پڑا۔
''جی شکریہ۔ ابھی ربیکا اور میں لنچ کرکے آرہے ہیں۔ او کے ربیکا۔'' وہ خوب صورت مسکراہٹ ربیکا کی نذر کرکے تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔
''حمزہ! رکو حمزہ.....'' ربیکا اس کے پیچھے بھاگی لیکن وہ گیٹ پار کرگیا تھا۔

☆☆☆

ڈیفنس کی بھول بھلیوں سے وہ تقریباً بھاگتے قدموں سے نکلا تھا۔ کیونکہ وہ ربیکا کے ساتھ گاڑی میں تھا اس لیے بائیک آفس میں تھی۔ لیکن اس وقت اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ صبح آفس جانے کے لیے اسے بائیک کی ضرورت ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی وہ کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ بس یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ عزت نفس کی خاطر جو داؤ پر لگی تھی۔ مین روڈ پر کتنی دور وہ چلتا چلا گیا۔ جب ایک رکشا اس کے قریب رکا، تب پہلے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا پھر بیٹھ گیا۔ رکشے والا باتونی تھا۔ جانے کیا کیا بولے جارہا تھا لیکن وہ کچھ نہیں سن رہا تھا۔
گھر آکر اس نے چاہا سیدھا اپنے کمرے میں چلا جائے لیکن فاخرہ سامنے آگئیں۔
''آج جلدی آگئے!''
''جی! السلام علیکم۔'' اسے رکنا پڑا۔
''خوش رہو۔'' فاخرہ نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ چیخ گیا۔
''ہمیشہ خوش رہنے کی دعائیں دیتی ہیں اماں۔ آپ کی دعاؤں میں اثر نہیں ہے یا میں خوش ہونا نہیں جانتا۔''
''حمزہ!'' فاخرہ متوحش ہوگئیں۔ ''کیا ہوگیا ہے بیٹا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

نہیں۔ وہ کسی کے کہنے کر گئے میں آکر ری ایکٹ کیا۔ لیکن فوراً ہی احساس ہوا کہ کچھ غلط کر گیا ہے۔ خود کو سرزنش کرتے ہوئے اٹھنا چاہتا تھا کہ فاخرہ اس کے لیے مینگو شیک لے کر آگئیں۔

''اماں ...... وہ مزید نادم ہوا۔ ''میں اصل میں ......''

''اچھا بس ...... اٹھو پہلے پیو۔'' فاخرہ نے ٹوک کر کہا تو اس نے اٹھ کر ان کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

''دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا کرو۔'' فاخرہ بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔ ''میں دیکھتی ہوں تم ذرا ذرا سے کام کو سر پر سوار کر لیتے ہو۔ پھر میں یہ بھی محسوس کر رہی ہوں کہ کوئی ایسی بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔'' اس نے جو شیک کا بڑا سا گھونٹ لیا تھا وہ حلق میں اٹک گیا۔

''پہلے تو تم مجھ سے ہر بات کہہ دیا کرتے تھے۔ اب کیوں چھپانے لگے ہو۔ ایسی کیا بات ہے بیٹا! جو مجھ سے کہنے کی نہیں۔'' فاخرہ کے درست قیاس پر وہ اندر سے واقعی پریشان ہو گیا تھا۔ بہ مشکل سنبھل کر پہلے گلاس خالی کر کے رکھا پھر کہنے لگا۔

''کوئی بات نہیں اماں۔ آپ ایسے ہی وہمی ہو گئی ہیں۔ مجھ پر صرف آفس کے کاموں کا پریشر ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔''

''اچھا ......'' فاخرہ اٹھنے لگیں کہ اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بیٹھیں ناں کہاں جا رہی ہیں۔''

''تم آرام کرو۔''

''آپ کے پاس ہی آرام ملتا ہے۔''

وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تو فاخرہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ سکون مل رہا تھا۔ فاخرہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے غالباً اس کے بچپن میں پہنچ گئی تھیں کہ اچانک اس نے پکارا تھا۔

''اماں۔''

''ہاں بیٹا!'' اس کے بالوں میں چلتی فاخرہ کی انگلیاں تھم گئیں۔

''سب انسان برابر ہیں تو پھر انہیں امیری غریبی کے پلڑے میں کیوں تولا جاتا ہے۔'' اسے ابھی بھی ثمرہ کا تحقیر آمیز انداز چبھ رہا تھا۔

''یہ سب دنیا کے دستور ہیں بیٹا۔ خدا نے ایسا کوئی قانون نہیں بنایا اور تم یہ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو تمہیں زیادہ پتا ہونا چاہیے ماشاء اللہ پڑھے لکھے ہو۔'' فاخرہ نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنسا۔

''یہ خوب کہی آپ نے۔ تفریق کرنے والے مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں۔''

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ حمیدہ بھابھی کے پاس کب جاؤں۔'' فاخرہ نے پوچھا لیکن وہ سمجھا نہیں۔

''کب جاؤں مطلب؟''

''میں تمہاری شادی کی بات کرنا چاہتی ہوں۔'' فاخرہ کچھ دنوں سے یہی سوچ رہی تھیں۔

''کیا۔'' وہ یک دم اٹھ بیٹھا۔

''ہاں حمیدہ بھابھی یہی کہتی تھیں ناں کہ پہلے خزینہ کی شادی کریں گی تو ماء شاء اللہ وہ اپنے گھر کی ہو گئی ہے۔ اب میں شہزینہ کی بات کر سکتی ہوں۔'' فاخرہ کی پوری بات سن کر وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

''کیوں، حمیدہ بھابھی منع کریں گی کیا؟'' فاخرہ یہی سمجھی تھیں حمزہ نے پہلے ہونٹ بھینچے پھر بولا تھا۔

''ان کا تو پتا نہیں۔ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

"ہائیں، یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں اماں! آپ صرف اپنا نہیں تائی جان کا بھی سوچیں۔ شہرینہ کی شادی کر کے وہ بالکل اکیلی ہو جائیں گی۔ جبکہ ابھی انہیں سہارے کی ضرورت ہے۔ آپ تھوڑا صبر کریں۔"

"کتنا بھی صبر کرلوں بیٹا۔ پھر بھی ہونا تو یہی ہے۔" فاخرہ نے کہا تو وہ فوراً بولا تھا۔

"اور یہی میں نہیں چاہ رہا۔"

"پھر کیا چاہ رہے ہو تم......؟"

"میں چاہتا ہوں اماں کہ ہماری شادی کے بعد تائی جان بھی ہمارے ساتھ رہیں اور انہیں اس بات پر آمادہ کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ میں خزینہ سے کہوں گا وہ بھی انہیں سمجھائے گی اور میرا خیال بلکہ مجھے یقین ہے کہ تائی جان مان جائیں گی۔ لیکن آپ ابھی — ایسی کوئی بات مت کیجیے گا۔ سمجھ رہی ہیں ناں۔" آخر میں اس نے زور دے کر کہا تو فاخرہ پرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگی تھیں۔

"چلیں آپ بیلا کو اٹھائیں ہر وقت پڑی سوتی رہتی ہے۔ اس سے کہیں اچھی سی چائے بنائے۔" وہ انہیں بھیج کر پھر لیٹ گیا تھا۔

☆☆☆

ثمرہ بے حد تلملائی ہوئی تھیں اور کیونکہ حسان صاحب نے انہیں سختی سے منع کیا تھا کہ وہ ربیکا اور حمزہ کے معاملے میں کچھ نہیں بولیں گی تو وہ ربیکا سے تو کچھ نہیں کہہ سکیں لیکن شام میں جیسے ہی حسان صاحب آئے وہ ان کے سامنے پھٹ پڑیں۔

"اپنی بیٹی کی جرأت دیکھی حسان آج وہ اس دو ٹکے کے لڑکے کو گھر لے آئی تھی۔ میں پوچھتی ہوں حسان آخر آپ نے اسے اتنی ڈھیل کیوں دے رکھی ہے۔ مائی گاڈ! میرا بس نہیں چل رہا تھا میں اس لڑکے کو ملازموں سے دھکے دے کر نکلواتی اور آپ کی بیٹی دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگی تھی۔"

حسان صاحب خاموش ضرور تھے لیکن ان کی پیشانی پر لکیروں کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جس سے ظاہر تھا کہ وہ غصہ ضبط کر رہے تھے۔

"میں نہیں جانتی حسان! آپ نے کیا سوچ رکھا ہے لیکن میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ ادھر مسز شیروانی نے مجھے فون کر کے عاجز کر رکھا ہے کیا جواب دوں میں انہیں؟" وہ سوالیہ نشان بن گئیں۔

"کہہ دو مسز شیروانی سے کہ ہم ابھی ربیکا کی شادی نہیں کرنا چاہتے۔ انہیں اگر جلدی ہے تو کوئی اور لڑکی دیکھیں۔" حسان صاحب گو کہ ضبط سے بولے تھے لیکن آواز سے غصہ چھلک رہا تھا۔

"حسان...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے آپ بھی اس لڑکے سے......"

"نہیں۔" وہ زور سے چلائے تھے۔ "وہ لڑکا حمزہ۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔ سارا قصور ربیکا کا ہے جو اس کے لیے پاگل ہو رہی ہے اسے نہ تم سمجھا سکتی ہو، نہ میں۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ بیٹی کی ضد اور پاگل پن سے مجبور ہو کر آپ نے حمزہ کو ایکسیپٹ کر لیا ہے۔" ثمرہ نے سلگ کر طنزیہ کہا تو وہ بھی جل کر بولے تھے۔

"جب ربیکا نے ایکسیپٹ کر لیا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"اف......!" ثمرہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں تو قدرے رک کر حسان صاحب کہنے لگے۔

"دیکھو تمہیں میں نے پہلے بھی کہا تھا اب پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ربیکا کی ضد اور پاگل پن کوئی اہمیت نہیں رکھتے کیونکہ حمزہ انگیجڈ ہے اور جلد ہی وہ شادی کرنے والا ہے۔" ثمرہ نے

ایک دم ہاتھوں سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگے۔
''یہ بات ربیکا کو معلوم ہے۔''
''سب جانتی ہے وہ۔ اب بتاؤ اس کا کیا علاج ہے۔ اس نے تو حمزہ کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے اس نے جاب چھوڑ دی تھی۔ میں نے اسے نہیں نکالا تھا۔'' حسان صاحب دھیرج سے بول رہے تھے کہ ثمرہ چمک کر پوچھنے لگیں۔
''جاب چھوڑ دی تھی تو پھر واپس کیوں آیا؟''
''وہ نہیں آیا۔ مجبوراً مجھے بلانا پڑا کیونکہ ربیکا اس کے گھر پہنچ گئی تھی۔ اور یہ بات مجھے گوارا نہیں تھی کہ وہ بار بار اس کے گھر جائے۔ بہر حال مجھے امید ہے حمزہ اسے سمجھا لے گا۔'' ان کی آخری بات پر ثمرہ جیسے چکرا گئی تھیں۔
''آپ.....آپ اس لڑکے پر بھروسا کر رہے ہیں۔''
''فار گاڈ سیک ثمرہ! میں نے کچھ دیکھ کر ہی اس لڑکے پر بھروسا کیا ہے اور اگر کہیں مجھے ذرا سا بھی شبہ ہو گیا کہ وہ میرے بھروسے کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی سوچ رہا ہے تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''
حسان صاحب زچ ضرور ہوئے تھے لیکن ان کے لہجے کی سفاکی نے ثمرہ کو خاموش کرا دیا تھا۔ گو کہ ان کے اندر مزید کتنے سوال مچل رہے تھے لیکن کسی اور وقت پر ٹال کر وہ کمرے سے نکل آئی تھیں۔

☆☆☆

وہ فریش ہو کر کمرے سے نکل کر آئی تو نجمہ خالہ نے اس کے لیے ناشتا لگا دیا۔ چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی نو بج رہے تھے۔ رات طبیعت میں بے چینی کے باعث وہ ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی جب ہی اٹھنے میں دیر ہو گئی ورنہ تو وہ بہت جلدی اٹھ جاتی تھی۔
''آج دیر تک سوئیں!'' نجمہ خالہ نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔
''بس خالہ، رات شاید میں نے کچھ زیادہ کھا لیا تھا۔ طبیعت میں بے چینی رہی۔''
''تو بیٹا مجھے اٹھا دیتیں۔ میرے پاس ہاضمے کی گولی ہے۔ کھانے کے بعد میں ضرور لیتی ہوں۔ تمہیں بھی دے دیتی۔ لیکن تم لوگ تو وہ پیتے ہو ٹھنڈی بوتل۔'' نجمہ خالہ کو بولنے کا موقع مل گیا تھا۔
''ہاں مجھے خیال ہی نہیں آیا۔ سیون اپ پی لیتی۔'' اس نے کہہ کر ذرا سا سلائس کھایا تھا کہ بڑی زور کی ابکائی آئی سلائس ہاتھ سے گر گیا اور وہ اٹھ کر واش روم بھاگی۔ نجمہ خالہ اس کے پیچھے چلی آئیں اور اس کی پیٹھ سہلانے لگیں۔ خالی پیٹ الٹی کرتے ہوئے وہ نڈھال ہو گئی تھی۔ جب سیدھی ہوئی تو اس کی آنکھوں سے بے تحاشا پانی بہہ رہا تھا۔ نجمہ خالی نے واش بیسن کا نل کھول دیا۔ اس نے منہ پر چھپاکے مارے پھر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔
''آؤ بیٹا.....لیٹ جاؤ.....'' ''میں ناشتا یہیں لے آتی ہوں۔'' نجمہ خالہ اسے کمرے میں لے آئیں۔
''نہیں خالہ۔ ابھی میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔''
''اچھا لیٹ تو جاؤ۔''
''جی آپ پردے برابر کر کے دروازہ بند کر دیں۔'' اس نے لیٹتے ہی ریموٹ اٹھا کر اے سی آن کر دیا۔
''جوس بنا لاؤں؟'' نجمہ خالہ نے پردے برابر کر کے پوچھا تو وہ قدرے چڑ کر بولی تھی۔
''نہیں خالہ، ابھی کچھ نہیں، جب دل چاہے گا کہہ دوں گی آپ سے ابھی بس آپ مجھے سونے دیں۔''
نجمہ خالہ خاموش ہو کر چلی گئیں۔ تو اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ اور کچھ دیر میں سو بھی گئی تھی۔ بے خبری کی نیند تھی۔ دوپہر میں تیمور نے آ کر اسے اٹھایا۔ نجمہ خالہ نے اسے اس کی طبیعت کے بارے میں بتا دیا تھا۔

جب ہی وہ خاصا پریشان تھا۔
''خزی کیا ہوا ہے تمہیں؟''
''کچھ نہیں بس رات سے طبیعت بوجھل ہو رہی تھی۔ صبح وومیٹنگ کے بعد بہتر محسوس کر رہی ہوں۔'' وہ ابھی بھی ست لگ رہی تھی۔
''تو تم مجھے کال کرتیں۔ میں اسی وقت آ جاتا۔ خالہ بتا رہی ہیں تم نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔ چلو اٹھو، کچھ کھا لو پھر ڈاکٹر کے ہاں چلتے ہیں۔'' تیمور غزنی کی پریشانی کم نہیں ہو رہی تھی۔
''ارے نہیں غزنی! اب تو میں ٹھیک ہوں۔ ڈاکٹر کے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔
''بالکل ضرورت ہے۔'' تیمور غزنی نے اس کی ایک نہیں سنی اور اسی وقت اسے ایک گائناکولوجسٹ کے پاس لے گیا جہاں اسے خوش خبری سننے کو ملی کہ وہ باپ بننے والا ہے۔
''اوہ خزی!'' گھر آتے ہی اس نے خزینہ کو بانہوں میں بھر لیا۔
''سچ بتاؤں میں شادی کرتے ہی بچے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ تم پلیز اپنا بہت خیال رکھنا۔ مجھے بہت آرزو ہے ہمارا گھر مکمل ہو جائے۔''
پھر کتنی دیر وہ نجمہ خالہ کو اس کے بارے میں ہدایات دیتا رہا۔ اس کا کھانا پینا۔ اٹھنا بیٹھنا۔ سونا جاگنا ایک ایک بات سمجھاتا رہا۔ اس کے بعد بیڈ کی ایک طرف میز پر اس کی میڈیسن رکھ کر اسے تاکید کرنے لگا کہ وقت پر میڈیسن لینی ہے۔
خزینہ اسے اپنے لیے اتنا متحرک دیکھ کر مسکراتی رہی۔ وہ کبھی ادھر جا رہا تھا کبھی ادھر۔ شاید اس سے خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ اس دن وہ رات تک اس کے پاس رہا۔ اپنے ہاتھ سے اسے کھانا کھلایا پھر میڈیسن دی۔ اس دوران بار بار اس کا سیل فون بجتا رہا اور وہ کال ریسیو کرتے ہی کہتا ''ابھی مصروف ہوں کچھ دیر میں آتا ہوں۔'' اور تقریباً گیارہ بجے وہ اسے سلا کر گیا تھا۔
اگلے دن وہ ابھی اٹھی تھی کہ اس کا فون آ گیا۔
''کیسی ہو خزی! رات کو آرام سے سوئی تھیں۔ ابھی پہلے جوس لو پھر ناشتا کرنا اس کے بعد میڈیسن اور دیکھو کوئی پرابلم ہو تو فوراً مجھے کال کرنا۔''
پھر وقفے وقفے سے وہ فون کر رہا تھا۔ گیارہ بجے اس پر نیند سوار ہوئی تو اس کا فون آنے پر جھنجلا گئی۔
''کیا ہو گیا ہے غزنی کیوں بار بار فون کر رہے ہیں۔''
تمہاری خیریت پوچھنے کے لیے۔'' اس نے کہا تو وہ چڑ گئی۔
''کوئی ضرورت نہیں میری خیریت پوچھنے کی۔'' اس نے کہہ کر اپنا سیل پاور آف کر دیا تاکہ آرام سے سو سکے۔ لیکن کچھ دیر میں ہی غزنی آن موجود ہوا۔
''تم ٹھیک تو ہو خزینہ!'' وہ اس کی پریشانی نہیں سمجھ سکتی تھی جب ہی زچ ہو گئی۔
''یا اللہ میں بالکل ٹھیک ہوں غزنی۔ آپ کیوں اتنی فکر کر رہے ہیں۔''
''میں فکر نہیں کروں گا تو کون کرے گا۔ تم نے سنا نہیں تھا ڈاکٹر کہہ رہی تھیں خوش رہنا چاہیے۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔
''میں خوش کیوں نہیں ہوں گی غزنی۔ آپ کی محبتوں نے تو مجھے سرشار کر دیا ہے۔''
وہ اس کا ہاتھ اپنے گال پر رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''سچ مجھے اپنے آپ پر رشک آتا ہے۔ آپ میری اتنی فکر

کریں گے اتنا خیال کریں گے اتنا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"
وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا تو قدرے رک کر کہنے لگی۔
"بس ابھی ایسا ہے کہ مجھے نیند بہت آرہی ہے۔ حالانکہ رات بھی میں سکون سے سوئی تھی۔"
"اور میں بے سکون رہا......" وہ بے اختیار بولا تھا۔
"کیوں؟"
"کیونکہ دھیان تمہاری طرف تھا کہ پتا نہیں تم ٹھیک سے سوسکو گی کہ نہیں، کہیں تمہاری طبیعت خراب نہ ہو جائے۔ بس اپنی اندیشوں میں بے سکون رہا۔" وہ بے سکونی کی وجہ بتا کر کہنے لگا۔ "کیا ایسا نہیں ہوسکتا خزی کہ کچھ عرصہ کے لیے تمہاری امی اور شہرینہ یہاں آکر رہیں تمہارے پاس۔ تم کہو اپنی امی سے۔"
"کہہ تو دوں لیکن مجھے پتا ہے امی نہیں مانیں گی۔ الٹا مجھ سے کہیں گی تم آجاؤ، اور ہوتا بھی یہی ہے۔"
"ہاں لیکن......" وہ سوچ میں پڑ گیا۔
"کیا لیکن......؟" خزینہ نے ٹوکا تو وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگا تھا۔
"تم کیا چاہتی ہو؟"
"فی الحال تو میں کچھ نہیں چاہتی۔ میرا مطلب ہے مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ نجمہ خالہ بہت خیال رکھتی ہیں۔ ہاں آگے چل کر اگر ضرورت محسوس ہوئی تو چلی جاؤں گی۔ آپ پلیز ابھی سے اتنی ٹینشن نہ لیں اور نہ مجھے ٹینشن دیں۔" اس کی آخری بات پر وہ اچھل پڑا۔
"میں تمہیں کیا ٹینشن دے رہا ہوں۔"
"سب سے بڑی ٹینشن، آپ مجھے سونے نہیں دیتے۔ صبح سے کتنی کالز کر چکے ہیں ذرا گن کے بتائیں۔"
"بعد میں گنوں گا ابھی تو......" وہ شرارت پر آمادہ ہوا تو وہ بے ساختہ چلائی پھر اس کی بوکھلاہٹ پر ہنستی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

وقت سرعت سے گزر رہا تھا۔ خزینہ کے پاس کیونکہ کرنے کو کچھ نہیں تھا اس لیے اکثر اب وہ بور ہو جاتی تھی۔ طبیعت میں بے زاری کے باعث نیٹ، کمپیوٹر، حتیٰ کہ ٹی وی تک آن نہیں کرتی تھی۔ اس وقت وہ ٹیرس پر کھڑی کمپاؤنڈ میں کھیلتے بچوں کو دیکھ رہی تھی کہ اچانک احساس ہوا۔ اس نے اپنے آنے والے بچے کے لیے کچھ لیا ہی نہیں۔ بس دل مچل گیا۔ فوراً تیار ہوگئی اور شہرینہ کو ساتھ لے جانے کا سوچ کر پہلے امی کے گھر آئی تو سبینہ پہلے ہی سے موجود تھی۔ کیونکہ بہت دنوں بعد ملاقات ہو رہی تھی تو وہ خوش ہو کر ملی اور خوشی کا اظہار تو سبینہ نے بھی کیا لیکن انداز میں وہی کھوج تھی۔
"اکیلی آئی ہو......؟"
"جی آپا......"
"کیسے؟"
"کیسے مطلب؟" وہ سمجھی نہیں جبکہ شہرینہ سمجھ کر بول پڑی۔
"ارے آپا آپ کو نہیں پتا خزی اپنی گاڑی اب خود ڈرائیو کرنے لگی ہے۔"
"اچھا......" سبینہ نے تعجب کا تاثر دیا پھر کہنے لگی۔ "مجھے تو یہ بھی امی نے ابھی بتایا ہے کہ تمہارے ہاں نیا مہمان آنے والا ہے۔"
"ہاں تو تم آئی کب ہو۔" حمیدہ بیگم نے سبینہ کو ٹوکا۔

''آئی نہیں ہوں تو کیا فون پر تو روز بات ہوتی ہے۔ اور میں خزینہ کا بھی پوچھتی ہوں آپ سے۔'' سبینہ کو برا ماننے کا موقع چاہیے ہوتا تھا۔

''ارے چھوڑیں ناں آپا۔ یہ بتائیں آپ نے کیا میرے گھر نہ آنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ ایک بار بھی نہیں آئیں۔'' خزینہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں سوچتی تو ہوں آنے کا لیکن ڈرتی ہوں کہ کہیں تمہیں ہماری کوئی بات بری نہ لگ جائے۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ سسرال میں تمہاری جگہ بنی کہ نہیں؟'' بظاہر سیدھا سادا انداز تھا لیکن خزینہ جانتی تھی کہ وہ اپنی کھوجی فطرت سے مجبور ہیں۔

''تیمور نے اپنے دل میں اتنی جگہ دے دی ہے آپا کہ مجھے مزید کہیں جگہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ہنس کر بولی تھی۔

''یہ تم اب کہہ رہی ہو تھوڑا وقت گزرنے دو پھر پتا چلے گا۔ کیوں امی؟'' سبینہ نے حمیدہ بیگم سے تائید چاہی تو وہ سنبھل کر کہنے لگیں۔

''ہاں لیکن کوئی مشکل نہیں ہے۔ خزینہ ماشاء اللہ ماں بننے والی ہے۔ اور مجھے یقین ہے جب تیمور کے ماں باپ کو بچے کا پتا چلے گا تو وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔''

''سچ امی......! خزینہ ایک دم خوش ہوگئی۔

''تو اور کیا۔'' حمیدہ بیگم نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ سبینہ بول پڑی۔

''بس تم اپنے میاں کو قابو میں رکھنا اور گاہے بگاہے اس پر دباؤ ڈالتی رہو کہ وہ تمہیں اپنے ماں باپ کے پاس لے جائے' ویسے وہ کہتا کیا ہے؟''

''کچھ نہیں آپا، میرا مطلب ہے وہ اپنے گھر والوں کا ذکر نہیں کرتے میں کبھی پوچھ لیتی ہوں ماما، بابا کیسے ہیں تو مختصر جواب دے کر بات بدل جاتے ہیں۔ اس لیے میں پھر کوئی اور بات پوچھتی ہی نہیں۔'' وہ سادگی سے بتا رہی تھی۔

''یہی تو تم بے وقوفی کرتی ہو۔ تمہیں اپنے سسرال کا پتا ہونا چاہیے۔ گھر میں کون کون ہے۔ اور کون کس مزاج کا ہے تاکہ آنے والے وقت میں تم اسی حساب سے تیار رہو۔ ورنہ سب تمہیں چلا جائیں گے۔ کیوں امی میں غلط کہہ رہی ہوں کیا؟'' سبینہ بڑی سمجھداری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''نہیں کہہ تو ٹھیک رہی ہو۔'' حمیدہ بیگم نے کہا تو سبینہ مزید شیر ہوگئی۔

''یہ باتیں آپ بھی اسے سمجھایا کریں امی یہ تو گھر، گاڑی سے ہی خوش ہوگئی ہے۔ اصل خوشی اپنا آپ منوانے میں ہوتی ہے۔''

''چائے لیجیے۔'' شہرینہ نے ایک دم آکر چائے کی ٹرے درمیان میں رکھ دی۔

''صرف چائے!'' حمیدہ بیگم نے حیرت کم خفگی سے شہرینہ کو دیکھا۔

''تو کیا ہوا امی ہم ہی لوگ تو ہیں۔ ہاں اگر دولہا بھائی لوگ ہوتے تو اور بھی بہت کچھ لے آتی۔'' شہرینہ کی بات سن کر خزینہ ہنستے ہوئے بولی۔

''بس ٹھیک ہے امی۔ میں صرف چائے ہی پیوں گی۔'' پھر شہرینہ کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔ ''تم نے کھانا بنالیا۔''

''ہاں سب تیار ہے کھاؤ گی؟''

''نہیں۔ میں نے اس لیے پوچھا کہ اگر فارغ ہو تو میرے ساتھ چلو۔'' اس نے کہتے ہوئے حمیدہ بیگم کو دیکھا۔ ''لے جاؤں امی اسے، مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ پھر اسے یہاں چھوڑتے ہوئے گھر چلی جاؤں گی۔''

''آج ضروری ہے کیا پھر کسی دن کر لینا شاپنگ ابھی تو میرے پاس بیٹھو۔'' حمیدہ بیگم سے پہلے سبینہ بول پڑی تھی۔

''اوہو آپا۔ آپ کون سا رک رہی ہیں ابھی طارق بھائی آجائیں گے تو چلی جائیں گی پھر ہمیں بھی جانے دیں۔ کیوں امی آپ نے بھی تو کچھ چیزیں منگوائی تھیں اور کہا تھا خزینہ کے ساتھ جا کر لے آنا۔'' شہرینہ ایک سانس میں بولے چلی گئی تو سبینہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''جاؤ بابا جاؤ۔''

خزینہ اس خیال سے خاموش رہی کہ پھر پتا نہیں کب موڈ بنے اور شہرینہ حمیدہ بیگم کی اجازت ملتے ہی تیار ہونے بھاگی تھی۔

☆☆☆

''اوہو...... آج پھر صبح ہی صبح......!'' تیمور غزنی نے لاؤنج میں قدم رکھا ہی تھا کہ اسے دیکھ کر سونیا کھلکھلائی تھی۔

''دیکھ لیں کیسا وقت آگیا ہے بہن سے ملنے کے لیے بھی راز داری سے آنا پڑتا ہے۔'' وہ ایک ہی جست میں سونیا کے قریب صوفے پر دھم سے بیٹھا تھا۔

''قیامت کی نشانی ہے بھائی۔''

''ہاہاہا......'' تیمور غزنی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''کیا بات ہے بڑے موڈ میں ہو۔ بلکہ ٹھہرو میں بتاتی ہوں۔'' سونیا نے رک کر اس کا چہرہ دیکھا پھر اچھل کر بولی تھی۔ ''سمجھ گئی گڈ نیوز ہے۔ ہے ناں''

''ہم......'' وہ محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتا چلا گیا۔

''وری گڈ...... لیکن دیکھو اب بہت احتیاط ہونی چاہیے اور اسپیشلی تمہیں خزینہ کا خیال کرنا ہے۔ آئی مین اسے اکیلا مت چھوڑو۔'' سونیا اسے سمجھانے لگی تو وہ سانس کھینچ کر کہنے لگا۔

''میں کوشش کرتا ہوں آپی کہ اسے زیادہ ٹائم دے سکوں لیکن آپ جانتی ہیں۔ بزنس پھر سارہ جس کے سامنے میں روز یہ بہانا نہیں کر سکتا کہ آفس میں کام زیادہ ہے جب ہی لیٹ ہو رہا ہوں اور سچ پوچھیں آپی تو مجھے سارہ کا زیادہ خیال رہتا ہے اور یہ سب میں اس کے لیے تو کر رہا ہوں۔''

وہ تو ٹھیک ہے لیکن...... خیر چھوڑو...... یہ بتاؤ تم نے آگے کا کیا سوچا ہے۔ خزینہ کو کیسے آمادہ کرو گے کہ وہ بچہ......''

''یہ تو آپ مجھے بتائیں گی۔'' وہ سونیا کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔

''میں......'' سونیا پر سوچ انداز میں اسے دیکھے گئی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ سوچیں میں پھر آؤں گا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تو سونیا چونک کر پوچھنے لگی۔

''ارے یہ اچانک کیا یاد آگیا تمہیں۔''

''آفس۔'' وہ اسی قدر کہہ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے وہاں سے نکل آیا اور گو کہ اس وقت آفس جانا بہت ضروری تھا لیکن سونیا نے ایسی بات چھیڑ دی تھی کہ وہ خاصا ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ جب ہی آفس جانے کے بجائے خزینہ کے

پاس آ گیا۔

''ارے میں ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ آج آپ کا فون نہیں آیا۔'' خزینہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''میں خود آ گیا۔''

''اچھا کیا۔ آیئے میں آپ کو ایک چیز دکھاؤں۔'' خزینہ اس کا بازو تھام کر بیڈ روم میں لے آئی تو وہ بیڈ پر اتنا پھیلاوا دیکھ کر رک گیا۔

''یہ سب کیا ہے؟''

''آپ بیٹھیں تو۔'' خزینہ اس کا بازو چھوڑ کر بیڈ پر چڑھ گئی اور اس کے بیٹھنے کی جگہ بناتے ہوئے بولی۔

''یہ سب ہمارے آنے والے ننھے مہمان کی چیزیں ہیں۔''

پھر بہت شوق سے ایک ایک پیکٹ کھول کر دکھانے لگی۔ ساتھ ساتھ بولتی بھی جا رہی تھی۔ خوشی اس کی آواز اس کے لہجے اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ تیمور غزنی کی نظریں بار بار اس کے چمکتے چہرے پر ٹھہر جاتیں لیکن بہت کوشش کے باوجود وہ اس کی طرح خوشی کا اظہار نہیں کر سکا۔

''کل تو میں ایسے ہی چلی گئی تھی۔'' اب وہ سب سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''جب ہی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا لوں، کیا نہ لوں۔ اب پہلے لسٹ بناؤں گی۔ ٹھیک ہے ناں۔''

''ہم.....'' تیمور غزنی کے ذہن میں یقیناً کچھ اور چل رہا تھا۔ بیڈ سے اٹھ کر صوفے پر جا بیٹھا۔

خزینہ نے سب پیکٹ ڈریسنگ روم میں لے جا کر الماری میں رکھے پھر اس کے پاس آ بیٹھی۔ تیمور غزنی نے اس کے کندھے پر بازو پھیلایا۔ تو وہ اس کے ہاتھ کی انگلیاں تھام کر کہنے لگی۔

''پتا ہے غزنی رات میں کیا سوچتی رہی۔'' وہ ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں اور وہ جانے کس دھن میں تھی اس کی خاموشی محسوس ہی نہیں کر رہی تھی۔ اپنا بولے گئی۔

''میں نے سوچا جب آپ کے ماما بابا کو ہمارے بچے کا پتا چلے گا تو یقیناً وہ ساری ناراضی بھول کر خوش ہو جائیں گے۔ اور پھر وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ ہے ناں!''

''ہو سکتا ہے۔'' تیمور غزنی نے سگریٹ سلگانے کے بہانے جانے کیا کچھ سوچ ڈالا پھر طویل کش لینے کے بعد کہنے لگا۔ ''اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بابا صرف بچے کو لے جانے کی بات کریں۔''

''کیا.....!'' وہ جو اس کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ جھٹکے سے پرے ہٹی تھی۔

''ہاں خزی! میرے بابا ایسے ہی ہیں۔ میری من مانی کی وہ مجھے ایسی ہی سزا دینے کا سوچیں گے۔'' اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

''پھر تو انہیں ہمارے بچے کا بھی پتا نہیں چلنا چاہیے۔ آپ انہیں نہیں بتائیں گے۔ وعدہ کریں غزنی آپ بچے کا کسی کو نہیں بتائیں گے۔'' ''کم آن یار۔ پہلے بچہ آنے دو۔ اور تم کیا سمجھتی ہو۔ میں بابا کو بچہ لے جانے دوں گا۔ نو.....'' وہ اب اسے تسلی دے رہا تھا۔

☆☆☆

کتنے دن بلکہ مہینے گزرنے کے باوجود بھی حمزہ کو ربیکا کی ماں کا تحقیر آمیز انداز نہیں بھولتا تھا۔ مسلسل اس کے اندر آگ سی لگائے رکھتا تھا اور اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس عورت کے منہ پر ایسا طمانچہ مارے کہ پھر وہ ساری زندگی نہ بھولے اور اس کے لیے وہ جانے کیا کیا سوچتا رہتا تھا۔ اور آخر ایک سوچ پر گرفت کر کے ہی وہ ربیکا سے

کہہ رہا تھا۔
''سنو! اب ہمیں شادی کر لینی چاہیے۔''
''اچھا......'' ربیکا محظوظ ہو کر پوچھنے لگی۔ ''تو اس کے لیے کیا پلان کیا ہے تم نے آئی مین شادی کے لیے؟''
''کوئی پلان نہیں۔ بس قریبی عزیزوں کی موجودگی میں نکاح ہو گا اس کے بعد میں تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا۔'' وہ کیونکہ پہلے سے سوچ چکا تھا اس لیے بہت آرام سے بولا تھا جبکہ ربیکا اچھل پڑی۔
''واٹ! تم مجھے اس گھر میں لے جاؤ گے؟''
''ظاہر ہے ابھی تو وہی ایک گھر ہے میرے پاس۔'' اس نے یوں کندھے اچکائے جیسے مجبوری ہے۔ ربیکا نفی میں سر ہلانے لگی۔
''پھر......؟'' وہ سوالیہ نشان بن گیا۔
''پھر یہ کہ ڈیڈی مجھے سب کچھ دیں گے۔ جس میں سرفہرست ویل فرنشڈ بنگلا اور ہم شادی ہو کر وہیں جائیں گے۔'' ربیکا کے انداز میں اس کی ماں جیسا تفخر جھلکتا دیکھ کر اسے خود پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔ سختی سے بولا تھا۔
''ہرگز نہیں۔ میں اپنی اماں اور بہن سے الگ نہیں ہو سکتا۔''
''الگ کیوں وہ بھی ہمارے ساتھ رہیں گی۔''
''بھی'' ایک ذرا سے لفظ بھی میں کیا کچھ نہیں تھا۔ حمزہ کے اندر زہر بھر گیا۔
نہیں ربیکا۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ میری اماں کبھی اپنا گھر نہیں چھوڑیں گی اور نہ میں ایسا چاہوں گا۔ ہماری شادی ہو گی تو اسی گھر میں ورنہ......'' وہ ہونٹ بھینچ گیا۔ ربیکا کتنی دیر اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔
''کیا تم بھول گئے حمزہ تم نے کہا تھا کہ تم اپنی مرضی سے مجھے دان کر چکے ہو اور اب جو میں چاہوں گی۔ پھر تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو، کیا سچ مچ تم یہ چاہتے ہو کہ میں محل چھوڑ کر جھونپڑی میں جا رہوں۔''
''نہیں رہ سکتی تو پھر اپنے ہی جیسے محلوں میں اپنا راجا تلاش کرو۔'' اس کے حتمی انداز پر وہ چیخ پڑی۔
''شٹ اپ حمزہ۔''

☆☆

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

عمارہ امداد

''ارے عافیہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ نہیں ردا کی بات تو پکی نہیں کردی۔'' ایئر پیس سے سونیا بھابھی کی بوکھلائی اور حیرانگی میں ڈوبی آواز ابھری تھی جسے محسوس کرتے ہوئے اس کے اندر تک خوشی اور سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔

''نہیں .....نہیں بھابھی، ایسی تو کوئی بات نہیں، ابھی تو ان لوگوں نے صرف رشتے کی بات کی ہے۔'' اس نے اپنی خوشی پر قابو پاتے بظاہر سرسری لہجے میں کہا۔

''چلو ٹھیک ہے، بس اب اس سے آگے بات بڑھنی بھی نہیں چاہیے، ہم سب کو تمہاری ردا بہت پسند ہے، ایک طرف خالد بھائی کے کولیگ کا بیٹا ہے تو دوسری طرف تمہارے بھائی کا بیٹا، مجھے امید ہے تم لوگ میرے بیٹے کو ہی فوقیت دو گے۔'' ان کے لہجے میں مان تھا۔

''کیوں نہیں بھابھی، ہمیں ذوہیب سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں، لیکن پھر بھی اس کے لیے آپ کو باقاعدہ رشتہ تو لانا ہوگا تاکہ خالد کے سامنے بھی بات ہو جائے۔'' اس نے مسکراتے لہجے سے مناسب لفظوں میں اپنی بات ان تک پہنچائی۔

''ہاں ہاں بالکل، ہم جلد ہی آئیں گے۔ آج کل زیبی بھی آئی ہوئی ہے اور کل رات ہی ہم ذوہیب کی شادی کی بات کررہی تھیں۔''

''اچھا! زیبی بھی آئی ہوئی ہے، یہ تو اور اچھی بات ہے بس آپ اسے بھی لے کر آئیے گا اور اگر ہو سکے تو جلد ہی ہماری طرف چکر لگالیں، آپ نے کہہ دیا میرے لیے یہی بہت ہے، آپ کی زبان پر اعتبار ہے لیکن آپ کے آنے سے خالد کو تسلی ہو جائے گی۔'' اس نے مزید اپنی بات کی وضاحت دی۔

''بالکل میں سمجھ سکتی ہوں ظاہر ہے ہم ان سے بات کریں گے تب ہی حتمی بات ہوگی، بس میں آج ہی فاروق سے بات کر کے تمہیں اپنے پروگرام سے آگاہ کروں گی۔'' وہ خوش دلی سے بولیں۔

''جی بھابھی .....ٹھیک ہے میں آپ کی آمد کی منتظر رہوں گی۔''

''ضرور، ان شاءاللہ۔''

اختتامیہ سلام دعا کے بعد فون بند کر کے جب وہ لاؤنج میں آئی تو ایک طمانیت کی لہر رگ و پے میں دوڑ رہی تھی۔ اس کی تو دلی خواہش تھی کہ ردا کی شادی ذوہیب سے ہو جائے۔ ذوہیب اس کے تایا زاد فاروق بھائی کا بیٹا تھا جو سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر تھے اور سونیا بھابھی تو اس کے لیے بڑی بہنوں کی طرح تھیں۔ وہ شروع سے ہی اس کو بہت پسند تھیں وہ چونکہ ایک ہی محلے میں رہتے تھے اس لیے سونیا بھابھی کی فاروق بھائی سے شادی ہوتے ہی اس کی ان سے دوستی ہوگئی تھی۔ پھر ان کی شادی کے تین سال بعد اس کی شادی دوسرے شہر میں ہوگئی تھی لیکن فون پر پھر بھی اس کا ان سے کم سہی لیکن رابطہ رہا تھا۔

ردا دس سال کی تھی جب خالد کا تبادلہ لاہور میں ہی ہو گیا تھا۔ اس عرصہ میں فاروق بھائی نے ایک نجی

رہائشی کالونی میں اپنا گھر بنالیا تھا خالد کو بھی یہ صاف ستھری کالونی اچھی لگی تھی اور خوش قسمتی سے اسے ان کے گھر کے قریب ہی مناسب کرائے پر گھر مل گیا تھا۔ اور یوں اس کا ان سے مزید گہرا تعلق جڑ گیا تھا۔ جیسے سونیا بھابھی بے حد اچھے اخلاق اور سلجھی ہوئی طبیعت کی مالک تھیں ویسے ہی ذوہیب بھی عادات میں اپنی ماں کا پرتو تھا۔ بہت عرصے سے اس کے دل میں یہ خواہش پنپنے لگی تھی اور اسے کئی دفعہ لگا تھا کہ سونیا بھابھی بھی ردا سے خصوصی انسیت رکھتی ہیں۔ دو دن پہلے خالد نے اپنے کولیگ کے بیٹے کا ذکر کیا تھا اس نے ان سے ذوہیب کی بات کی تو تب انہوں نے کہا۔

''ہوسکتا ہے یہ تمہارا وہم ہو، انہوں نے کبھی کوئی اشارہ بھی دیا ہے؟'' خالد نے سوالیہ نظریں اس پر مرکوز کی تھیں۔

''میرے سامنے تو کبھی اس موضوع پر بات



تک نہیں کی فاروق بھائی نے، ایسا نہ ہو ہم ان کے انتظار میں یہ رشتہ بھی گنوا دیں کیونکہ یہ رشتہ بہت معقول ہے اور لوگ بھی میری جان پہچان کے ہیں۔''
بات تو خالد کی بھی ٹھیک تھی، تب سوچنے پر اس کے ذہن میں یہ خیال آیا، اس نے بھابھی سے فون کر کے رسمی دعا سلام کی اور باتوں باتوں میں ردا کے لیے آئے رشتے کی بھی بات چھیڑ دی، اور آگے سے ان کا اتنا حوصلہ افزا جواب سن کر تو اس کی خوشی دو چند ہو گئی تھی۔

''اللہ میری بیٹی کے اچھے نصیب کرے، اپنوں میں ہی چلی جائے گی اور مجھ سے زیادہ دور بھی نہیں ہو گی۔'' وہ چہرے پر ممتا بھری فطری محبت کا عکس لیے ردا کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆☆☆

''نانو! ماما کب آئیں گی؟'' ہر پانچ سے دس منٹ بعد تین سالہ عزہ منہ بسورے ان سے لازمی یہ پوچھتی تھی، اسے ہر بار ''بس تھوڑی دیر میں آجائیں گی'' کی تسلی دے دے کر اور اسے بہلانے کو کبھی کھلونے دیتیں کبھی کچھ کھانے کو دیتیں اب سونیا قدرے بے زار ہو گئی تھیں۔ وہ شام کی چائے بنا کر لاؤنج میں آئیں تو فاروق ٹی وی دیکھ رہے تھے، پاس ہی قالین پر بیٹھی اپنے کھلونوں سے کھیلتی عزہ نے انہیں دیکھتے ہی پھر ماں کے بارے میں پوچھا۔

''آپ اپنے کھلونوں سے کھیلو ماما بس آتی ہیں۔'' انہوں نے پھر وہی جواب دے کر اسے بہلایا اور ہاتھ میں پکڑا موبائل اس کے پاس پڑی میز پر رکھ دیا۔

''اس زینی کا بھی کوئی حال نہیں، بھئی شادی اور بچوں کے بعد کہاں کی دوستیاں؟ بچی بے چاری پریشان ہو رہی ہے اور وہ ہے کہ جو سہیلی سے ملنے گئی ابھی تک واپس نہیں آئی، ذوہیب بھی ابھی تک نہیں آیا ورنہ اسے کہہ دیتی کہ جا کر اسے لے آئے۔'' فاروق کو چائے کا کپ پکڑاتے انہوں نے بیٹی کی شکایت کی۔

''کوئی بات نہیں، شادی کے بعد اپنے گھر میں اتنی مصروف ہوتی ہے ہماری طرف بھی کتنا کم آتی ہے، کبھی کبھی دل چاہتا ہے پرانے دوستوں سے ملنے کو، آجائے گی ابھی۔'' انہوں نے جھٹ سے بیٹی کی طرف داری کی۔

''پتا ہے مجھے آپ تو بیٹی کا ہی ساتھ دیں گے۔'' وہ اپنی چائے لے کر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔ جواباً وہ بھی مسکرا دیے۔

''اچھا چھوڑیں اس بات کو، مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' اچانک انہیں یاد آیا تو بولیں۔

''آج عافیہ کا فون آیا تھا، بتا رہی تھی خالد بھائی کے کسی کولیگ نے اپنے بیٹے کے لیے ردا کا رشتہ مانگا ہے۔''

''اچھا! اللہ بچی کے حق میں بہتر کرے۔'' سونیا نے بغور انہیں دیکھا۔ ان کے الفاظ دعائیہ، چہرہ بے تاثر اور لہجہ رسمی سا تھا۔

''لیکن میں تو چاہ رہی تھی کہ ہم ذوہیب کے لیے ان سے ردا کی بات کریں، گھر کی دیکھی بھالی بچی ہے اور عافیہ اور خالد دونوں ہی آپ کی اتنی عزت کرتے ہیں۔'' انہوں نے حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور بولے۔

''نہیں اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے میرا ان کی طرف کوئی ارادہ نہیں، خاندان اور ملنے جلنے والوں میں اور بھی بہت بچیاں ہیں کہیں اور دیکھ لو صرف ردا ہی تو نہیں رہ گئی۔'' دوٹوک انداز میں کہتے وہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، اپنے تئیں وہ بات ختم کر چکے تھے۔ ان کے اتنے قطعی انداز پر لحظہ بھر کے لیے وہ خاموش سی ہو گئیں، ان کے انداز سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ انہیں اس رشتے میں سرے سے دلچسپی ہی نہیں ہے۔ وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ وہ سنتے ہی خوشی کا اظہار کریں گے انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ لیکن یہاں تو معاملہ بالکل برعکس لگ رہا تھا۔

''لیکن میں تو اس سلسلے میں عافیہ سے کہہ بھی

چکی ہوں۔" انہوں نے ڈرتے ڈرتے شوہر کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا کیونکہ اگر ان کے مزاج کے خلاف بات ہو جاتی تو انہیں غصہ بھی بہت جلد آ جاتا تھا۔ انہوں نے بے ساختہ سونیا کو بے یقین نظروں سے دیکھا تھا۔

"مجھ سے پوچھے بغیر تم نے فیصلہ بھی کر لیا، اب یہ تمہارا درد سر ہے کہ تم اسے کس طرح منع کرتی ہو میری طرف سے صاف انکار ہے۔" اب کے قدرے سخت لہجے میں کہا گیا تھا۔ ان کے انداز سے وہ عجیب مخمصے کا شکار ہو گئی تھیں، یہ کیا ہو گیا تھا اپنے تئیں تو وہ بات پکی کیے بیٹھی تھیں۔

"ظاہر ہے میں تو وہی کروں گی جو آپ کی مرضی ہو گی لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آ سکا کہ آپ کے اعتراض کی وجہ کیا ہے۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد انہوں نے الجھے لہجے میں انہیں پھر مخاطب کیا۔ وہ کچھ دیر پر سوچ نظروں سے انہیں دیکھتے رہے اور گہری سانس بھر کر بولے۔

"تمہاری عافیہ کے ساتھ شروع سے دوستی ہے، میں نے کبھی تمہیں منع بھی نہیں کیا پھر وہ بھی ہم سب سے بہت پیار سے ملتی ہے عزت کرتی ہے اس لیے میں نے تمہیں کبھی نہیں روکا، اس میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کے وہ مجھے کبھی بھی بہت پسند نہیں رہی اور اس کی وجہ میں نے کبھی تمہیں نہیں بتائی لیکن اب تم رشتہ ہی کرنے کا سوچنے لگی ہو تو میرے خیال میں مجھے تمہیں بتانا چاہیے۔" فاروق لحظہ بھر کے لیے خاموش ہوئے تو وہ ہمہ تن گوش ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگیں، عافیہ کے لیے ان کے ایسے خیالات سونیا کے لیے یقیناً حیرت کا باعث تھے۔

"میرے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں اتنے برسوں میں یہ تو اندازہ ہو ہی گیا ہو گا کہ میرے کچھ نظریات ہیں، کچھ خیالات ہیں جن میں میں کبھی بھی ردوبدل نہیں کرتا اور میں نے بڑوں سے ہمیشہ یہی سنا ہے کہ جب بیٹے کا رشتہ کرو تو لڑکی کی ماں کو ضرور دیکھو ماں کا بہت اثر آتا ہے اور میں اس بات کو مانتا بھی ہوں اور عافیہ کا ماضی مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔" فاروق رسان سے بولتے جا رہے تھے اور سونیا کی تو ساری حسیات اردگرد سے بے نیاز فاروق کی بات کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

"تمہیں یہ تو پتا ہے عافیہ کی شادی اچانک ہی ہو گئی تھی لیکن اس کی وجہ نہیں جانتی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے گھر والوں کو بے حد تنگ کر رکھا تھا۔ پڑھائی کے بہانے چچی جان کو بے وقوف بناتی رہی، گھر سے اکثر ٹیوشن کا کہہ کر کسی لڑکے سے ملنے جاتی تھی اور اس کو اس لڑکے کے ساتھ دیکھنے والا بھی میں ہی تھا، تب میں نے خاموشی سے اس کے گھر والوں کو بتا دیا تھا، حقیقت تو یہ تھی کہ وہ لڑکا ہی کیا میں نے اپنی امی سے سنا تھا کہ اس سے پہلے بھی اس کا کسی لڑکے کے ساتھ کوئی چکر چل رہا تھا۔ اب کی بار جب میں نے دیکھ لیا تو چچا جان نے اسی میں عافیت جانی کہ اس سے پہلے کہ ان کی کوئی بدنامی ہو انہوں نے جھٹ سے اس کی شادی کر دی۔ اب تم چاہے میری اس سوچ پر اعتراض کرو، چاہے جواب میں کوئی تاویل دینے کی کوشش کرو لیکن میرا کورا جواب ہے، سیدھی سی بات ہے میں آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتا، میں کبھی بھی عافیہ کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی نہیں کروں گا، اور بس اب مزید کوئی بات نہیں، مجھے پروگرام دیکھنے دو۔" اپنی بات ختم کرتے ہوئے انہوں نے اختتام میں تنبیہی انداز اپنایا اور نظریں دوبارہ ٹی وی پر چلتے سیاسی پروگرام کی طرف مرکوز کر دیں۔

وہ جانتی تھیں کہ اب وہ اس موضوع پر قطعاً بات نہیں کریں گے اس لیے خاموشی سے اٹھ گئیں۔ تب ہی نظر کچھ فاصلے پر بیٹھی عزہ پر پڑی جو ہاتھ میں ان کا موبائل لیے کھیل رہی تھی، اپنی باتوں میں ابھی وہ اسے یکسر بھول گئی تھیں۔

"لو میں بھی کہوں اپنی عزہ اتنی خاموشی سے کیسے ٹک کر بیٹھی ہے؟ میرا موبائل جو لیا ہوا ہے۔" انہوں نے موضوع بدلنے کی غرض سے ہنستے ہوئے کہا۔

"لاؤ، نانو کو موبائل دو۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آئیں اور عین اسی وقت دوسری طرف ٹھک سے کال بند کردی گئی تھی۔

"واقعی انسان کو سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے، مجھے کیا جلدی پڑی تھی کہ میں نے فاروق سے بات کیے بغیر جھٹ سے عافیہ سے بات کر کے اسے امید بھی دلا دی، اب کن لفظوں میں اس سے معذرت کروں گی۔" عزہ کے ہاتھ سے موبائل لیتے ہوئے وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھیں، بغیر موبائل اسکرین کو دیکھے انہوں نے موبائل ہاتھ میں لیا اور چائے کے خالی کپ اٹھائے سوچتی کچن کی طرف بڑھ گئیں اور دوسری طرف عافیہ کی حالت تو کئی ثانیے کے لیے ایسی ہوگئی تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، فاروق بھائی کے اپنے بارے میں خیالات جان کر ایک زوردار جھٹکا لگا تھا کہ وہ سنبھل نہیں پا رہی تھی۔

اس کے موبائل کی اسکرین پر سونیا بھابھی کا نام جگمگایا تو اس نے وفور شوق سے جھٹ موبائل کان سے لگایا تھا، دو تین دفعہ سلام کے جواب میں بھی کوئی نہیں بولا تھا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ کسی بچے نے کال ملائی ہے یا غلطی سے مل گئی ہے۔ اے سے نام شروع ہونے کی وجہ سے زیادہ تر لوگوں کی فون بک پر سرفہرست اس کا نام ہی ہوتا تھا اور ایسی کالز اسے اکثر آجاتی تھیں یہ بھی ایسی ہی کال تھی، یہ سوچ کر وہ کال بند کرنے ہی لگی تھی کہ فاروق بھائی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اسے سن کر دینے کو کافی تھی۔

کتنے سال بیت گئے تھے نادانی میں کی گئی لغزشیں وہ اپنے تئیں بھلائے بیٹھی تھی لیکن وہ یہ بھول گئی تھی لوگ نہیں بھولتے، یہ انکشاف بھی اس پر آج ہی ہوا تھا کہ فاروق بھائی اس کی زندگی کے اس پہلو سے بھی واقف ہیں، ایک ندامت اور شرمندگی کے احساس نے جکڑا تھا۔ آج برسوں پہلے اماں کی کہی گئی باتیں یاد آرہی تھیں۔

"انسان سے ایک دفعہ کوئی غلطی ہو جائے تو وہ پھر پیچھا نہیں چھوڑتی، چاہے وہ چھوٹی سی لغزش ہی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ کچی عمر میں کی گئی ہو ہمیشہ تعاقب میں رہتی ہے اور لڑکیوں کی تو اس معاملے میں پکڑ بھی زیادہ ہوتی ہے، آنے والے کل میں اپنی زندگی میں مصروف ہو کر اگر تم بھول بھی جاؤ گی لیکن لوگ بھولنے نہیں دیں گے، پھر تم اس پر جتنا مرضی نادم ہونا لوگ معاف نہیں کریں گے کیونکہ معاف کرنا صرف رب سوہنے کی شایان شان ہے۔" تب یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی لیکن آج اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی۔

ردا کے لیے صرف ذوہیب کا ہی رشتہ نہیں تھا، یہاں نہیں تو کہیں اور بات ٹھہر جاتی، اس نے بھابھی سے خود ہی ردا کے رشتے کے متعلق بات کر کے معذرت کرنے کا سوچ لیا تھا، وہ کہہ سکتی تھی کہ خالد ردا کا رشتہ اپنے کولیگ کے بیٹے کے ساتھ ہی کریں گے یوں اس کا بھرم بھی رہ جاتا لیکن عمر کے اس حصے میں اسے خود سے نظریں ملاتے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی کجا کہ وہ اب فاروق بھائی اور سونیا بھابھی کا سامنا کرتی، دل بوجھل سا ہو گیا تھا برسوں پرانی باتیں جن پر ماہ وسال کی گرد پڑ چکی تھی پھر بھی انہیں دہرایا جا رہا تھا لیکن اپنے دفاع میں وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی، خاموشی ہی بہتر تھی کیونکہ اپنی رنگین مزاجی کی بدولت یہ موقع اس نے خود ہی دوسروں کو فراہم کیا تھا۔

☆☆

ام ایمان قاضی

ابا جی میں اور تم

دروازہ اتنی زور سے بجایا جا رہا تھا کہ اسے لگا ابھی زوردار دستک کی تاب نہ لا کر ٹوٹ کر نیچے آن گرے گا..... شرٹ کے بٹن غلط ملط بند کرتا وہ دروازہ کھولنے آیا..... باہر بڑی بھابھی کو اس سے بھی زیادہ جلدی تھی، تبھی عجلت میں خفگی سے بولی تھیں۔

''کتنے سست انسان ہو تم عدی! بچے کب کے تیار بھی ہو گئے اور تمہیں اپنے سولہ سنگھار سے ہی فرصت نہیں مل رہی.....''

''کک ..... کیا مطلب..... میں تو یونی جا رہا ہوں، بہت امپارٹنٹ ٹیسٹ ہے میرا.....'' وہ ہکلا کر بولا کہ بھابھی کا حتمی انداز اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجا گیا تھا۔

''ارے رہنے دو تمہارے ٹیسٹ..... وہ تو ہوتے ہی رہتے ہیں اور تم کون سے وہ والے لائق فائق اسٹوڈنٹ ہو جو ہر ٹیسٹ کو زندگی اور موت کا مسئلہ سمجھتا ہے یہ تو ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی کہ تم یونی صرف گھومنے پھرنے اور بھائیوں کا پیسہ برباد کرنے جاتے ہو..... اب یہ ہی دیکھ لو، سوال کر کے کتنا ٹائم ویسٹ کر دیا میرا۔ خیر جلدی سے تیار ہو کر نیچے آؤ..... آج بچوں کی منتھلی پیرنٹس میٹنگ ہے اور تم نے جانا ہے..... تمہارے بھائی کی ایک ضروری میٹنگ ہے، میں نے بھی ضروری لیکچر کے لیے جلدی نکلنا ہے۔''

بھابھی کی تیز گام سے بھی زیادہ تیز رفتار سے چلتی زبان جب چلی تو رکنے سے انکاری ہو جاتی تھی..... جیسا کہ اب ہوا تھا۔ ..... وہ اس کے حواسوں پر بم گرا کر جا چکی تھیں۔

''شٹ..... بچے پیدا کرنے کا شوق تھا..... ان کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں..... یہ نہیں پتا..... بچوں کے منتھلی پیرنٹس ڈے پر جانا ہے۔ اب تو اسکول والے بھی مجھے ہی بچوں کا فادر سمجھنے لگے ہیں۔'' سیڑھیاں اترتے اسے چھوٹی بھابھی نزاکت سے اوپر آتی دکھائی دی تھیں۔ دماغ میں ایک بار پھر خطرے کی گھنٹی نے الارم بجایا تھا۔

''ہاں عدی! تھینک گاڈ تم مجھے یہیں مل گئے ورنہ بغیر ناشتے کے اتنی سیڑھیاں چڑھنا بھی ایک ٹف جاب تھی میرے لیے۔'' نزاکت سے چہرے پر آیا نادیدہ پسینہ صاف کرتی وہ دوسرے نمبر والی شینا بھابھی تھیں۔

''جی بھابھی! فرمایئے کوئی کام تھا کیا.....؟''

''ہاں میرے پیارے بھائی! اپنے بھائی کا تو تمہیں پتا ہی ہے ناں ایک آفس ہی ان کو لگتا ہے کہ ضروری ہے زندگی میں، باقی سب بے کار یہ بلز روزانہ یاد کراتی ہوں۔ روزانہ ہی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر میری جان کو روتے نظر آتے ہیں..... اب دیکھو ناں میں بھی تو فارغ نہیں بیٹھی ہوئی نا اتنی ہی مصروف ہوں جتنے وہ بلکہ ان سے کہیں زیادہ ہی مصروف ہوتی ہوں۔ آج لاسٹ ڈیٹ ہے تو تم یہ جمع کرا دینا

پلیز اور رقم ڈیو اماؤنٹ سے اتنے زیادہ ہیں کہ ان سے اچھا سا لنچ لے سکتے ہو تم......"
انہوں نے بلز کے ساتھ ہی کئی ہرے نیلے نوٹ پکڑائے اور یہ جا وہ جا، پیسے دیکھ کر عدی کا بگڑا موڈ ذرا ٹھیک ہوا تھا......مگر جب تک وہ نیچے آیا۔ خالی ڈائننگ ٹیبل پر بچے کھچے ناشتے کے لوازمات اور اسکول کے لیے تیار بچے اس کے انتظار میں تھے۔
اسی پل اپنے کمرے سے کھنکارتے اباجی بھی نکل آئے تھے۔
تمہاری بھابھیاں تو چلی گئیں برخودار...... رضیہ بھی دس بجے آکر شکل دکھائے گی اور دو سوکھے نوس سامنے رکھ دے گی......آج ذرا پراٹھا کھانے کو دل کر رہا ہے...... اگر تم ...... بنا دیتے تو مزا ہی آجائے......"
"وہ تو ٹھیک ہے دادا جی! مگر ہمیں دیر ہو رہی ہے......ماما نے کہا تھا کہ ٹائم پر اسکول پہنچنا ہے۔"
اسد سے دادا جی کا چٹخارے دار پروگرام ہضم نہ ہوا کہ دادا جی کے ناشتے میں چاچو کو دیر ہوئی تھی اور چاچو کی دیر کا مطلب ان کا اسکول لیٹ پہنچنا۔ پھر پرنسپل کا مما کو فون اور ان دونوں بہن بھائیوں کی مما کے ہاتھوں ایک زبردست جھاڑ اور دو دن کا جیب خرچ بند۔
"پلیز دادا جی! آپ کسی اور دن عدی چاچا کے ہاتھ کا پراٹھا کیا لنچ کھا لیجیے گا۔ ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔"
"چپ نامعقول بچے! یہ میری اولاد ہے یا تمہاری جو تمہارے حکم کا غلام ہوگا۔ اور تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو...... میں سمجھا پراٹھا بنانا شروع بھی کر چکے ہوگے......"
اباجی نے ایک ہی ڈانٹ میں پوتے اور بیٹے کو بھگتایا۔
بوکھلا کر عدی کچن کی طرف بھاگا......وہ تو شکر ہوا کہ فریج میں گندھا آٹا موجود تھا ورنہ اباجی سے کچھ بعید نہیں تھا کہ آج اگر پراٹھے کا موڈ تھا تو آٹا نہ ہونے کی صورت میں اس سے گندھوا کے پراٹھا کھاتے......ایسے تو نہیں کہہ گئے سیانے کے بزرگ اور بچے جب ضد پر آجائیں تو اپنی منوا کر چھوڑتے ہیں۔
"آملیٹ بھی بنا دیا ہے......کھائیں اور میرے حق میں دعا کریں۔" عجلت میں اس نے اباجی کے سامنے ناشتا لا کر رکھا......ایپرن اتار کر وہیں ڈائننگ ٹیبل پر پھینکا اور ہاتھوں سے ہی بال سنوارتا بچوں کو اشارہ کرتا باہر نکل گیا......
"جیوندا رہ میرا پتر......!"
انہوں نے مسکراتے ہوئے ناشتے کی ٹرے اپنی طرف کھینچی۔

☆☆☆

"تم سوچ نہیں سکتی غناء! میں آج کتنی خوش ہوں" صائمہ بھابھی کی خوشی دیدنی تھی۔
"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے میری بہن......صرف تمہاری وجہ سے......روبینہ بھابھی تو جل کر کوئلہ ہو گئیں ایمان سے......ہر دفعہ اپنے بچوں کی ٹرافیاں لے کر دل جلانے آجاتی تھیں میرا...... تمہارے بھائی الگ خفا ہوتے تھے مجھ پر......یہ لو تمہارا انعام......" انہوں پانچ سو کا نوٹ نکال کر اسے پکڑانا چاہا۔
"یہ کیا ہے؟" بہت دیر بعد وہ بولی تو صرف اتنا ہی......
"یہ......یہ تمہارا انعام ہے۔" اس کا مخصوص سنجیدہ انداز دیکھ کر وہ شپٹا کر بولیں۔
"مجھے کسی سے اس گھر میں انعام کی ضرورت نہیں ہے مگر میرے کام کا مجھے پورا پورا معاوضہ ہر صورت چاہیے......یہ اپنی بھیک اٹھا لیجیے اور بچوں کو کل سے ٹیوشن کے لیے بھیجیں تو فیس بھیجے گا ورنہ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے......ویسے بھی مسز ملک نے مجھے اپنے بچوں کے لیے کہا ہوا ہے......آپ کا

یہی حال رہا تو پھر میں ان کو ہاں کر دوں گی اور پھر آپ لاکھ میری منتیں کریں۔ میں نے آپ کے بچوں کو نہیں پڑھانا..... آپ جانتی ہیں کہ میں اپنی کمٹ منٹ کی کتنی پکی ہوں.....''

''ارے ارے میری بہن! ناراض ہوگئی تم تو ..... اس بار تمہارے بھائی کا ہاتھ ذرا تنگ تھا تو اس لیے میں نے کہا کہ اگلی بار اکٹھے ہی دے دوں گی۔''

اور پینترا بدلنے میں صائمہ بھابھی کا مقابل کوئی نہیں تھا۔

''ہاتھ تنگ اور کھلے سے مجھے کوئی مطلب نہیں ہے..... میں نے پرسوں سمسٹر کی فیس بھرنی ہے۔ لاسٹ ڈیٹ ہے..... کل ہی بچوں کے ہاتھ فیس بھیج دیجیے گا..... اور ایک اور بات..... اپنے بھائی کو اپنی زبان میں سمجھا دیں ذرا کہ مجھ سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہے اسے..... اگر کبھی ایسی کوئی مجبوری آ بھی جائے تو اپنی آنکھوں اور زبان پر قابو رکھے۔ پھر مجھے بھی آپ جانتی ہیں کہ میں زبان اور ہاتھ کا استعمال کتنی اچھی طرح کرتی ہوں..... بھائیوں کا خون کتنا ہی سفید کیوں نہ ہو گیا ہو۔ دنیا دکھاوے کو ہی سہی بہن کی عزت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔''

''کمینی کہیں سے بھی ہاتھ نہیں آ رہی.....'' وہ اندر ہی اندر تلملائیں مگر چہرے پر تاثر وہی ازلی خوشامدی تھا جو ایسے وقت میں وہ سجا لیا کرتی تھیں۔

''ارے غناء دل کا برا نہیں ہے کامی! بس کبھی کبھی تم سے مذاق کر لیتا ہے۔ اس گھر میں تم ہی اس کی ہم عمر ہو تو دوست سمجھ کر.....''

''مرد اور عورت میں دوستی کا رشتہ ممنوع ہے بھابھی اور میرا اس سے مذاق کا بھی کوئی رشتہ نہیں ہے.....''

''ہاں ہاں! تم فکر ہی نہ کرو.....''

اب کے صائمہ بھابھی ٹھ کر جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی.....

''یہ اپنا انعام اٹھاتی جائیں.....''

اس کی آواز پر وہ واپس پلٹیں اور زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجائی پیسے اٹھا کر چلی گئیں.....

ابھی اس نے کتاب اٹھا کر پڑھنے کا موڈ بنایا ہی تھا کہ روبینہ بھابھی کی سواری باد بہاری تشریف لے آئی خود غرضی اور مطلب پرستی میں تو وہ صائمہ بھابھی کو بھی مات دیتی تھیں۔

''ارے غناء! تم تو ایسی صائمہ کو پیاری ہوئیں کہ مڑ کر اوپر کی خبر ہی نہ لی۔''

اس کے سلام کا جواب دے کر وہ بڑے پیار سے بولی تھیں۔

''بچے تمہیں بہت یاد کر رہے تھے..... اور ان کو تو کسی اور ٹیوٹر سے مزا ہی نہیں آ رہا، کہتے ہیں پڑھیں گے تو غناء آنٹی سے ورنہ کسی سے نہیں پڑھیں گے..... آدھا پونا گھنٹہ دے دیا کرو ناں ان کو..... اب بھلا اپنوں سے بھی کوئی ناراض ہوتا ہے کیا.....؟ صائمہ جتنی فیس دیتی ہے ناں اس سے زیادہ ہی دوں گی.....'' اب کے انہوں نے سرگوشی میں کہا تھا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ پچھلے دنوں رانیہ کو دیکھنے کچھ لوگوں نے آنا تھا..... بھابھی روبینہ نے اس کی زبردستی چھٹی کروائی اور ظہر کے وقت وہ جیسے ہی کچن اور گھر کا تمام کام سمیٹ کر فارغ ہوئی..... روبینہ بھابھی کو اس کی خوب صورتی چبھنے لگی اور انہوں نے اسے نیچے جانے کو کہا تھا اور یہ بھی تاکید کی تھی کہ جب تک مہمان رہیں وہ نیچے ہی رہے اور بچوں کو بھی پڑھانے نہ آئے..... عام طور پر ان باتوں کو دل پر نہ

سرورق کی شخصیت

ماڈل .... جیا طلحہ خان

میک اپ .... روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی .... موسیٰ رضا

لینے والی غناء کو اس دن ان کا رویہ اتنا برا لگا کہ اس نے اگلے دن سے ان کے بچوں پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے گھر بھی جانا چھوڑ دیا تھا...... ٹیچر تو وہ بے حد اچھی تھی...... اس کا نتیجہ اس دفعہ آنے والا صائمہ بھابھی کے بچوں کا رزلٹ تھا۔

آج سے چھ ماہ پہلے تک وہ بھی بھابھیوں کی بے دام غلام تھی، جسے گھر کا فرد کم اور ایک ملازمہ زیادہ سمجھا جاتا تھا...... بھائی بھی ستر فیصد مردوں کی طرح گھر بار بچوں اور جوان بہن کی ذمہ داری بیویوں پر ڈال کر بری الذمہ تھے۔ ہر بار سمسٹر کی فیس، کرایوں اور تعلیمی اخراجات کے لیے اسے کئی کئی دن بھابھیوں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا تھا مگر آگے اسے ان کے خرچوں کی تفصیل ہاتھ کی تنگی کے رونے ہی سننے کو ملتے تھے...... رافعہ اس کی بیسٹ فرینڈ نے اس کا یہی حل نکالا کہ اگر تعلیم جاری رکھنی ہے تو بھائی کے بچوں کو چھوڑ کر کوئی اور ٹیوشنز پکڑ لے اور اگر گھر میں کوئی اعتراض کرے تو اسے وہی معاوضہ اپنی بھابھیوں سے اپنے بچوں کے پڑھانے کا طلب کرنا چاہیے...... بے حد مجبور ہو کر اس نے ویسا ہی کیا تھا۔ کیونکہ بعض دفعہ ہماری چپ ہی ہم پر زیادتی کا باعث بنتی ہے۔

اسے بے حد حیرت ہوئی جب تیز طرار سی روبینہ بھابھی کے بچوں کو پڑھانے کے بجائے وہ ہمسائیوں کے تین بچوں کو اچھے معاوضے پر پڑھانے لگی تو وہی روبینہ بھابھی فوراً سے بیشتر ان سے زیادہ معاوضہ دینے پر تیار بھی ہو گئیں اور اس دفعہ کی سمسٹر کی فیس بھی پکڑا دی تھی۔ وجہ غناء جانتی تھی کہ پندرہ دن میں ہی ان کو غناء کی پڑھائی اور ٹیوٹر کی پڑھائی کا فرق پتا چل گیا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ غناء نے جانا کہ کچھ حقوق پر انسان کو حق جتانا اور زبردستی لینے ہی پڑتے ہیں ورنہ لوگ آپ کے حقوق کو باپ کا مال سمجھ کر غصب کرنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ رافعہ نے تو یہ بھی کہا تھا کہ وہ اتنی مشکل پڑھائی میں گھر کے کام بھی سنبھالتی ہے تو اس کی بھابھیاں اگر ملازمائیں رکھیں تو ان کو ہزاروں روپے کی مد میں ان کو دینا پڑیں...... اسے ان کاموں کا بھی معاوضہ طلب کرنا چاہیے تاکہ انہیں احساس ہو کہ ان کی بیٹیاں تو مل کر پانی پینے کی روادار تک نہیں تھیں۔ تو وہ بھی کسی کی بیٹی تھی۔

صبح کا روبینہ بھابھی کا ناشتا بنا کر وہ کالج جاتی تو رات کی روٹیاں اور برتن صائمہ بھابھی اس کے ذمہ تھے...... یہ تو تفویض شدہ کام تھے۔ اس کے علاوہ چھوٹے موٹے کئی کام تھے جو وہ وقتاً فوقتاً اس سے کرواتی رہتی تھیں نتیجتاً وہ جو کبھی اے پلس گریڈ لانے والی طالبہ تھی۔ اماں کی وفات کے بعد بمشکل پاسنگ مارکس لا رہی تھی اور اس بار تو شاید میم نے اسے بلا کر باقاعدہ وارن کیا تھا اس کی بری پرفارمنس پر اس کا بھی حل اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

اس دفعہ جب ہفتہ وار تعطیل کو بڑی بھابھی کا پیغام آیا کہ ماسی کے ساتھ آ کر کپڑے دھلوانے والا کام کر دے کہ جب تک سکینہ کے سر پر کھڑا نہ ہوا جاتا تھا۔ وہ مردانہ، زنانہ سب کپڑوں کو ملا کر سب کپڑوں کا ناس مار دیتی تھی۔ نتیجتاً بھابھی اس کو بلوا بھیجتیں وہ ماسی کو سب گھر والوں کے کپڑے الگ الگ کر کے دیتی جاتی کون سے مشین میں دھونے ہیں کون سے ہلکے ہاتھ سے ملنے ہیں اور ہاتھ پر دھونے پر کلف لگانے والے الگ اور رنگ دار کپڑے الگ الگ دھلوانا اور الگ سرف ڈلوانا بڑی دردسری تھی۔ ماسی سے زیادہ وہ تھک جاتی تھی اور بھابھی ماسی کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہوئے اچھی خاصی اضافی رقم بھی اسے پکڑا کر روانہ کرتیں۔ غناء کڑھ کر رہ جاتی۔

اس بار پڑھائی میں وارننگ نے اسے اچھا خاصا پریشان کر چھوڑا تھا۔ اسی پل بھابھی کا پیغام آنے پر اس نے رائنہ کو کہا تھا کہ جا کر اپنی ماں سے کہہ دے یا تو ماسی سے کپڑے دھلوائیں یا صرف

اسی سے، اگر اس سے دھلوائیں گی تو ماسی کے برابر اجرت بھی دینی ہوگی اگر منظور ہے تو اسے ابھی آکر بتادے ورنہ اس کا کل ٹیسٹ ہے۔ اسے پریشان نہ کیا جائے......اسے پھر کوئی بلانے نہ آیا تھا اور رات کو بھابھی رونا لے کر آئی تھیں کہ ماسی نے ان کے کپڑے ایک ساتھ دھو کر کئی کپڑوں کے رنگ خراب کردیے تھے۔ وہ خاموش بیٹھی کتاب میں منہ دیے رہی۔ بول بال کر وہ خود ہی اٹھ گئی تھیں۔

دو دن بعد رانیہ جب اس سے اپنا جرنل مکمل کرانے آئی تو اس کے ہاتھ میں پانچ سو کا نوٹ بھی تھا۔ شاید پچھلا ماں کو دیا جانے والا پیغام جو غناء کی طرف سے تھا۔ یاد تھا اور زندگی میں پہلی بار غناء نے اس کا کام بہت دل سے اور دلچسپی سے کیا تھا اور پیسے لینے میں کسی قسم کے پس و پیش سے کام نہ لیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تو ہمیشہ وہ ہی اس اس کی اسائنمنٹ اور جرنلز بنا کر دیتی تھی جواب میں معاوضہ تو کیا ایک شکریہ کا لفظ بھی وصول نہیں ہوا تھا۔ اگلے دن جب اس نے یہ بات رافعہ کو بتائی تو کچھ دیر کو اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

واہ بھئی......تم تو بہت آگے نکل گئیں...... میں نے تو ایک نقطہ لگا دیا تھا تمہاری زندگی کے عنوان کا پورا مضمون تم نے خود ہی بنا لیا...... ویری ویل ڈن......تمہاری یہ جرأت مجھے بے حد پسند آئی اب جو تمہاری کل کی حلال کمائی ہے جو تم نے رات ایک بجے تک بیٹھ کر مزدوری کی ہے۔ اس میں سے اپنی ویل وشر کو سموسے اور کوک پلواؤ...... دنیا میں اس کمائی پر تمہارے بعد مجھے لگتا ہے سب سے زیادہ میرا حق ہے" وہ مزے سے بولی تو غناء نے بھی بالکل کہتے ہوئے اس کی تائید کی اور دونوں کینٹین جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

چھٹی کا دن گھریلو خواتین کا اتنا مصروف نہیں گزرتا ہوگا جتنا عدی کا گزرتا تھا...... بھائیوں، بھابیوں، بھتیجوں، بھتیجیوں کے ان گنت کاموں کے

ساتھ ساتھ اباجی کے کتنے ہی کام اس کی توجہ کے منتظر ہوتے..... آج بھی اسے سب سے پہلے انہوں نے ہی پکڑا تھا۔

"تم ایک دفعہ اپنی بھابیوں کو پیارے ہوئے تو میں نے تو تمہاری شکل دیکھنے کو ترس جانا ہے۔ چل آج سب سے پہلے میری مالش کرنی ہے تو نے۔ ریڈیو گڑبڑ کر رہا ہے۔ اس کو میکنک کو دکھا کے آنا ہے اور آج تو بریانی کھانے کو دل کر رہا ہے یار....."

اتنے کام اور ایک سے بڑھ کر ایک کام سن کر عدی کی آنکھیں جو کچھ دیر قبل نیند سے بند ہو رہی تھیں، جھٹ سے کھل گئیں۔

"اباجی! آج مجھے پتا چل گیا، اماں جی آپ کے مشقت طلب کاموں اور چٹور پن کی وجہ سے ہی وفات پا گئیں....." وہ آف موڈ کے ساتھ بولا۔ تو ابا جی کی لاٹھی کا ایک سرا اس کی کمر پر کیا پڑا کہ وہ بلبلا ہی اٹھا۔

"کھوتے دیا پترا..... باپ سے مخول کرتا ہے..... اس جنت مکانی کو تو میں نے پلکوں پر بٹھا کر رکھا..... گھر کی ملکہ بنا کر رکھا....."

"ہاں جی..... جیسے میں تو کچھ جانتا ہی نہیں ناں....." اب کے وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔ ساتھ ہی تیل کی بوتل کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

"ویسے اباجی! اس قسم کے کام اپنی بیوی سے کراتا اچھا لگتا ہے بندہ، قسم سے کبھی کبھی میں اپنے آپ کو آپ کی بیوی تصور کرنے لگتا ہوں جب آپ خالصتاً زنانہ کام کرواتے ہیں مجھ سے..... چلو یہ مالش والش تک تو ٹھیک ہے۔ ماں باپ کی خدمت میں بھی اجر ہے اولاد کے لیے مگر یہ جو خانساماں بنا دیا ہے ناں آپ نے مجھے۔ پورا پورا دن کچن میں گزر جاتا ہے آپ کی فرمائشوں کی وجہ سے..... بھابیاں الگ بگڑتی ہیں کچن کی حالت دیکھ کر۔"

"او تیری بھابیوں کے پیو کا کچن ہے یا کمائی ہے..... بگڑتی ہیں۔ گھر امیرا..... بیٹے میرے..... کمائی میرے بیٹوں کی..... ان کو کیا تکلیف ہے..... جلد ہی میرا شادی کا پروگرام ہے تو تجھے کم از کم ان کھانے پکانے والے کاموں سے نجات مل جائے گی۔"

"اب..... اباجی! آپ اس عمر میں اچھے لگیں گے شادی کرتے ہوئے؟" اس نے آنکھیں پھیلا کر ناگواری سے کہا۔

"اوے عدی..... اوئے عدی..... ! بندے دا پتر بن، اب میری عمر ہے ویاہ کرن دی..... میں تو اپنے عدی کے سر پر سہرا سجاؤں گا۔"

وہ جوش سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"چل اب سر دی چمپی کر دے میرا پتر....."

"میں نے تو اپنے بھائیوں کی حالت دیکھ کر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اباجی....."

"نہیں نہیں بے وقوف! تیری دفعہ تو خوب چھان پھٹک کروں گا میں خود۔ نوکری والی عورت سے توبہ توبہ میری....."

"پھر بھی اباجی! میں نہیں خود کو کسی تجربے کی نظر کر سکتا..... اب مجھے اجازت دیں..... اسد آپ کے کمرے کے باہر دس چکر لگا گیا ہے اس کی اماں اور چچی کے کتنے ہی کام رکے ہوں گے....."

"ہاں اور میرا ریڈیو لیتا جا میرا پتر..... ! اور بریانی نہ بھلیں..... آ"

"او کے او کے مگر ایک شرط پر....."

وہ جاتے جاتے رکا۔

"او پیو نال شرطاں؟"

"ہاں نا! یہ اپنے کھانے پینے کے فرمائشی پروگرام ناں صرف سنڈے تک ہی رکھیں بس..... روز روز آپ کے چٹخارے دار ناشتوں سے آپ کی طبیعت بھی بگڑ جائے گی اور یونی سے پہلا پریڈ مس ہوتا ہے میرا....."

او بہانے باز یونی تو کب پڑھنے جاتا ہے۔ عیاشی کرنے جاتا ہے جیسے مجھے کچھ پتا ہی نہیں ہے..... جا جلدی سے ورنہ تیری بھابیوں نے اب

میری جان کو آجانا ہے۔"

ہمیشہ کی طرح ابا جی اس کی بات کو کسی خاطر میں نہ لائے تھے۔

☆☆☆

"سنیں اپنی غناء اب بڑی ہو گئی ہے..... آج یا کل اس کی شادی ہمیں ہی کرنی ہے تو لڑکیوں کی شادی صحیح وقت پر کر دینی چاہیے....." شوہر کا موڈ دیکھ کر انہوں نے بات شروع کی تھی۔

"ہوں ٹھیک کہا! پھر کوئی رشتہ ہے نظر میں.....؟"

"ہاں ناں۔ اتنا شریف اور خوب صورت لڑکا ساری زندگی بھی ڈھونڈتے رہیں، تب بھی نہ ملے۔"

"اچھا..... ایسا کون ٹپک پڑا آن ہی آن میں شریف اور خوب صورت جس کو ہم نے آج تک نہ دیکھا نہ سنا۔"

کتاب میز پر رکھ کر وہ پوری طرح بیوی کی طرف متوجہ ہوئے تھے صائمہ تھوڑا سا گڑبڑائی تھیں۔

"ہاں ...... وہ ہے ناں ...... میرا بھائی کامی......"

"وہ شریف اور خوب صورت لگتا ہے تمہیں؟"

"ہاں تو کون سے ڈاکے مار لیے اس نے کہ آپ کو اس کی شرافت پر شک ہونے لگا اسے۔ شکل صورت کا بھی اچھا ہے، بس ذرا رنگ دبتا ہوا ہے تو لڑکوں کا تو چل جاتا ہے ہر قسم کا رنگ۔" وہ تیز ہوئیں۔

"اس کے رنگ کو چھوڑو...... مالک کی تخلیق میں ہم کون ہوتے ہیں دخل دینے والے۔ میں تو رنگ، ڈھنگ والے کی بات کر رہا ہوں بارہ بجے تک پڑا بستر توڑتا رہتا ہے..... ایک بجے تیار ہو کر نکلتا ہے تو رات کی خبر لاتا ہے..... تعلیم اس کے پاس نہیں، ہنر وہ کوئی نہیں جانتا..... مانا کہ سوتیلی ہے غناء مگر ہے تو بہن ہی ناں...... کس بنا پر تمہارے بھائی کا رشتہ اس قابل ہے کہ اسے قبول کرنا تو ایک طرف اس پر غور بھی کیا جائے...... خواہ مخواہ میں کتاب کا ٹیمپو خراب کر دیا میرا......"

بڑبڑا کر انہوں نے دوبارہ کتاب اٹھائی تھی...... صائمہ نے دوبارہ وہ کتاب ان کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف میز پر رکھی تھی۔

"بات سنو جی! اس عمر میں سب لڑکے ایسے ہی لاابالی ہوتے ہیں۔ ذمہ داری پڑنے پر سب سیدھے ہو جاتے ہیں۔ گھر کا دیکھا بھالا بچہ ہے۔ ابا کے حصہ کا مکان اس کا ہے۔ کرایہ آتا ہے اچھا خاصا، شادی کے بعد کسی کام سے بھی لگ جائے گا۔ غناء بھی گھر کی گھر میں رہے گی۔ ایسے ہی روبینہ بھابھی نے نوکر بنا کر رکھا ہے اسے اور عمر بھر مجھے نہیں لگتا۔ ان کا اس کی شادی کا کوئی ارادہ بنے گا۔ ہم اپنا اوپر والا پورشن ان لوگوں کو دے دیں گے۔ مجھے بھی دوسراہٹ ہو جائے گی۔ دو ماسیاں آتی ہیں۔ دس ہزار لیتی ہیں مجھ سے گھر کے کاموں کے۔ وہ بھی بچت ہو جائے گی۔ دونوں بہنیں مل کر جل کر کر لیا کریں گی اور بچے تو ایسے پہلے اس سے کہ اس کے سوا کسی اور ٹیوٹر کا نام نہیں لیتے اور رزلٹ میں دیکھو تو اتنے اچھے گریڈز لا رہے ہیں۔ ان تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو تو ایک منٹ بھی نہیں لگائیں گے ہاں کرنے میں" اب کے عاطف بھائی ماتھے پر شکن لیے کچھ سوچنے میں مصروف تھے..... لوہا گرم دیکھ کر صائمہ اب اس رشتے کے ہو جانے کی صورت میں اس گھر کے مزید فوائد گنوا رہی تھی۔

☆☆☆

شام کا کھانا سب مل کر کھاتے تھے..... تو سب گھر کے افراد ہی موجود تھے۔ آج تو بڑی بھابھی نے کچن کو رونق بخشتے ہوئے چکن تندوری بنایا تھا اور رشینا بھابھی نے پلاؤ..... فروٹ ٹرائفل تو اس گھر میں عدی ہی اچھا بناتا تھا۔ سو اسی نے بنایا تھا۔

"او سارے ہی اکٹھے ہو تو میری بات سن لو غور سے..... تم لوگوں نے تو سوچنا نہیں ہے کرنا تو دور کی

بات ہے، مگر میں عدی کی شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں.....لڑکی ڈھونڈنے کے لیے تم دونوں کو دو ماہ کا ٹیم دے رہا ہوں.....لڑکی سگھڑ ہو، گھر داری میں ماہر اور نوکری کی فٹیک نہ ہو ساتھ..... ہم سے اب رضیہ کے ہاتھ کے مزید ظلم نہیں سہے جاتے۔ میری یہی ڈیمانڈ ہیں لڑکی کے حوالے سے، اگر اس عرصے میں تم دونوں نے لڑکی نہ ڈھونڈی تو پھر میں جو اور جیسی بھی لڑکی ملی ویاہ کے لے آنی ہے۔ پھر نہ اعتراض کرنا۔"

"اباجی! شادی عدی نے کرنی ہے۔ پسند بھی اسی کی ہونی چاہیے، ہاں۔"

بڑے بھیا نے بیوی اور بھابھی کے بگڑے موڈ اور عدی کے حواس باختہ انداز کو دیکھ کر اباجی سے کہا۔

"او بس وے پسند دے پتر.....! تیری وی تے پسند دی آئی سی ووہٹی..... کی کارنامہ انجام دتا انیں۔ الٹا گھر میرے عدی اور رضیہ کو سونپ دیا۔ نوکری والی عورتیں بس نوکری کی ہوتی ہیں۔ گھر داری سنبھالنا، ان کے بس کی بات نہیں۔"

اباجی نے ایسے لتاڑا کہ بڑے بھیا شرمندہ ہو گئے۔

"تمہاری اماں جی کے ہوتے اس گھر سے بارہ بارہ پکوانوں کی خوشبو آیا کرتی تھی.....گھر ایسے چم چم کر کے چمکتا تھا کہ جیسے آئینہ..... سوچا تھا بہوئیں آئیں گی۔ گھر کو جنت نہ سہی گھر جیسا ہی بنا دیں گی۔ تیری ووہٹی کالج کو پیاری ہو گئی۔ اسے صرف یہ یاد رہتا ہے کہ کنے وجے کیڑا لیکچر دینا کھانا پکایا یا نہیں.....ایدے نال کوئی سروکار نہیں۔ چھوٹے دی ووہٹی آئی تے کچھ امید لگی کے چلو اب شاید کچھ اچھا کھانے کو مل جائے مگر اس کو دن رات لوگوں کی بوتھیاں سجانے کے سنوارنے سے فرصت نہیں اور تمہارے بچے تو یہ گند بلا، فاسٹ فوڈ کھا کے خوش ہو جاتے ہیں مگر یہ چیز ان کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ بریڈ، ٹوسٹ، پیزے حرے کھا کے ذرا توندا ں ویکھو.....

چھوٹے بھائی نے گھبرا کر سانس کھینچ کر بڑھے پیٹ کو اندر کرنے کی کوشش کی۔ جبکہ چھوٹی بھابھی کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"بس کریں اباجی! آپ کو تو فخر کرنا چاہیے کہ آپ کی بہوئیں اتنی کوالیفائیڈ ہیں۔ ایک کالج میں پڑھاتی ہے تو دوسری سے اپائنٹمنٹ لینے کے لیے لوگ قطاریں باندھے کھڑے رہتے ہیں، مگر وہ ہے ناں گھر کی مرغی دال برابر تو قدر ہی نہیں ہے اپنے گھر میں بہوؤں کی..... وہ زمانے گئے جب عورتیں سارا دن چولہے چکی سے ہی لگی رہتی تھیں..... آج کی عورت....."

"او بس بس.....بس کر اپنی تعریفاں کرنی..... ہمیں تو بس اتنا پتا ہے بی بی کہ عورت چاند پر کیوں نہ پہنچ جائے اس کا مرکز ایک گھر ہی ہے۔ اور گھر داری تو عورت کا زیور ہے۔ پڑھی لکھی عورتیں بھی اس خوبی سے گھر سنبھالتی ہیں کہ دیکھ کے حیرت ہوتی ہے۔ میرے اپنے دوست مرزا صاحب کی ایک بہو ڈاکٹر ہے دوسری لیکچرار ہے، کیا ذائقہ ہے ان کے ہاتھ میں ..... اور تو اور اپنے بچوں کو بھی خود پڑھاتی ہیں..... وہ کوئی جنات ہیں یا آسمانی مخلوق ہیں؟ وہ بھی عورتیں ہیں جو گھروں کو جنت بنا دیتی ہیں۔ ایک ہماری قسمت باڑی ہے....."

بات سے بات نکالنا تو اباجی کو خوب آتا تھا، انہوں نے منٹ میں چھوٹی کا منہ بند کرا دیا تھا۔

"دو ماہ یاد رکھنا ورنہ پھر پنڈ میں ایک سے ایک کڑی ہے، میرے عزیزوں میں، ویاہ تو میں نے اپنے پتر کا ان ہی دنوں میں کرنا ہے اور ہر صورت کرنا ہے۔" اپنے فیصلے پر حتمی مہر لگاتے وہ لاٹھی ٹیکتے باہر چلے گئے تھے جبکہ اپنے پیچھے ایک لمبی بحث چھیڑ گئے تھے۔

☆☆☆

"یہ کیا بات ہوئی بھلا.....؟ نہ کوئی صلاح نہ کوئی مشورہ بس بتا رہے ہیں کہ غناء کا رشتہ کامی سے ہو گیا..... میں جانتی ہوں کہ یہ کس کے زرخیز ذہن کی

کارستانیاں ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے، بے دام غلام مل جائے گی صائمہ بیگم کو عمر بھر کے لیے...... مجھے تو یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ بن ماں کی بچی ہے کیسے ایک آوارہ نکھٹو کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھما سکتے ہیں، میں خود ہی اپنی غناء کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈوں گی۔ بس ہم ہی بڑے ہیں اس کے تو ہمیں یہ رشتہ نامنظور ہے......"

حتمی انداز میں ناں کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں تلملا رہی تھیں کہ یہ آئیڈیا ان کے ذہن میں کیوں نہیں آیا کہ کچھ ایسا کریں کہ یہ غناء ہمیشہ کے لیے ان کے پاس ہی رہ جائے......

"مگر میرا تو کوئی بھائی بھی نہیں...... مگر میں بھی صائمہ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی جیسا وہ سوچ رہی ہے......"

دل ہی دل میں وہ منصوبے بنانے میں مگن تھیں۔ اسی شام انہوں نے غناء کو بلا کر کامی کی ایسی ایسی خصوصیات گنوائی جو وہ خود بھی نہیں جانتا ہوگا شاید۔

"کیا کہہ رہیں بھابھی آپ! میں کوئی بھیڑ بکری نہیں ہوں جسے جدھر ہنکا دیں چل پڑوں گی۔ اور کامی وہ تو زہر سے بھی برا لگتا ہے مجھے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں غناء! نہ تو اتنے برے حالات ہوئے ہیں نہ ہی عمر نکلی جا رہی ہے تمہاری...... شادی بھی ہو جائے گی اور اچھی طرح سے دیکھ بھال کر ہی کریں گے...... آخر کو لاکھوں میں ایک ہے ہماری غناء......"

اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے آئے لوگوں کے سامنے اس کو نہ آنے دینے والی روبینہ بھابھی اس وقت اس کی فکر میں ہرگز نہیں گھلی جا رہی تھیں بلکہ ایک فل ٹائم ملازمہ جو انتہائی کم معاوضے میں انتہائی عمدہ کام نمٹا دیا کرتی تھی اور عام ملازماؤں کی طرح اس کی نگرانی بھی نہیں کرنا پڑتا تھی کے ہاتھ سے نکل جانے کی سوچ کر بوکھلائی ہوئی تھیں۔

جیسے ہی بڑے بھیا نے اپنی بیوی کی سوچ کو زبان دیتے ہوئے کامی کے رشتے سے انکار کیا، صائمہ بھابھی کو بازی ہاتھ سے نکلتی دکھائی دی اور انہوں نے ایک اور پلاننگ کی اور اب بس میاں کو اس کے لیے منانا باقی تھا...... اور اس پر عمل کے لیے انہیں گرما کی تعطیلات کا انتظار تھا کہ ان دونوں میں روبینہ بھابھی اپنے بچوں سمیت شمالی علاقہ جات کو جاتی تھیں اپنے میکے والوں کے ہمراہ آصف بھائی نہیں ہوتے تھے اور ان کو منانا، وہ بھی بیوی کی غیر موجودگی میں مشکل نہیں تھا۔ باقی غناء کو منانے کا کام انہوں نے اپنے شوہر پر چھوڑا تھا......

☆☆☆

عدی کے گھر بھابیوں میں بظاہر تو تعلقات معمول پر آگئے تھے مگر دونوں جانب سے لڑکیاں دیکھنے دکھانے کا جو سلسلہ چل نکلا تھا وہ خاصا پریشان کن تھا۔ ایک بھابھی کی بتائی گئی لڑکی دوسری کو پسند نہ آتی اور وہ کوئی میخ نکال کر اسے مسترد کر دیتیں۔ تو دوسری کو پہلی کی کیسے پسند آسکتی تھی۔ ہاں یہ نقصان الٹا ہوا کہ پہلے دو تین گھنٹے شام کے جو وہ گھر گزارتی تھیں اب لڑکیاں دیکھنے کے چکر میں گزارنے لگیں اور گھر آکر ایک لاحاصل بحث......

عدی تو خاصا پرسکون تھا کہ نہ دونوں بھابیوں میں زندگی بھر اتفاق ہوگا۔ نہ ہی یہ بیل منڈھے چڑھے گی۔ وہ ایسے آزاد اور کھاتے پیتے ہی خوش تھا...... اباجی کی بتائی گئی مدت میں سے ایک ماہ تو ایسے ہی گزر گیا تھا۔

☆☆☆

"یہ جو ضد اور انا کے فیصلے ہوتے ہیں ناں پتر...... ان میں یہ دونوں جب مقابل آجائیں تو بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔ محبتیں، رشتے اور کبھی کبھی زندگی بھی......" اباجی آج بہت اداس موڈ میں تھے اور ایسے میں وہ بڑی فلسفیانہ باتیں کیا کرتے...... یا گھنٹوں چپ رہتے تھے۔ عدی کو اباجی اپنے مخصوص انداز میں ہی اچھے لگتے تھے...... سو اس وقت وہ چاہ رہا تھا کہ کچھ ایسا کہے یا کرے کہ وہ ہنس پڑیں یا اسے

ڈانٹ ہی دیں۔

''پتا ہے...... دس سال ہو گئے اس کو دیکھے ہوئے......'' وہ خلاؤں میں تکتے ہوئے بولے۔

'' کیا مطلب! اباجی......؟ آپ کی زندگی میں اماں جی کے علاوہ بھی کوئی اور لڑکی تھی......''

''او کھوتیا!''

انہوں نے لاٹھی کے بجائے صرف آنکھوں اور زبان کو ہی زحمت دی'' ہر وقت کا مخول تو بس دل بہلانے کے بہانے ہیں۔ تیری ماں ہوتی تھی تو اس کے ساتھ دکھ سکھ کی ہر بات ونڈ لیا کرتا تھا...... اب دل پر جو بوجھ ہے ناں وہ چین ہی نہیں لینے دیتا......''

ہادی تو ہنستے مسکراتے اباجی کو اس حالت میں دیکھ کر تڑپ اٹھا۔

''اے اباجی! اداس ہوں آپ کے دشمن...... مجھے تو آپ اپنا دوست کہتے ہیں ناں...... مجھے بتائیں کیا بات آپ کو پریشان کر رہی ہے...... اگر بھابھیوں کی وجہ سے پریشان ہیں تو یہ تو روز کا مسئلہ ہے...... بھائیوں نے کچھ کہا ہے کہ یا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔''

''او نہیں او نہیں...... انا دی کمزور نئیں ہوں کہ تواڈی وجاں توں پریشان ہووے...... بس کچھ یادیں ہوتی ہیں ناں وہ جان لیوا ہونے کے باوجود بڑی پیاری ہوتی ہیں...... تو ایسا کر ذراغنی کا نمبر تو ملا کے دے مجھے اس کے ذمے ایک ضروری کام لگایا تھا میں نے......''

''غنی کون...... اپنا کرایہ دار......''

عدی نے جیب سے فون نکال کر پوچھا......

''ہاں وہی......''

اباجی کچھ سوچ رہے تھے۔ عدی نے نمبر ملا کر اباجی کو موبائل پکڑا دیا۔

☆☆☆

''جب محبت کا جوش جنون میں بدلتا ہے تو بہت کچھ اپنے ساتھ تاوان کے طور پر وصول کرتا ہے۔ اس وقت والدین اور چاہنے والوں کی نصیحتیں سخت بری لگتی ہیں۔ اور جب سمجھ آتی ہے تو پانی سر سے اونچا ہو گیا ہوتا ہے...... اتنا پیار کرتے تھے بھائی مجھ سے کہ میں سمجھتی تھی میری کوئی خواہش بھی رد ہی نہیں کر سکتے اور ایسا ہی بھائی کا خیال تھا کہ اپنی فوزیہ کو انہوں نے اتنی محبت اور اعتماد دیا تھا کہ وہ کبھی ان کی عزت کو خاک میں نہیں ملائے گی۔ پھر جب دونوں طرف کی توقعات آپس میں ٹکرائیں تو سب کچھ تباہ ہو گیا میرا اعتبار اور ان کا مان......

شادی کے فوراً بعد ہی مجھے پتا چلا کہ تمہارے ابا پہلے سے شادی شدہ اور بال بچوں والے تھے۔ مگر مرد کو کیا فرق پڑتا ہے۔ خسارا تو صرف عورت کے حصے میں آتا ہے...... وہ پھر آئے تھے یہ سن کر سب بھلا کر، میری خطا کو بھلا کر، مگر وہ چاہتے تھے کہ میں گھر چھوڑ دوں، چھوڑ دوں اس آدمی کو جس نے میرے ساتھ اپنے گھر کی بنیاد ہی دھوکے پر رکھی تھی...... اس وقت تم پانچ سال کی تھیں۔''

اپنے آخری ایام میں جب وہ ایک خطرناک بیماری سے لڑ رہی تھیں۔ تب نہ جانے ذہن میں کیا آئی کہ اسے بار بار اپنے پچھلوں کے بارے میں بتانے لگیں جن کے بارے میں پوچھتے پوچھتے وہ تھک گئی تھی مگر آج تک کچھ بول کر نہ دیا تھیں اب جب موت کو اتنے قریب سے دیکھا اور شوہر کے بعد سوتیلے بیٹوں کے بدلتے تیور، ان کی بیویوں کی گھر پر اجارہ داری ان کے اندر کئی خدشوں کو جگا گئی تھی۔

''میں نے جو اتنی مشکل سے اپنی محبت کو پایا تھا۔ اب اس کو دوبارہ کھونے کی ہمت نہیں تھی...... بھلے وہ شادی شدہ اور بال بچوں والا کیوں نہیں تھا...... پہلی بیوی کے مرنے کے بعد وہ بچوں کو تعلیم کی غرض سے شہر لے آیا تھا۔ ان بچوں سے میرا رشتہ نہ محبت کا تھا نہ نفرت کا، بچے بڑے بڑے تھے جب ان کی ماں مری تھی اور ایک تو ان کے اذہان میں اپنی ماں کی محبت کا تصور اتنا واضح تھا کہ وہ عمر بھر مجھے ماں کا درجہ نہ دے سکے تھے اور پھر ایک بار میں نے ان دونوں بھائیوں کو بات کرتے سنا، وہ مجھے اپنی ماں کی

موت کی وجہ مجھے سمجھتے تھے......"
تھکے تھکے لہجے میں وہ بول رہی تھیں۔ غناء نے انہیں بولنے سے روک دیا تھا۔
"نہیں نہیں غناء! مجھے بولنے دو...... تمہارے سر پر باپ نہیں رہا...... ماں بھی چراغ سحری ہے، میں جلد تمہاری شادی کر کے تمہیں اپنے گھر کا کر دینا چاہتی ہوں مگر قسمت شاید موقع نہ دے...... یہ مکان تمہارے ابا نے تمہارے نام کیا ہے اور گاؤں والی زمین اپنے بیٹوں کے نام...... اس پر بھی ان کے اور تمہاری بھابھیوں کے منہ بگڑے ہوئے ہیں۔ یہ گھر تمہاری ڈھال ہے برے وقت کے لیے...... اللہ نہ کرے جو کوئی ایسا وقت آئے...... مگر شادی کے بعد میکا بھی عورت کی ایک مضبوط بنیاد ہوتا ہے...... ان کے پاس چلی جانا...... وہ تمہیں فوراً گلے لگالیں گے...... میری طرف سے بہت معافی مانگنا...... وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے مگر میں نے ان کی توقعات کو توڑ کر ان کو بہت دکھ دیا...... میں نے شادی کے بعد ان کی بات نہیں مانی تو وہ اور ضد میں آگئے اور ہمیشہ کے لیے ناراض ہو گئے...... ہم دونوں کی انا کی دیواریں اتنی بلند تھیں کہ سب کچھ ان کی بلندی میں دب گیا...... ہم دونوں کی محبت...... ہمارا خون کا رشتہ...... بچپن کے گزرے دن، لڑکپن کی یادیں سب کچھ......"
وہ بولتے بولتے تھک گئی تھیں اور جس دن انہوں نے اسے ایک مڑے تڑے کاغذ پر اس کے ماموں کا پتا لکھ کر دیا اسی روز ماموں یٰسین اپنے بال بچوں سمیت دوسرے گھر شفٹ ہوئے تھے...... سال بھر وہ گھر خالی ہی پڑا رہا تھا اس کے بعد وہاں غنی صاحب کی فیملی کرائے پر آئی تھی...... غناء نے وہ کاغذ سنبھال کر رکھ لیا تھا اور محض تین ماہ کے بعد جب اماں کی وفات ہوئی تو غم کی حالت میں اسے یاد ہی نہ آسکا تھا کہ اماں کے روٹھے بھائی کو ان کی جان سے پیاری بہن کی وفات کی اطلاع ہی دے دیتی اور کئی ماہ گزرنے کے بعد اسے ڈائری میں وہ ایڈریس دوبارہ ملا تو سوائے ملال کے اور کچھ کچھ یاد ہی نہ رہا تھا۔

☆☆☆

عاطف بھائی کو تو صائمہ بھابھی منا ہی چکی تھیں جیسے ہی روبینہ بھابھی چھٹیاں شروع ہوتے ہی اپنے بال سمیت اسلام آباد کو روانہ ہوئیں اور انہوں نے اپنے پروگرام پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اب غناء کو منانے کی باری عاطف بھائی کی تھی۔ ان کی تو یہ سوچ کر باچھیں کھل گئی تھیں کہ ان کے سالے سے غناء کی شادی ہونے کی صورت میں یہ دومنزلہ خوب صورت مکان جوان کے ابا غناء کے نام کر گئے تھے۔ لامحالہ ان کے خاندان کو مل جائے گا...... سو انہوں نے پہلے پیار اور پھر ڈانٹ سے غناء کو اس بات کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا کہ اسے کامی سے ہی ہر صورت شادی کرنی ہے...... اس کے صاف انکار پر وہ چراغ پا ہو گئے تھے اور اگلے جمعہ اس کو نکاح کی خبر سناتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو وہ کسی بھی ایرے غیرے کے ہاتھ اس کا ہاتھ دے کر اس سے عمر بھر کے لیے لاتعلق ہو جائیں گے...... کالج میں چھٹیاں تھیں، غناء روتی ہوئی رافعہ کے گھر آئی تھی اور اسے ساری صورت حال بتا کر مدد مانگی تھی۔
"تمہارے بھائی اگر تمہاری شادی پر تل گئے ہیں تو ضرور ہی کریں گے...... اس کا آخری حل یہ ہی ہے کہ تم اپنے ماموں کو مدد کے لیے بلاؤ...... وہ اس لیے شیر ہو رہے ہیں کہ ان کو پتا ہے کہ تمہارا ان کے سوا دنیا میں کوئی اور نہیں ہے لامحالہ ان ہی کی بات ماننی ہی ہوگی......"
"اماں نے تین سال پہلے وہ ایڈریس دیا تھا...... ان کے پاس ان کا کوئی سیل نمبر نہیں تھا...... میں تمہیں آج وہ ایڈریس موبائل پر سینڈ کر دوں گی رافعہ...... اور لیٹر ابھی لکھ کر دے جاتی ہوں...... تم کل ہی کسی طرح ارجنٹ میل سے یہ لیٹر بھجوادو...... جمعہ آنے میں ابھی سات دن ہیں...... میں کسی بھی

صورت اس آوارہ کالی سے شادی نہیں کرنا چاہتی رافعہ......اس وقت مجھے ان کی سخت ضرورت ہے۔"
وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔
پھر اس وقت اس کی سمجھ میں جو اور جیسے آیا تھا وہ لکھتی گئی تھی۔ اماں کی بیماری، وفات اور اب بھائیوں کی بے حسی اور حتمی فیصلہ مزید یہ کہ وہ اس شادی کے لیے قطعاً راضی نہیں ہے......رافعہ کو لیٹر دے کر گھر آ کر اس نے پہلا کام موبائل پر اسے ایڈریس بھیجنے کا کیا تھا۔

☆☆☆

ارجنٹ میل اور پھر ان کے نام کی تو کہیں بے حد ضروری نہ ہو سوچ کر غنی صاحب فوراً ہی سواری پکڑ کر ان کی طرف آئے تھے...... اباجی کو تو گویا برسوں سے اس تحریر کا انتظار تھا اور غنی صاحب کی موجودگی میں ہی انہوں نے وہ خط کھول کر پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور جیسے جیسے وہ ان سطور پر نظریں دوڑاتے گئے تھے۔ ان کا چہرہ زرد پڑتا گیا اور خط ختم کرنے کے ساتھ ہی ٹپ ٹپ آنسوؤں کی برسات نے ان کا سارا چہرہ بھگو دیا تھا۔ غنی صاحب خود پریشان تھے کہ آخر کیا تھا اس خط میں کہ یٰسین جیسے بذلہ سنج بھی رو پڑے تھے...... پھر انہوں نے خود ہی روتے روتے بتایا تھا کہ اس میں ان کی قریبی عزیزہ کی فوتگی کی خبر تھی......غنی کے جانے کے بعد گھنٹوں وہ روتے رہے اور پچھتاتے رہے کہ اس نے نکاح کیا تھا کوئی گناہ تو نہیں جو انہوں نے اتنی سخت سزا ان کا مقدر کر دی تھی۔ آخری وقت میں وہ اس چہرے کا دیدار بھی نہیں کر پائے تھے۔ جس کو کبھی وہ نہ دیکھ پاتے تو ان کا دن نہیں گزرتا تھا۔
"مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی...... بہت بڑی بھول......"

وہ بار بار خط کھول کر پڑھتے اور روتے ہوئے کہتے جاتے۔ گیارہ بجے کے وقت غنی صاحب نے ان کو خط لا کر دیا تھا اور اب مغرب کا وقت ہو چلا تھا زندگی میں پہلی بار انہوں نے نماز مسجد میں جانے کے بجائے اپنے کمرے میں ادا کی تھیں اور رات کے کھانے کے لیے جس پر عدی انہیں بلانے آیا۔ ان کی دگرگوں حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔
"مجھے ٹھیک دیکھنا چاہتا ہے ناں عدی! تو پھر فیصل آباد کے آج رات کے ٹکٹ کٹا......کل کا سورج بھی بیت گیا تو پھر میں اپنے آپ کو بھی معاف نہیں کر پاؤں گا......"
"ٹھیک ہے اباجی! مگر مجھے بتائیں تو سہی کیا ہوا ہے؟"
"کچھ نہیں ہوا عدی...... کچھ نہیں...... یوں سمجھ تیرے اباجی کا کوئی بہت پیارا مشکل میں ہے اور مجھے پہنچنا ہے۔ جلدی سے ٹکٹیں لے آ......"
"اچھا......اچھا اباجی! میں کرتا ہوں کچھ...... آپ چلیں کھانا تو کھالیں پہلے، یہ دیکھیں میں ابھی ٹکٹس کا پتا کرتا ہوں......"
عدی کو تو اباجی کی ایسی بے قراری، ستا چہرہ اور روئی آنکھیں بے چین کر گئی تھیں اور محض دس منٹ بعد وہ اپنی اور اباجی کی رات بارہ بجے والی ڈائیوو میں سیٹیں بک کرا چکا تھا......اس کے بعد اباجی نے اس کے بار بار کہنے پر بہت تھوڑا سا کھانا زہر مار کیا تھا۔
"غنی کہتا ہے کہ وہ کسی عزیز کے گھر تھے پچھلے تین دن سے اور یہ خط ان کے گھر پرسوں آیا تھا...... کب لکھا ہوگا اس نے ان کم بختوں نے کہیں میری بچی کے ساتھ کچھ الٹا سیدھا نہ کر دیا ہو......"
بس میں بھی اباجی بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ بس میں بیٹھتے بیٹھتے ہی انہوں نے عدی کو اس کی اکلوتی پھپھو کے بارے میں اپنی ضد اور اس کی انا، پھر اس کی وفات اور اب اپنی بھانجی کی مشکل سب بتا دیا تھا۔
"پسند سے شادی کرنا کون سا جرم تھا اباجی! جو آپ نے اتنی کڑی اور اتنی لمبی سزا دی ان کو......اور آپ کتنے سنگدل اور گہرے نکلے اباجی! ہمیں ہی بتا دیا ہوتا تو ہم فورس کرتے آپ کو ان کے ماننے کے لیے...... بہت ظلم کیا اباجی! آپ نے بہت ظلم

!......

عدی کے کہنے پر انہوں نے سر جھکالیا تھا کیونکہ اس نے بالکل سچ کہا تھا۔

☆☆☆

اگلا روز ان سب کے لیے بے حد حیرت لے کر آیا تھا کہ اباجی اور عدی دونوں ہی گھر سے غائب تھے مگر اس میں بھی کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ اباجی پر جب اپنے پرانے دوستوں سے ملاقات کا جوش اٹھتا تو وہ عدی کو یونہی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

''قسم سے اباجی! اماں جی کے مرنے کا اتنا نقصان آپ کا نہیں ہوا جتنا میرا...... وہ ہوتیں تو آپ کو کبھی ان بزرگ بابوں کی یاد نہ ستاتی جن کے پاس آپ خود تو تین تین گھنٹے بیٹھے رہتے ہیں۔ مجھے بھی بور کیے رکھتے ہیں...... اب آج دو ہزار اٹھارہ کے فاسٹ دور میں کون بیٹھ کر انیس سو ساٹھ کے دور کی باتیں سنے......'' واپس آکر وہ خوب جھنجلاتا...... مگر ہر بار اگلی دفعہ اباجی پھر کسی دوست کے پاس لے چلنے کی فرمائش لیے حاضر ہوتے......

''آج تو کم از کم اباجی کو اس غیر ذمہ داری کا مظاہرہ زیب نہیں دیتا...... خدا خدا کر کے دونوں خواتین میں سیز فائر ہوا اور کسی ایک لڑکی کے لیے متفق ہو ہی گئی ہیں دونوں خواتین تو یہ دونوں حضرات غائب ہیں۔ کم از کم اباجی سے مجھے اس بے وقوفی کی ہرگز امید نہیں تھی......''

بڑے بھائی ٹہلتے ہوئے پریشانی سے بولے۔ دونوں خواتین کے تیور بھی خاصے خوں خوار قسم کے تھے کہ دونوں نے ہی اپنے اپنے قیمتی وقت کی قربانی دی تھی عدی کے لیے لڑکی دیکھنے کے لیے ان ہی کے غصے کی تاب نہ لاتے ہوئے چھوٹے بھائی اب عدی کا نمبر ملا چکے تھے کہ اباجی تو ویسے بھی موبائل جیسی چیزوں کو خرافات تصور کرتے ہوئے ان سے دور تھے۔ دوسری طرف کال بھی اباجی نے ہی ریسیو کی تھی۔

''او چھڈو جی مٹی پاؤ ساری باتوں پر...... تم دونوں ایسا کرو اپنی اپنی زنانیوں کو ساتھ لو اور دس بارہ خوب صورت بری کے سوٹ، شادی اور ولیمے کے لیے دلہن کے کپڑے اور...... دو سیٹ سونے کے زیورات آج کے آج خرید کے لے آؤ۔ صبح ہوتے ہی دلہن کو میں لے آؤں گا ولیمہ بڑی دھوم دھام سے کر لیں گے...... بار بار فون کر کے ہمیں پریشان نہ کرو...... جو کہا ہے وہی کرو ادھر بڑے سیاپے ہیں حل کرنے والے'' اباجی کب سے فون بند کر چکے تھے جبکہ چھوٹے بھائی ویسے کے ویسے کھڑے تھے۔

''اباجی نے شادی کر لی...... ہم سب کو مل کر ابھی کے ابھی شادی کی تیاری کرنی ہے...... صبح آئیں گے کل یا پرسوں ولیمہ ہوگا......''

جیسے ہی ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے باقی سب کے منہ کھل گئے تھے۔ دونوں بچے سب سے پہلے شاک سے نکلے اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے...... دونوں بھائی خواہ مخواہ ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگے...... جب کہ دونوں خواتین کی زبانیں ایک ساتھ حرکت میں آئی تھیں۔

''یہ جو اباجی کے چھن تھے...... ان سے مجھے یہی لگ رہا تھا کہ ایسا ہی کوئی گل کھلائیں گے...... یہ اب ان کی عمر ہے بیاہ رچانے کی...... بیٹے کے سر پر سہرا سجاتے سجاتے خود دولہا بننے کا چاہ چڑھ گیا......''

یہ بڑی بہو کے اباجی کے بارے زریں خیالات تھے۔ چھوٹی کیوں پیچھے رہتیں وہ بھی میدان میں آ گئیں۔

''ذرا بھی خیال نہیں کیا انہوں نے...... اپنی عمر کا نہ سہی...... ہمارے سوشل اسٹیٹس کو ہی دیکھ لیتے...... لوگ کیا کہیں گے......''

''تم دونوں چپ کرو گی......؟''

بڑے بھائی کی دھاڑ پر دونوں ایک ساتھ چپ ہوئی تھیں۔

'اس میں کوئی شرم یا حیا کی بات نہیں ہے...... یہ حق ان کو ان کا مذہب دیتا ہے...... پندرہ سال سے تو وہ تم لوگوں کو کہہ کہہ کر تھک گئے نہ تو آج تک کھانا

بیچ ملا ان لو نہ پڑے ٹھیک ڈھلے ملے...... پڑے تک تو وہ بزرگ ہو کر اپنے خود دھوتے ہیں...... ہزار ضرورتیں ہوتی ہیں انسان کی...... بس میں اب اور کوئی بات اس حوالے سے نہ سنوں اور انہوں نے جیسا کہا ہے ویسا ہی ہونا چاہیے۔"

اور یہ تو سب ہی جانتے تھے کہ بڑے بھیا یا تو مہینوں کسی بات میں دخل نہیں دیتے تھے اگر جو بھی بولتے تو پھر دوسرے کے لیے گنجائش نہیں چھوڑتے تھے۔

☆☆☆

کتنی دیر وہ ان کے سینے سے لگی روتی رہی تھی...... خود ابا جی بھی ایک بار پھر آبدیدہ ہو گئے تھے...... صائمہ بھابھی کچھ نروٹھی ہوئی تھیں اتنے پرانے تعلق کو دوبارہ زندہ ہوتے دیکھ کر مگر جیسے ہی ابا جی نے بتایا کہ انہوں نے اور ان کی بہن نے بچوں کا رشتہ بچپن میں طے کر دیا تھا اور اب اپنی امانت لینے آئے ہیں...... انہوں نے بوکھلا کر اپنے میاں اور آصف بھیا کو فون کھڑکا ڈالے تھے۔

"بڑے میاں آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ کا اس سے بہت قریبی رشتہ ہے...... مگر ہم اس کے بھائی ہیں۔ ہماری مرحومہ والدہ اس بچی کی ذمہ داری ہمارے سپرد کر کے گئی تھیں...... آپ کا تذکرہ سنا، نہ آپ کو کبھی دیکھا اور آج کئی برسوں بعد آپ ایک کہانی لے کر آ گئے سنانے تو ہم کیسے اس پر یقین کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی بہن کا رشتہ طے کر دیا ہے جی ...... اب آپ آ ہی گئے ہیں تو کل اس نیک تقریب میں شرکت کر کے دعائیں دے کے جایئے گا۔"

"اوئے! تم کون ہوتے ہو میری حیثیت کو چیلنج کرنے والے...... اتنے عرصہ نہیں آیا تو میرا اور میری بہن کا مسئلہ تھا...... تمہیں کیا...... بلا لو مولوی کو...... میں بھی دیکھتا ہوں کہ تم میری بچی کی مرضی کے بغیر کیسے اس کا نکاح کرتے ہو...... تو عدی! ملانہ ذرا بیرسٹر صاحب کا نمبر اور ان کو ایڈریس بتا کہ فوراً ادھر پہنچیں بس بے جا کا معاملہ ہے...... میں چاہتا تھا کہ بچی کا معاملہ ہے ذرا افہام و تفہیم سے ہو جائے اب یہ لوگ خود ہی تھانے، کچہریوں کے چکر لگانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے...... غناء بیٹی جب خود بیرسٹر صاحب کو اپنا مسئلہ بتائے گی تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا...... یہی مشورہ تو میں خود ان کو دینا چاہتا ہوں کہ بچی کو دعائیں دے کر نکاح کر کے میرے ساتھ رخصت کر دیں مگر انہوں نے الٹا چڑھائی کر دی مجھ پر......"

ابا جی نے دبنگ انداز و لہجے میں کہا جو ان کا خاصا تھا...... عدی نے فوراً غنی صاحب کا نمبر ان کو ملا دیا تھا۔ ابا جی نے ان دونوں بھائیوں کو دیکھتے ہوئے مختصر سی صورت بتا کر فوراً پہنچنے کو کہا تھا اور عدی ابھی ان کو ایڈریس بتا دیتا ہے...... اگر پولیس کی بھی ضرورت پڑی تو وہ بھی ان کے تعاون کی ضرورت پڑے گی۔

"دیکھیں بڑے میاں! ہم بھی بیٹیوں والے ہیں۔ اب آپ خود سوچیں کہ غناء کی مرضی سے ہی ہم اس کا رشتہ طے کر چکے ہیں۔ کل اس کے نکاح کی تقریب ہے۔ اب لوگ کیا کہیں گے اور کتنی جگ ہنسائی ہو گی یہ بھی تو سوچیں......" بڑے بھائی جو ابا جی کی شخصیت اور باتوں سے اچھے خاصے متاثر ہوئے تھے لجاجت سے بولے تھے۔

"بچی کی مرضی ہی تو نہیں دیکھ رہے آپ لوگ! خدا کی قسم اس کی مرضی ہوتی تو میں خود اس کو اس شخص کے ساتھ رخصت کرتا...... اب لوگوں میں آپ کی جگ ہنسائی نہ ہو، اس لیے تو کہا کہ آپ کے طے کردہ دن پر ہی میرے بیٹے کے ساتھ اسے رخصت کر دیجیے......"

ابا جی نے بھی معقولیت سے کہا جب کہ چھوٹے بھائی جن کی آنکھوں پر بیگم کی پڑھائی پٹی مضبوطی سے بندھی تھی، اتنی آسانی سے ابا جی کی بات کیسے مان سکتے تھے مگر بڑے آصف ذرا معاملہ فہم اور سمجھ دار انسان ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ دردمند دل

بھی رکھتے تھے وہ فریقین کے درمیان سرد مہری بڑھتی دیکھ کر ایک بار پھر بولے۔

"بڑے میاں! آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ ہمارے والد صاحب کی جگہ ہیں اور سب سے بڑھ کر ہماری غناء سے بہت قریبی رشتہ ہے آپ کا...... ہمارے بھی مہمان ہوئے تو آپ ذرا رکیں...... کھانا وانا کھا کے آرام کریں...... بہت لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں...... ہم بھی ذرا سوچ کر مشورہ کر لیں اور غناء سے ایک بار پھر پوچھ لیں یقین کریں اگر بچی کی مرضی نہ ہوئی تو میں اس کا بڑا بھائی ہوں، کبھی بھی زبردستی نہیں ہونے دوں گا اس کے ساتھ......"

آصف بھیا کی بات اباجی نے تحمل سے سنی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر جیسے ہی اندر جا کر انہوں نے غناء کو بلا کر ساری بات پوچھی تھی اس نے رو رو کر بھابھی اور عاطف بھائی کی زبردستی کے متعلق سب کچھ صاف صاف بتا دیا تھا۔ مزید یہ کہ وہ اب یہاں رہنا ہی نہیں چاہتی۔ اس کو ماموں کے ساتھ جانا تھا۔

"جھوٹ بول رہی ہے مسینی بھائی صاحب! اسی سے پوچھ کر اس کی مرضی سے یہ رشتہ طے کیا تھا۔ اب اپنے ماموں کا وہ لونڈا دیکھ کر رال ٹپک پڑی ہے کم بخت کی...... بتاؤ بھلا ہم اس کے کوئی دشمن ہیں، آخر سوچ سمجھ کر ہی رشتہ کر رہے تھے ناں......"

صائمہ بھابھی کی بات پر غناء کا رنگ زرد پڑ گیا......

"خدا کی قسم بھائی جان! میں نے اس کو ابھی تک دیکھا ہی نہیں...... بھابھی اور بھیا نے ہی کہا تھا اگر ناں کرو گی تو اس سے بری جگہ تمہاری شادی کریں گے کہ یاد رکھو گی اور وہ انکار کی صورت میں مجھ سے تمام رشتے ختم کر لیں گے......" اس بات پر آصف بھائی نے خشمگیں نظروں سے بھائی، بھابھی کو دیکھا تھا۔

"شرم کرو تم لوگ شرم......! میں نے جب اس رشتے پر انکار کر دیا تھا۔ تب تم دونوں نے مجھ سے یہ کہا کہ غناء کی یہی مرضی ہے۔ بہن نہ سہی، یتیم سمجھ کر خدا کا خوف کر لیتے...... مگر نہیں تمہاری بیوی تو الٹا الزام تراشی پر اتر آئی ہے۔" ان دونوں میاں بیوی کو دیکھ کر آصف بھائی بے حد غصے میں بولے تھے۔ صائمہ بھابھی نے تو غصے سے غناء کو گھورا جیسے کچا چبا جانے کا ارادہ ہو۔ جبکہ عاطف بھائی سر جھکائے خاموش تھے۔

☆☆☆

باتیں کرتے، بڑبڑاتے، نکتہ چینی کرتے اباجی کی زیر ہدایت خریداری کی جا چکی تھی...... اباجی کا کارنامہ دیکھنے کے لیے آج دونوں بہوؤں نے چھٹی کی تھی کہ کس کو اپنی بیٹی اتنی بھاری تھی جو مُیین صاحب جیسے بزرگ سے بیاہ دیا...... یا تو بیوہ ہو گی یا طلاق یافتہ......"

کئی قیاس تھے جو ان کے ذہن میں کلبلا رہے تھے...... مگر جب اباجی اور عدی کے ہمراہ ایک جوان جہاں خوب صورت لڑکی کو دیکھا ان دونوں سمیت سب گھر والوں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

بے حد مشکل سے ہی سہی اس کی کا دی سے جان چھوٹ ہی گئی تھی۔ جیسے ہی اباجی نے نکاح کے لیے اپنے بیٹے کو پیش کیا۔ تھوڑی سی پس و پیش کے بعد عاطف بھائی بھی مان گئے تھے۔ آصف بھائی تو پہلے ہی تیار تھے۔ صائمہ بھابھی نے البتہ اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا تھا اور ساری زندگی غناء سے قطع تعلقی کا بھی اعلان کر دیا تھا...... غناء کی مہمان صرف رافعہ تھی جسے اس نے فون کر کے ارجنٹ بلوایا تھا۔

"واہ غناء! تو نے تو بازی مار لی یار! بہت خوب صورت اور پرسینلٹڈ ہے تیرا دولہا...... میں ابھی مل کے آئی ہوں...... مگر ایک بات مجھے یہاں بھی کھٹک رہی ہے......"

"وہ کیا رافعہ! میں تو ویسے بھی اتنا سب کچھ جلدی اور اچانک ہونے سے گھبرا رہی ہوں......"

اس نے رفعہ کا اسے لپ اسٹک لگاتا ہاتھ پکڑ کر روک لیا...... وہ اس کہیک اپ کرتے ہوئے بڑبڑ

بولے جا رہی تھی۔

"نہیں نہیں ایسی فکر والی بات نہیں ہے، بس یہ بتانا تھا تجھے کہ یہاں بھی — گھر کے بڑوں کی جگہ بھابھیوں نے عمر بھر تمہاری زندگی اجیرن کیے رکھی اور وہاں بھی تیری ساس حیات نہیں ہیں۔ عدی بھائی کی دو بھابھیاں ہی ہیں۔ تو خیال رکھنا کہ وہ بھابھیاں بھی تیری بھابھیوں جیسی ہوئیں تو شروع سے ہی ان کو ان کی اوقات پر رکھنا۔ زیادہ بچھ جانے کی ضرورت نہیں، ایسے لوگوں کو پھر اگلے قالین سمجھ کر روند ہی ڈالتے ہیں، اللہ خیر کرے گا مگر زیادہ تر دیکھا بھی گیا ہے کہ بڑی جیٹھانیاں دیورانیوں کو دبا کر رکھتی ہیں۔"

"تم مجھے ڈرا رہی ہو رافعہ......"

"نہیں ڈیئر...... میں تمہیں حقیقت بتا رہی ہوں کہ تمہارا مضبوط میکا بھی تمہاری ڈھال نہیں ہے تو تمہیں خود کو مضبوط بنانا ہوگا...... ہر رشتے کو اتنی عزت دو جتنا وہ حق رکھتا کرتا ہے...... یہ نہیں کہ اپنی عزت نفس ہی دوسرے کے سامنے گروی رکھ دو......

یہ ہوگئی ہماری غناء تیار......"

اس نے اس کا دوپٹا سیٹ کیا تب ہی آصف بھائی نے دستک دے کر کہا کہ مولوی صاحب آنے والے ہیں۔ وہ جلدی جلدی بکھری چیزیں سمیٹنے لگی......اور غناء کو ایک بڑی چادر سے ڈھانپ دیا۔

☆☆☆

اباجی اب غناء کا تعارف سب گھر والوں سے کروا رہے تھے۔

"تو کھڑا منہ تک رہا ہے...... جلدی سے کمرہ تیار کراؤ نکمی رضیہ سے کہہ کر......" بے حد تھکے ہارے عدی کو اباجی نے جھاڑ کر کہا تو نئی دلہن کے سامنے اس عزت افزائی پر وہ سٹپٹا گیا تھا۔

ابھی سے تو کچھ پتا نہیں چل سکتا تھا مگر دونوں بھابھیوں کی آنکھوں کے تاثرات کچھ ناگوار اور مضحکہ خیز لگے تھے غناء کو...... جیٹھ اور بچے البتہ کافی جوش وخروش اور خوشی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"مبارک ہو اباجی! او وہٹی تے وڈی سوہنی لے کے آئے ہو......"

آدھے گھنٹے بعد مٹکتی ہوئی رضیہ نے آ کر معنی خیزی سے اباجی کو کہا انہوں نے بہت خوشی سے مبارک وصول کر کے جیکٹ کی جیب سے کڑکتا ہزار کا نوٹ نکال کر غناء پر وارا اور رضیہ کو تھما دیا جس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا تھا۔

"اسی چھچھورپن کی کمی تھی اباجی میں! وہ بھی پوری ہوگئی۔" بڑی بھابھی چھوٹی کے کان میں بڑبڑائیں۔

چلو بھئی رضیہ...... بی بی کو کمرے تک چھوڑ آؤ......تھوڑا آرام کرلیں میں ذرا بچوں سے ولیمے کا پروگرام سیٹ کرلوں......"

اباجی نے بہت خوشی سے کہا تو رضیہ، غناء کو وہاں سے لے گئی تھی۔ پھر اباجی نے چھوٹے بھائی کے ذمہ لگایا تھا کہ وہ مہمانوں کی لسٹ بنائیں۔ اور بڑے بھائی کو ہال وغیرہ بک کروانے کے لیے کہا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے اباجی! آپ کا حق ہے شادی کرنا...... مگر آپ کو اپنی عمر کا خیال کرتے ہوئے کوئی ادھیڑ عمر عورت ڈھونڈنی تھی...... یہ لڑکی تو بہت کم عمر ہے...... اور نکاح اور ولیمہ سنت ہے مگر اب آپ اس عمر میں اتنی دھوم دھام سے ولیمہ......"

ابھی بڑے بھائی کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ اباجی کی لاٹھی کا سرا ان کی گردن میں آن لٹکا۔

"آپ بھلے غصہ ہوں مگر میں صحیح کہہ رہا ہوں......"

وہ زرد تھے ہو کر لاٹھی اپنی گردن سے ہٹانے لگے۔

"اوئے کھوتے دیا پترا......"

اباجی نے اپنا مخصوص جملہ دہرایا۔

"تیری اماں جی جنت مکانی کے مرنے کے بعد ساری زندگی تم لوگوں کی خدمت اور تربیت میں گزار دی۔ ویاہ کرتا تو تب کرتا اب مجھے پاگل کتے

نے کاٹا ہے جو جوان پوتے پوتیوں کے سامنے یہ تماشے لگاؤں گا...... یہ تو میں اپنے عدی کی دوہٹی لے کے آیا ہوں...... یہ صرف تمہاری بھابھی اور اس کی گھر کی بہو نہیں ہے...... بیٹی بھی ہے اس گھر کی ...... اس گھر سے اس کے کئی رشتے ہیں...... یہ تم لوگوں کی سگی پھپھو کی بیٹی ہے نمانی کی عمر نہ تھی جانے کی مگر اللہ کی مرضی کے آگے ہم سب انسان بے بس ہیں۔ میں امید کرتا ہوں تم سب سے کہ اس کو اس گھر سے وہی مان اور محبت ملے گی جو ایک بیٹی کا حق ہوتا ہے۔"

پھر اباجی نے ان سب کو آبدیدہ ہو کر بتایا کہ کچھ رنجشوں کی وجہ سے ان کے خاندان نے ان کی بہن سے عمر بھر اپنا تعلق قطع کیے رکھا تھا...... اب جب وہ ہی دنیا میں نہیں رہیں تو کیسی اور کہاں کی رنجشیں ......

☆☆☆

"دیکھو پتر! میری کوئی بیٹی نہیں ہے...... مگر تم میری بیٹی ہی ہو...... ماضی میں جو ہوا اسے میں بدلنے پر قادر نہیں ہوں مگر اس گھر میں تمہیں تمہارے تمام حقوق ملیں گے۔

میرا بچہ دل کا بہت اچھا ہے۔ سب کے کام کرنے والا، دل میں سب کے احساس رکھنے والا، اس لیے تو گھر میں ہر کام کے لیے پہلی پکار عدی کے نام کی پڑتی ہے......" وہ مسکرائے ان کے لہجے میں اپنے بیٹے کے لیے بے پناہ محبت اور شفقت تھی۔

"تمہاری مامی جب اس دنیا سے گئی تو بڑے دو تو کالج میں تھے۔ عدی اسکول میں تھا۔ چھوٹا ہونے کی بنا پر پہلے پہل تو اسے گھر کے باہر، پھر آہستہ آہستہ بہت سے گھر کے کام بھی کرنے پڑ جاتے تھے...... بہوئیں گھر آ گئیں...... بڑے بیٹوں نے میرے لگائے پودے کو تنا آور درخت بنایا اور کاروبار میں لگ کر اسے وسیع کر دیا...... عدی نے بھی آہستہ آہستہ تعلیمی مراحل طے کر ہی لیے مگر ایک بات جس نے مجھے تشویش میں مبتلا کیا وہ ان ذمہ داریوں میں تو ماہر ہو گیا۔ جو اس کی تھی ہی نہیں۔ اور ان ذمہ داریوں سے جی چرانے لگا۔ جو اسے اپنانی چاہیے تھیں۔

مختصر یہ کہ اب یہ حال ہے وہ اٹھ کر سارے خاندان کا ناشتا بنانے سے لے کر بچوں کو اسکول لانے، لے جانے اور سبزی تک لے آنے کی زحمت تو کرتا ہے مگر بھائیوں کے ساتھ کام پر جانے میں اسے قباحت محسوس ہوتی ہے بھائی کھلا جیب خرچ پکڑا دیتے ہیں۔ بھابھیاں بھی اپنے اپنے کاموں کے لیے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی ہیں۔ مگر احسان جتا کر یہ بات مجھے پسند نہیں ہے۔ وہ ایک مرد ہے اور مرد کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ گھر بیٹھ کر ہانڈی چولہا کرے۔ گھر کے سربراہ کے بہت سے فرائض ہوتے ہیں۔ اس نے ایک خاندان کو چلانا ہوتا ہے۔ میں نے بہت کہا اسے بہت کوشش کی کہ وہ اپنی کاہلی اور سستی کو ترک کر کے راہ راست پر آ جائے مگر ایک دو دن بھائیوں کے ساتھ جاتا ہے۔ بھابھیوں کے کام الٹ ہو جاتے ہیں۔ وہ خاوندوں کو فون کھڑکا ڈالتی ہیں۔ عدی صاحب فوراً سر کے بل دوڑے چلے آتے ہیں۔ سب کچھ تمہیں صاف صاف بتا دیا ہے۔ اب تم پر ہے کہ تم کیسے اسے اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہو، خوش رہو......" عدی کے کمرے میں آنے سے پہلے اباجی آئے تھے غناء کے پاس...... اور اسے یہ سب باتیں بیٹھ کر بتائی تھیں پھر وہ جاتے جاتے رکے تھے۔

"اور ہاں! عدی کی طرح تم بھی مجھے اباجی کہو گی تو مجھے خوشی ہو گی......" غناء نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

شادی کے شروع کے دن تو پر لگا کر اڑ گئے تھے۔ عدی واقعی دل کا خوب صورت شخص تھا...... ہر ایک کا حد درجہ خیال رکھنے والا مگر غناء کو اس وقت بے حد برا لگتا جب دونوں بھابھیاں اور بڑی بھابھی کے بچے دھڑلے سے اپنے اپنے کاموں کی لسٹ لے کر

چلے آتے اور وہ بھی چوں چرا کیے بغیر اٹھ کھڑا ہوتا۔ گھر والوں کے کام کرنا بری بات نہیں مگر غناء کو ان کا تحکمانہ انداز اچھا نہیں لگتا تھا۔ ایسے میں اسے اباجی کی باتیں بے حد یاد آئیں۔

"سنیں عدی! آپ کب آفس جانا شروع کریں گے۔ ہماری شادی کو پندرہ دن ہو چکے ہیں۔ اتنی لمبی چھٹی سے کام کا حرج ہوگا ناں......" ایک روز صبح صبح جب وہ اٹھ کر بچوں کو اسکول چھوڑنے جانے کی جلدی میں تھا...... غناء نے عام سے انداز میں کہا۔

"ارے جان من! ہماری تو چھٹیاں ہی چھٹیاں ہیں، مزے ہی مزے، تم نیچے چلو! اباجی کو بلاؤ میں بچوں کو چھوڑ آؤں، بڑا مزے دار ناشتا کراتا ہوں اپنے ہاتھ کا تمہیں...... اتنے دن سے رضیہ کے ہاتھ کا کھا رہی ہو آج اپنے مجازی خدا کے ہاتھ کا کھا کے دیکھو...... انگلیاں نہ کاٹ لیں تو پھر کہنا۔" وہ بالوں میں کنگھی چلاتا ہوا بولا اور لمحوں میں سیٹی بجاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"ویسے غناء! شادی کو کافی دن ہو گئے تمہاری...... اور آج ایسا کرو کوئی میٹھا بنا کر باضابطہ گھر داری میں لگ جاؤ، مجھے اور بھابھی کو تھوڑا جلدی نکلنا ہوتا ہے صبح، تمہارے بھائی ہمارے بعد نکلتے ہیں آفس کے لیے، ان کا اور بچوں کا ایک ہی ٹائم ہے جبکہ اباجی اور عدی دیر سے ناشتا کرتے ہیں...... دوپہر دو بجے تک کھانا بنانا ہوتا ہے۔ رضیہ تمہاری مدد کر دے گی۔ پہلے رضیہ ہی سب کام کرتی تھی۔ اب وہ صرف شام کا کر لیا کرے گی۔ جو پکانا ہوگا ایک دن پہلے ہی بتا دیا کروں گی تمہیں۔" یہ بڑی بھابھی تھیں جنہوں نے اچانک ہی اس کے کمرے میں پر چھاپا مارا تھا جب وہ اپنی وارڈ روب سیٹ کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ چونک گئی تھی۔ پھر بڑی میٹھی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولی۔

"جی بھابھی! بالکل ٹھیک کہا آپ نے...... مگر گھر میں سب رہتے ہیں تو کام بھی سب میں برابر تقسیم ہونے چاہئیں ناں...... ناشتا آپ نہیں بنا سکتیں۔ ٹھیک ہے میں بنا لوں گی مگر دوپہر کا آپ آ کر بنا سکتی ہیں۔ صرف دو ہی پیریڈز پڑھانے ہوتے ہیں آپ کو...... رات کو بھی رضیہ کے ہاتھ کا کچا پکا کھانے کے بجائے چھوٹی بھابھی کر لیا کریں تو زیادہ بہتر ہے اور اگلے دن باریوں کی ترتیب بدل دینی چاہیے تاکہ کسی کو زیادہ کام کا اعتراض بھی نہ ہو اور گھر کے کاموں میں سب کو حصہ بھی مل جائے" وہ اتنی سیدھی ہرگز نہیں تھی جتنی شکل سے لگتی تھی بڑی بھابھی دانت پیس کر رہ گئیں۔

"ہاں ہاں جتنا ہم سے ہو سکے گا مل جل کر کریں گے...... تم پریشان مت ہو، آج ایک ہی چھٹی کا دن ہے تو میں تو رضیہ کے ساتھ مل کر کپڑے دھلواتی اور استری کراتی ہوں، تم ایسا کرو باہر آ کے کچن دیکھ لو......"

چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ جیسے آئی تھیں ویسے ہی باہر چلی گئی تھیں۔ غناء نے بے سدھ سوئے عدی پر ایک نگاہ ڈالی اور اباجی کے پاس آ گئی جو اخبار کے مطالعے میں بری طرح منہمک تھے جبکہ گھنٹہ قبل ہی غناء سب کو ایک پر تکلف ناشتا کرا چکی تھی...... اس نے ساری بات ان کے گوش گزار کی۔

"دیکھو بیٹا! قصور ان کا نہیں ہے۔ تمہارے میاں کا ہے جس کو مفت کا کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اب ان دونوں کے خاوندوں کی کمائی سے گھر چل رہا ہے تو ان کی کوشش یہی ہوگی کہ تم دونوں کا پیسہ گھر پر نہیں لگ رہا تو محنت تو ضرور لگے...... یہ تمہاری سمجھ داری پر ہے کہ تم معاملات کو کیسے نباہتی ہو...... اپنے خاوند میں احساس ذمہ داری پیدا کر کے اسے کسی نہ کسی کام کے لیے مجبور کرتی ہو یا اس گھر کی ساری ذمہ داریاں اٹھاتی ہو...... میں تو اتنا جانتا ہوں کہ تم سب کچھ سنبھال بھی لوگی تب بھی یہ لوگ کبھی تمہارا احسان نہیں مانیں گے الٹا جتائیں گے کہ کمائی ان کی ہے...... آگے تم خود سمجھ دار ہو......"

انہوں نے بہت پیار سے سمجھایا تھا۔ سر ہلاتی وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ ''اور ہاں! اس نالائق پر جگ پانی کا ڈال کے جگاؤ...... ناشتا کر کے مجھے شکیل صاحب کے ہاں چھوڑ آئے...... ورنہ ایک بار نیچے والوں کے ہتھے چڑھ گیا تو شام کو ہی اس کی شکل دیکھنے کو ملے گی......''

اخبار تہ کرتے انہوں نے کہا تو غناء الجھے دماغ کے ساتھ واپس لوٹ آئی تھی۔

اس دن تو اس نے بے حد دل لگا کر بہترین کھانا تیار کیا اور عدی سمیت تمام گھر والوں نے خوش دلی سے کھایا تھا مگر غناء کا عمر بھر اس جاکری کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ بھی اس صورت جب اسے گھر کے فرد کا مقام دیے بنا صرف ایک ملازمہ تصور کیا جائے جو اس وقت تک دل پر چڑھی رہے جب تک مشین کی طرح کام کرتی رہے۔ جیسے ہی مشین رکی اسے دل سے اتار دیا جائے...... یہی حیثیت بلکہ اس سے اچھی تو اس کی اپنے بھائیوں کے گھر تھی...... افسوس تو اسے اس وقت بھی بہت ہوتا جب بھابھیاں عدی کو بھی ملازم کی طرح ہی سمجھتیں اور بلاتیں، یہ اور بات ہے کہ اسے محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔ شادی ایک جوا ہے۔ اس نے بھی اسے کھیلنے کا ارادہ کر لیا کہ اس قسم کی زندگی تو وہ کبھی بھی نہیں گزار سکتی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن اس نے بہت جلدی کا الارم لگایا اور فجر کے وقت اٹھ کر نماز پڑھ کر ہی کچن میں آ گئی...... کمرے سے باہر نکلتے وقت عدی کو جھنجوڑ کر جگانا نہیں بھولی تھی...... سب کی پسند کے مطابق ناشتا تیار کرنے کے بعد جب سب ہی ٹیبل پر موجود تھے اس نے عدی کو مخاطب کیا۔

''سنیں! مجھے بھی بچوں کے ساتھ ہی ان کے اسکول لے چلیے...... اس کے بعد دو تین اور بھی اسکولوں میں بھی چلیں گے۔ میں نے جاب کے لیے اپلائی کرنا ہے۔''

''کیوں تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی ہے جاب کی...... گھر کی ساری عورتیں ہی جاب کرنے نکل پڑیں تو گھر کون سنبھالے گا...... اور پھر ایجوکیشن ہی کتنی ہے تمہاری جو جاب کا شوق چڑھا ہے؟''

بڑی بھابھی کو اس کا بنایا خستہ پراٹھا زہر لگنے لگا تھا یہ بات سن کر اباجی زیر لب مسکرائے جبکہ عدی بھی چونک کر ناگواری سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں بھابھی جو جاب کے پیچھے گھر کو نظر انداز کر دیں...... میرے اوپر میرے شوہر اور بزرگ سسر کی ذمہ داری بھی ہے۔ میں قطعاً نہیں بھولی۔ نہ ہی ان کے کسی کام میں کوتاہی برتوں گی...... اتنی تعلیم میں نے گھر بیٹھنے کے لیے حاصل نہیں کی۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے بی ایس آنرز ان فزکس کیا ہے...... دو ماہ پہلے فائنل امتحان ہوئے ہیں میرے اور اب تک تو رزلٹ بھی آ چکا ہوگا۔ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔''

بہت نرمی سے کہتی وہ آخر میں خاص طور پر عدی کو مخاطب ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو جی چھٹی ہوئی! محترمہ کو جاب کا شوق چرایا ہے، جاب تو وہ لوگ کریں جن کو کوئی فنانشلی پرابلم ہو۔ یہاں کس چیز کی کمی ہے۔ بس گھر کی ذمہ داریوں سے جی چرانے کا اچھا موقع ہے۔''

چھوٹی بھابھی کی زبان میں کھجلی ہوئی۔ کل کے مزے دار کھانے کا ذائقہ ابھی تک زبان پر تھا۔ اس لیے غناء کا یہ فیصلہ ان کو بھی ناگوار گزر رہا تھا۔

''ضرور اباجی آپ نے مشورہ دیا ہوگا اس بے وقوف کو...... بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ جاب کرنا آسان کام نہیں ہے نہ ہی ہمیں ضرورت ہے۔''

وہ ناگواری سے اباجی کو مخاطب کر کے بولا۔

''لے تیری دونوں بھابھیوں کو میں نے کہا تھا...... ان کو نہیں روکا تو اس کو کیسے روک سکتا ہوں؟ کر لینے دو اس کو بھی اپنا شوق پورا......'' اباجی کے جواب پر دونوں بھابھیاں کلس کے رہ گئیں۔

''آپ کو تو اباجی ہر بات ہماری ہی بری لگتی

ہے......؟"
بڑی بھابھی کہہ کر اٹھ گئیں تو چھوٹی نے بھی تقلید کی تھی۔

☆☆☆

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ صاف صاف مقابلہ کرنے والی بات ہے۔ تمہیں کیا ضرورت ہے اس خواری کی......"

اسد اور رمشا کے اسکول کے بعد وہ دو اور اسکولوں میں گئی تھی اور اب وہ دونوں گھر واپس آرہے تھے۔ تب عدی نے بات شروع کی تھی۔ اسے اس قدر گرمی میں یوں دھکے کھانا سخت برا لگ رہا تھا۔

"جب تم جاب کرنے لگو گے۔ وعدہ میں کسی کے کہے بغیر جاب چھوڑ دوں گی۔ بھائی، بھابھیوں کے زیر دست رہنا تمہیں پسند ہوگا، مجھے نہیں، میں نے تو اباجی سے کہہ دیا ہے کہ نیچے والا کمرہ مجھے محلے کے بچوں کے لیے اکیڈمی کے طور پر ارینج کرادیں۔ سکینڈ ٹائم میں اکیڈمی بھی پڑھاؤں گی۔" بالکل سادہ لہجے میں کہی ہوئی بات بھی عدی کو غصہ دلا گئی۔ اس نے گاڑی کو بریک لگا کر روکا۔

"وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کیوں......؟" وہ جھنجلایا۔

"مجھے بہت زیادہ کی چاہ نہیں ہے عدی! مگر جو تھوڑی بھی ہو وہ احسان کے ریپر میں لپٹی ہوئی ہرگز نہ ہو۔ پہلے آپ اکیلے تھے۔ جیسے بھی کرتے تھے، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے مگر اب میں بھی آپ کی ذمہ داری ہوں، کبھی بھی برداشت نہیں کروں گی کہ میں اپنی کسی ضرورت کے لیے آپ کو کہوں اور آپ اپنے بھائیوں کے سامنے ہاتھ پھیلا میری ضرورت پوری کریں...... میں جانتی ہوں کہ بزنس اباجی کے ہاتھ کا شروع کیا ہوا ہے، مگر اس میں محنت تو بھائی کی ہے ناں...... گھر انہی کے پیسوں سے چلتا ہے۔ ٹھیک ہے...... میں مان لیتی ہوں کہ کھانا، پینا، کپڑے دھونا سب ایک ہی گھر میں اکٹھا ہے۔ مگر کل مجھے اپنی ذاتی کسی چیز کے لیے مثلاً کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے یا میں بیمار ہی پڑتی ہوں، کیا کہیں گے جا کر کہ بھائی پیسے دیں مجھے میری بیوی کو ڈاکٹر کو دکھانا ہے یا دوائی لینی ہے......؟"

اس کا لہجہ نرمی لیے ہوئے تھا مگر الفاظ قطعاً نرم نہ تھے...... عدی نے پہلو بدلا۔

"میں نے زندگی کا بہت مشکل دور دیکھا ہے عدی! بہت مشکل سے مشکل مالی حالات میں بھی بھائیوں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا...... ٹیوشنز کیں، بھابھیوں تک کے کام معاوضے پر کیے۔ کلاس کو رقم لے کر جرنلز بنا بنا کر دیے نوٹس بنا کر دیے اور اپنی ضروریات پوری کیں تو اب کیسے اپنی خودداری کو سلا کر یہ سب برداشت کرسکتی ہوں...... آپ میری ضروریات اپنی جیب سے اور اپنی کمائی سے پوری کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو مجھے کسی بھی کام کے لیے منع بھی مت کریں بس اتنی درخواست ہے۔"

"بے وقوف عورت! خود ہی جانتی ہو کہ کاروبار اباجی کا ہے۔ گھر اباجی کا ہے اور تمہیں اس وقت اعتراض ہوتا جب میں الگ گھر میں رہتا ہوتا اور پھر ان سے مانگنے آتا۔ میرا ابھی ہر چیز پر اتنا ہی حق ہے، جتنا دونوں بھائیوں کا گھر اور بزنس پر...... اور یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ مجھے بات بات پر ان کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ بھائی مجھے بغیر کہے ہر ماہ اتنی رقم دے دیتے ہیں کہ میں آرام سے تمہاری اور اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہوں۔"

"ہاں اس وقت تک جب تک آپ ان کے بیویوں، بچوں کے ڈرائیور کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ باورچی سے لے کر خانساماں کی ذمہ داریاں کل وقتی ملازم کے سب کام جس دن آپ نے چھوڑ دیے اس دن آپ کے بھائیوں سمیت بھابھیوں کی محبت اور خرچے کی قلعی کھل جائے گی اور بالفرض آپ ان سب کاموں کے معاوضے کے طور پر یہ رقم وصول کرتے ہیں تب بھی بہت کم ہے کیونکہ بارہ تیرہ ہزار میں آپ کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے میرا تو کہاں ہی

بوجھ اٹھائیں گے۔ ابھی بھی وقت ہے عدی! میں نے رشتوں کی ان تلخ حقیقتوں کو بہت قریب سے برتا ہے۔ تب ہی آپ کو کہہ رہی ہوں کہ اگلے ماہ ہونے والے اپنے امتحان میں حصہ لیں اور ڈگری کا حصول ممکن بنائیں...... مشکل وقت خدانہ کرے کبھی آپ کا مقدر بنے...... مگر ایسا ہو تو اس میں تو اپنا سایہ بھی اپنا نہیں رہتا...... رشتے تو دور کی بات ہیں پھر بھی تعلیم اور ہنر انسان کی طاقت اور ہتھیار بنتا ہے۔

''افوہ یار! بس بھی کرو یہ خوف ناک لیکچر! میں ابھی کچھ سال زندگی کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں...... میں تو ابھی شادی جیسے جھنجٹ کے موڈ میں ہی نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں اباجی کو میری آزادی کھلنے لگی اور لے آئے اپنا ایک اور جانشین تمہاری صورت...... کرلوں گا میں بھی سب کچھ جب وقت آئے گا۔ ایک ہی بات بار بار کرکے مجھے پریشان کرنے کی کوشش مت کرو...... یہ تمہارے خیالات ہیں۔ میں ان سے ہرگز متفق نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے اپنے بھائیوں کی محبت پر کوئی شک ہے۔ تمہارے جو جی میں آئے وہ کرو......'' اس نے بےزاری سے کہہ کر گاڑی دوبارہ سے اسٹارٹ کی تھی۔ غناء کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔

☆☆☆

''تمہیں پتا بھی ہے عدی کہ گاڑی صرف تمہارے استعمال کے لیے نہیں ہے، جو بیوی کو لیے یہاں وہاں کی سیریں کرتے پھر رہے ہو...... تمہارے بھائی نے آج جلدی جانا تھا...... تو مجھے چھوڑ گئے کہ عدی چھوڑ آئے گا...... اور تم سدا کے لاپروا بندے...... حسب معمول سیل اوپر ہی پڑا ہے تمہارا...... کلائنٹس کی کالز پر کالز آرہی ہیں...... اب جلدی سے مجھے پارلر چھوڑ کے آؤ۔''

گھر آتے ہی لاؤنج میں چھوٹی بھابھی ٹہلتی ہوئی ملیں اور آتے ہی عدی کو لتاڑ کر رکھ دیا۔ غناء نے ایک جتاتی نظر اس پر ڈالی اور خود اوپر کی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر ہی آرام سے بیٹھی پھر نیچے کچن میں آگئی تھی...... اسے دیکھ کر لاؤنج میں ٹی وی چلا کر آہستہ آہستہ سبزی بناتی رضیہ ہڑبڑا کر اٹھی...... غناء کے تیور دیکھ کر اس نے ٹی وی بند کیا اور کچن میں آگئی۔

''کیا روٹین ہے دوپہر کے کھانے کی......؟''

سنجیدگی سے پوچھے گئے سوال پر رضیہ فرانٹے سے شروع ہوگئی۔

''وہ جی بڑی بی بی کا آرڈر ہے کہ گھر میں چونکہ عدی صاحب اور اباجی ہوتے ہیں تو سبزی اور دال ہی پکالیا کروں...... صرف چھٹی والے دن اہتمام ہونا چاہیے دوپہر کے کھانے میں شام کو کیونکہ سب اکٹھے کھانا کھاتے ہیں تو دو اچھی ڈشز ضروری ہونی چاہئیں۔ ہاں بچے اسکول سے آئیں تو ان کو کچھ خصوصی پکا کر کھلانے کا حکم ہے بیگم صاحب کا جو وہ کہیں......''

''کاش کہ عدی صاحب رضیہ کی یہ تقریر سن کر ہی اپنی اہمیت جان لیتے۔'' اس نے دل میں سوچتے ہوئے کہا۔

''اوکے تم ایسا کرو جیسے میں کہتی جاؤں ویسے کرتی جاؤ...... کھانا میں خود ہی بنالیتی ہوں......''

ایک طویل سانس لیتے اس نے کہا اور گھنٹے کے اندر اس نے فریج سے گوشت نکال کر قورمہ تیار کیا...... سلاد بنایا اور روٹیاں ڈال کر رضیہ کے ذمہ چٹنی بنانے کا کہہ کر خود اوپر آگئی۔ مئی کی گرمی میں کچن میں کام کرنا آسان کام نہیں تھا۔ نہادھو کر اس نے جب تک کھانا لگایا...... اباجی اور عدی ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے تھے۔

''آہا...... جیوندی رہ میری پتری! آج تو اپنی ماں کی یاد دلادی تم نے......''

ٹیبل پر مختصر مگر ذائقہ دار کھانا دیکھ کر وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

''چلو جی! اس خوشی میں یہ لو میری طرف سے انعام اور آج تمہارا آدھا کام تو ہوگیا سارے محلے

میں خود جاکے اپنی غناء کی تعلیم اور اکیڈمی کے بارے میں بتا کے آیا ہوں...... مجھے تو لگ رہا تھا کہ لوگ آج ہی سے لوگ اپنے بچوں کو بھیجنا شروع کر دیں گے......"

اباجی تو غناء سے بھی زیادہ خوش تھے۔

"او تیرا بوتھا کیوں سوجا ہوا ہے......؟"

مزے سے کھانا کھاتے انہیں بالکل خاموشی سے کھانا زہر مار کرتے عدی کا خیال آیا......

"اباجی! ان کو نہ تو میرا جاب والا آئیڈیا پسند آیا نہ ہی اکیڈمی والا ان کے خیال میں گھر کو زیادہ میری ضرورت ہے......"

غناء نے عدی کی جانب دیکھ کر اباجی کو بتایا۔

"ہاں تے چھوڑ دے گی جب تو کمائے گا اور ابھی بھی اس نے گھر کی ذمہ داری چھوڑی تو نہیں ہاں......" اباجی کا اطمینان قابل دید تھا۔

عدی نے نوالہ پلیٹ میں پٹخا۔

"تو یہ کیڑا آپ نے ہی اس کے دماغ میں گھسایا ہے۔ مجھے پہلے پتا تھا، آپ کو تو میری آزادی اور عیش اچھے ہی نہیں لگتے کبھی...... لٹھ لے کے سب پیچھے ہی پڑ گئے ہیں......"

کھانا ادھورا چھوڑ کر وہ دھڑ دھڑ کرتا اوپر جانے والی سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا......

"او تو فکر نہ کر...... اس کا غصہ بھی ہوائی ہوتا ہے۔ چلو شاباش کھانا کھاؤ۔"

مگر غناء سے نوالہ نگلنا مشکل ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عدی پھر سے آف موڈ کے ساتھ نیچے اترتا دکھائی دیا تھا...... آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں بچوں کو اسکول سے لے آیا تھا۔

"چاچی! ہمارے لیے پلیز چکن میکرونیز بنا دیں...... بہت بھوک لگی ہے......"

اسد نے بیگ وہیں صوفے پر پھینک دیا تھا رشنا نے بھی اس کی پیروی کی تھی۔

"کھانا تو میں بنا چکی ہوں بیٹا اور چکن ہی بنایا ہے...... وہ آپ لوگوں کے لیے لے آتی ہوں کیونکہ فریج میں بس یہی چکن تھا......"

رشنا نے منہ بنایا۔

"نہیں چاچی! ہم نہیں یہ کھاتے...... ہمیں کچھ اور بنا دیں......"

"او کے ہانیہ! پھر آپ کو جو کھانا ہے۔ رضیہ سے کہہ کر بنوا لیجیے......" اس سے زیادہ ان بگڑے بچوں کے نخرے وہ نہیں اٹھا سکتی تھی، سو کہہ کر اوپر آ گئی...... صاحب بہادر موبائل کے ساتھ حد درجہ مصروف نظر آئے اتنے کہ اسے دیکھ کر باقاعدہ رخ دوسری طرف موڑ لیا۔ غناء کا اسے منانے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ سو جیسے ہی ستانے لیٹی، نیند نے آن لیا اور جس وقت وہ اٹھی عصر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ عدی بھی بے خبر سوتا نظر آیا۔

"اور جو سوتے ہیں اور سارا دن صرف سوتے ہی بلاشبہ کھوتے ہیں......"

اسے دیکھ کر اس نے تاسف سے سوچا اور خود نماز ادا کرنے کے بعد وہ چائے بنانے نیچے آ گئی کہ اس ٹائم گھر کے سب ہی افراد چائے پیتے تھے۔ پہلے یہ ذمہ داری عدی کے سر تھی اب جب سے وہ آئی تھی۔ اس نے یہ کام ازخود اپنے سر لے لیا تھا۔ اتنی عورتیں گھر میں ہوں اور مرد کچن میں کام کرے، اسے ہرگز پسند نہیں تھا۔ اباجی کو اس کے ہاتھ کے پکوڑے بہت پسند تھے۔ اس نے پہلے پکوڑے اور پھر چائے بنائی اور سب سے پہلے اباجی کو دی۔ چھوٹی بھابھی ابھی پارلر سے لوٹی نہ تھیں سو چھوٹے بھیا کو چائے اور پکوڑے دینے کے بعد جب وہ بڑی بھابھی کو چائے اور پکوڑے دینے آئی۔ بڑے بھائی نظر نہیں آئے تھے۔ بچے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ جبکہ وہ خود رضیہ سے ٹانگیں دبوا رہی تھیں۔ اچھا بھلا خوش گوار موڈ اسے دیکھ کر بگڑ گیا۔

"دیکھو غناء! عدی ہمارے بچوں کی طرح ہے اور تم اس کے حوالے سے ہمیں عزیز ہو...... مگر مجھے میری اولاد سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں ہے۔ آج تمہاری وجہ سے میرے بچے بھوکے رہ گئے...... بھئی

دیکھو صاف بات ہے کہ اس گھر کا کچن ہم چلاتے ہیں اور بلز وغیرہ چھوٹے بے کے ذمہ ہیں تو ہزاروں روپے خرچ کر کے بھی ہمارے بچے بھوکے رہیں تو یہ برداشت نہیں کروں گی...... خود تو مرغ مسلم اڑا لیا تم میاں بیوی نے...... کیا تھا جوان معصوموں کا بھی تھوڑا خیال رکھ لیتیں...... ویسے بھی عدی کماتا نہیں ہے بس بستر ہی توڑتا ہے سارا دن گھر پر...... وہ تو مرد ہے ایسی نزاکتوں کا کیا پتا تمہیں ہی خیال کرنا چاہیے کچھ...... لو یہ چائے دو اب...... ٹھنڈی ہوگئی ساری ......"

"معاف کیجیے گا بھابھی! عدی کی اس طرز زندگی کے ذمہ دار بھی آپ ہی لوگ ہیں...... صبح آٹھ بجے سے رات آٹھ بجے تک کوئی دس سے بارہ چکر تو وہ آپ کے چھوٹی بھابھی کے کاموں کے لیے لگاتا ہے۔ بچوں کو اسکول کوچنگ چھوڑنا لے آنا سب اس پر چھوڑ کر آپ بری الذمہ ہو کر بیٹھ گئے اس پر مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو اس کی بے روزگاری کا طعنہ دینا چاہیے پانچ ہزار تو یہی رضیہ آپ سے صرف کھانا پکانے کے لیتی ہے۔ باقی کام الگ۔ اور عدی جیسے بے دام غلام کو اس گھر سے صرف دو وقت کی روٹی اور مہینہ میں ایک بار دس ہزار آپ لوگ پکڑا دیتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ کو کچھ جتانا نہیں چاہیے بلکہ احسان ماننا چاہیے اس کا کہ پانچ بندوں کا کام اس ایک بندے نے سنبھالا ہوا ہے۔ اور تنخواہ اسے ایک کام بندے کے کام کی بھی نہیں دے رہے ہیں آپ......"

کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ پکوڑے، چائے سب بھول کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

وہ تو شکر ہوا عدی موجود نہیں تھا ورنہ نقص امن کا خطرہ سو فیصدی تھا وہ تو غصہ اس وقت تھوڑا کم ہوا جب تین سے چار محلے کے بچے ٹیوشن کے لیے آئے۔ ابھی اس نے نیچے والا خالی کمرہ سیٹ نہیں کیا تھا۔ سوان کو اپنے کمرے میں ہی بیٹھ کر پڑھایا۔ اور مغرب کی نماز پڑھ کر انہیں واپس بھیجا۔ تبھی فون

فال کرتا وہ آیا تھا اور آتے ہی اس پر چڑھ دوڑا۔

"تم ہوتی کون ہو ہمارے گھر کے معاملات میں دخل اندازی کرنے والی...... اپنی اوقات دیکھی ہے تم نے...... میرے سر پر کسی عذاب کی طرح مسلط ہو تو گئی ہو اب گھر والوں کو تو کم از کم بخش دو...... کتنی گری ہوئی بات کی تم نے بھابھی سے کہ مجھے اپنے گھر کے چھوٹے موٹے کاموں کا معاوضہ دیا جائے...... اف میرے خدا......؟ کیا سوچا ہوگا بھابھی نے......" سر تھامے وہ بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھا۔

"کتنی سطحی سوچ تمہاری اور کتنی مادیت پرست ہو تم......؟ اپنے بچوں کو اگر میں پک اینڈ ڈراپ کر دیتا ہوں تو مجھے اس کا معاوضہ......" تاسف سے کہتے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"انہوں نے تمہیں میری ردعمل کے طور پر کہی گئی ایک بات بتا دی یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے تمہارے اور میرے متعلق کیا کہا......؟ تمہاری بے روزگاری کا طعنہ دیا انہوں نے مجھے، تمہارے اور میرے مفت روٹیاں توڑنے کی بات کی انہوں نے......"

وہ پھٹ پڑی۔

"ارے جاؤ! تمہیں اس گھر میں آئے بمشکل دو ماہ ہوئے ہیں اور اپنے گھر والوں کو میں برسوں سے جانتا ہوں۔ اپنے بچوں کی طرح سمجھتی ہیں میری بھابھیاں مجھے...... ایسی غلط سلط باتیں ان سے منسوب کر کے تم اپنی غلطی چھپانے کی کوشش مت کرو...... تمہیں بھابھی سے اپنی غلطی کی معافی مانگنی ہوگی اور خبردار ابا جی کو درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں نے کسی سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس پر مجھے شرمندگی ہو...... میں معافی بھی نہیں مانگوں گی۔ جب میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔"

وہ بھی اپنی بات پر اڑ گئی تھی۔ عدی کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا پھر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا کمرے

سے باہر نکل گیا۔ غناء دھپ سے بستر پر بیٹھ گئی۔

''یا اللہ! کیا کبھی مجھے ان بھابیوں کی مکاریوں سے نجات ملے گی۔''

☆☆☆

''اباجی! یہ کچھ پیسے ہیں بالکل میرے ذاتی...... مجھے ان سے کچھ سامان منگوا دیجیے تاکہ میں آپ کا اور اپنا ناشتا بنا سکوں...... پہلے اس گھر کے مکین صرف تاثرات سے کہتے تھے اب زبان سے بھی کہنے لگے ہیں کہ اس گھر میں میرے شوہر کی کمائی نہیں ہے تو میرا کوئی حق بھی نہیں ہے کسی چیز پر...... ان کی بات بھی غلط نہیں ہے...... بس جس دن عدی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی سب ٹھیک ہو جائے گا...... آپ کچھ بھی بولے بغیر مجھے کوشش کر لینے دیں...... کوشش ہی تو کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے......''

صبح نماز کے بعد وہ ان کے کمرے میں آئی...... تلاوت قرآن پاک کرتے انہوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کی بات سن کر تو ان کی حیرت شدید تر ہو گئی تھی۔

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! مگر تم یہ پیسے رکھ لو، مجھے بتاؤ کیا لانا ہے...... تمہارا اور کسی پر نہ ہو...... مجھ پر تو حق ہے ناں...... تمہاری ماں تو دھڑلے سے میری جیب سے پیسے تک نکال لیا کرتی تھی مگر تم تو مانگنے سے بھی ہچکچا رہی ہو، ایک اور بات! ایسے تو عدی اور لاپروا ہو جائے گا تمہاری ذمہ داریوں سے...... اپنی ضروریات کے لیے اس سے مانگو گی نہیں تو اسے کیسے احساس ہوگا کہ اب وہ اکیلا نہیں ہے......''

''احساس کرنے والا بندہ تو ہر صورت حال میں احساس کر لیتا ہے۔ جس نے نہیں کرنا اس کے سامنے ڈھنڈورا کیوں نہ پیٹتے رہو...... اس پر اثر نہیں ہوتا۔ آپ یہ سامان لے آئیں......''

وہ پرچہ ان کے ہاتھ میں تھماتی باہر آ گئی تھی۔ کچن میں کسی کے آنے سے پہلے ہی اس نے اپنا اور اباجی کا ناشتا بنایا اور اوپر آ گئی تھی۔

دونوں بہو، سسر نے ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان ناشتا کیا تھا۔ پھر اباجی کے مشورے کے مطابق ہی وہ بظاہر لمبی تان کر سو گئی تھی۔ ان دونوں کا پروگرام تھا سب کے چلے جانے کے بعد نیچے ٹیوشن والا کمرہ سیٹ کریں گے جو پہلے اماں جی اور اباجی کا ہوتا تھا مگر بعد میں اباجی اور عدی اوپر شفٹ ہوئے تو وہ کمرہ ویسے ہی پڑا ہوا تھا۔ مسلسل دو ماہ سے ناشتا وہی بنا رہی تھی تو آج بھی سب اپنے اپنے ٹائم پر ناشتے کے لیے آئے تھے آگے خالی کچن اور خالی میز سب کو اپنا منہ چڑاتی ہوئی ملی تھی۔ بڑی بھابھی نے فوراً ہی عدی کو فون کھڑکایا تھا۔ مسلسل بیل پر عدی نے بمشکل آنکھیں کھول کر موبائل کو اور پھر بے خبر سوئی غناء کی طرف دیکھا۔

''ہیں...... یہ کیوں ابھی تک سو رہی ہے......؟''

''جی بھابھی!......''

''معافی تو کیا ہی منگواتے تم اپنی لاڈلی بیگم سے اس کی بدتمیزی کی الٹا سارا گھر ناشتے کے لیے پریشان بیٹھا ہے...... مہارانی نے غصے میں ناشتا ہی نہیں بنایا......''

ان کی بات سن کر عدی کی آنکھیں پٹ سے کھلی تھیں۔ اس نے کروٹ کے بل سوئی ہوئی غناء کی پشت کو گھورا۔

''بھابھی! ابھی آتی ہے وہ پانچ منٹ ویٹ کریں۔ رات اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو آنکھ نہیں کھلی اس کی۔''

دوسری طرف کا جواب سننے بغیر اس نے موبائل بیڈ پر اچھالا اور اٹھ کر اسے غصے میں جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ غناء جو پہلے ہی جاگ رہی تھی ناگواری سے اٹھ بیٹھی۔

''یہ کیسی شریف انسان کو نیند سے جگانے کا کون سا مہذب طریقہ ہے......؟''

''اور جو شریف انسان کی کارگزاریاں ہیں وہ تو سونے میں تولے جانے کے قابل ہیں گویا...... فی الحال کسی بھی بحث میں پڑے بغیر فوراً نیچے جاؤ اور

ناشتا تیار کر کے دو سب کو...... بھوکے بیٹھے ہیں سب پھر نکلنا بھی ہے ان کو......
اور اگر میں نہ جاؤں تو......؟''
اس کے ایسا کہنے پر وہ جو تاول اٹھا کر واش روم کی طرف جا رہا تھا۔ ایک دم مڑا اور جارحانہ انداز میں اس کی طرف آیا۔
''پھر مجھے جلد ہی کوئی فیصلہ لینا ہوگا...... کسی ایسی عورت کو میں زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکوں گا جس کے نزدیک اس کے شوہر اتنی اہمیت بھی نہیں کہ وہ اس کی کوئی بات مان سکے...... ابھی بھی میں صرف اباجی کے لحاظ میں چپ ہوں کے وہ اپنی بہن سے بہت محبت کرتے تھے ان کو میں نے بہت دفعہ ان کی یاد میں روتے دیکھا ہے...... مگر میں زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکوں گا اگر تم نے ایسا ہی رویہ اختیار کر کے گھر میں مزید خرابی پیدا کرنے کی کوشش کی تو......''
اس کے واش روم جانے کے بعد وہ آہستہ سے اٹھی تھی اور نیچے چلی آئی تھی...... بڑی بھابھی نے بڑی جتاتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ کچھ ہی دیر میں خوشبوؤں سے مہکتا ہوا وہ بھی آن پہنچا تھا...... بچوں کو اسکول جو چھوڑنا تھا...... آج تو جان بوجھ کر بڑی بھابھی نے ایک دو اور کام جتاتے ہوئے عدی کے ذمہ لگائے تھے...... غناء کو قطعاً پروا نہیں تھی اب وہ جو چاہے کرتا...... جو خود ہی کنویں میں چھلانگ لگانے کی خواہش رکھتا ہو اسے کوئی اور بھلا کیسے اور کب تک باز رکھ سکتا ہے۔
چار اسکولوں میں سے ابھی کہیں سے بھی اسے کال نہیں آئی تھی مگر اس کی پوری توجہ ٹیوشن والے بچوں پر تھی کہ وہی اب اس کی خودداری کی بقا کا ذریعہ تھے ان کی تعداد اب سولہ ہو چکی تھی...... جگہ کی کمی کے باعث فی الحال غناء ان کی اتنی ہی تعداد کافی سمجھتی تھی...... گھر کے مالکوں کا رویہ دیکھ کر اب رضیہ بھی اسے خاطر میں نہ لاتی تھی۔

☆☆☆

اپنے کمرے کی صفائی کرنے کے بعد اس نے حسب معمول اباجی سے سبزی منگوائی تھی اور کچن میں آ کر کھانا تیار کرنے میں لگ گئی تھی......
''میں اباجی، اپنا اور عدی کا کھانا بنا رہی ہوں...... تم بچوں کے لیے جو بنانا ہیں وہ بنا لینا جب تک صفائی کر لو یا کوئی اور کام۔''
اسے مسلسل سر پر سوار دیکھ کر اسے جھنجلاہٹ ہوئی تو اس نے اسے باہر جانے کو کہا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی اس کا جواب سن کر۔
''نہیں جی! میں نے گھر کا کام ہی نہیں کرنا ہوتا صرف...... پورا گھر ہی میرے ذمہ چھوڑ کے جاتی ہیں باجیاں تو نگرانی بھی تو میرے ذمہ ہوئی ناں...... کچن بھرا رکھا ہے ہر قسم کے سامان سے...... کوئی کمی بیشی ہوئی تو پوچھ گچھ تو میری ہوگی ناں۔''
''یا اللہ یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ گھر کی معمولی ملازمہ کو بھی مجھ پر فوقیت حاصل ہوگی...... کاش یہ تمام باتیں وہ بے وقوف انسان سن اور سمجھ لے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر دوسروں کی کمائی کے بل پر زندہ رہنے والا شخص خود ہی اپنے مقام سے نہیں گرتا خود سے وابستہ رشتوں کو بھی حیثیت میں نیچے لے کے جاتا ہے۔''
''باجی صبح کہہ کے گئی تھیں کہ صرف سبزی یا ناشتا باہر سے منگوا لینے سے کام نہیں چلتا...... گیس اور مسالے تو اس کچن کے ہی استعمال ہو رہے ہیں اور آئل پتا ہے کس بھاؤ ہے آج کل......''
وہ کسی اور کی پڑھائی پٹی تھی جو رضیہ فر فر سنا رہی تھی۔ بڑی بھابھی کو اس کی کل کی جسارت اتنی بری لگی تھی کہ وہ کھل کر ہر محاذ پر اس کے مقابل آ گئی تھیں۔
دوپہر کے وقت وہ بھی موجود تھا...... جب اس نے کھانا لگا کر اباجی کو اور اسے بلایا اور کھانا کھانے کے بعد رضیہ کی کہی ہوئی باتیں ویسے کی ویسے دہرا دی تھیں۔
''ہاں تو کیا غلط کہا اس نے...... اب اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کھڑی کر کے دوسروں کی انا کو

چوٹ پہنچاؤ گی تو ایسی باتیں تو سننے کو ملیں گی ہی۔ مجھے تو حیرت اباجی آپ پر ہوتی ہے......آپ کیوں اس بے وقوف کو سمجھانے کی بجائے غلط شہ دے رہے ہیں۔ ساری دنیا ہی جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتی ہے۔ لاکھوں عورتیں گھر کے کام کرتی ہیں۔ ایک آپ کی بھانجی کو پتا نہیں کیا تکلیف ہے۔"

اوکھوتیا......اوکھوتیا......اس نے بھی کبھی کام سے منع نہیں کیا یا جی نہیں چرایا۔ اسے کسی سے شکایت بھی نہیں ہے سوائے تیرے۔ تو ایک دفعہ بیٹھ کے اس کی بات سن ...... اس کا نظریہ سمجھ کہ وہ تجھ سے کیا چاہتی ہے......یہی نا کہ بھلے دو پیسے کما کے لا مگر خود سے کما کے دے......تیرے تو بھائی ہیں وہ......حق سے مانگ لیتا ہے۔ مگر ہر بندہ ایسی طبیعت کا نہیں ہوتا......کچھ خوددار لوگ تو مانگنے سے پہلے مرجانا پسند کرتے ہیں۔"

"میں کون سا بھیک مانگنے کو کہہ رہا ہوں اس کو بس یہی کہا ہے کہ جیسے چل رہا ہے چلتا رہنے دو...... تمہیں تمہاری ضرورت کی ہر چیز مل جائے گی وہ بھڑکا۔

"اوعدی! تو ایسا بے دید اور بے لحاظ تو کبھی بھی نہیں تھا۔ یاد ہے میں اپنے سب دکھ سکھ تجھ سے کہا کرتا تھا......تیرے منہ میں زبان ہی نہیں تھی اب تو لگتا ہے زبان پر تو نے پوری کنڈوں (کانٹو) کی فصل اگا رکھی ہے......تیرے بھلے کو کہتی ہے یہ...... جو بھی کہتی ہے، کل کو تیرے بال بچے ہوں گے تب کیا کرے گا......ایسے ہی بھائیوں کا دست نگر رہے گا......"

"آپ کے اور اس کے بھی کسی کام سے میں نے انکار نہیں کیا مگر اس کی فضول ضد مجھے غصہ دلاتی ہے......اللہ کا شکر ادا کرے اس نے کبھی بھوکا نہیں سلایا۔ آگے بھی کچھ نہ کچھ ہو جائے گا......بس یہ بھابیوں کو عزت دے گھر سنبھالے تو وہ بھی اس کی دل سے عزت کریں گی۔ اب یہ میرے کام کو ہزار بار گنوا کے ان کی تنخواہ مقرر کرنے کی بات کرے گی ......اینٹھ کر اپنا کھانا پینا الگ کرے گی تو ایسا تو ہوگا ناں......میں سو رہا ہوں اب بچوں کو پک کرنے کے ٹائم جگا دینا اور اباجی! آپ سے امید کرتا ہوں کہ اسے سمجھائیں گے۔ حیثیت اور مقام وہ بھی ایک دوسرے گھر میں حاصل کرنے کے لیے گھر والوں کو اپنا بنانا پڑتا ہے۔ جان مارنی پڑتی ہے۔"

الٹا وہ ان دونوں کو لیکچر پلاتا ہوا اٹھ گیا تھا۔

"اوتو فکر نہ کر پتر! پرانی عادتیں اتنی جلدی نہیں چھوٹتیں......میں تیرے ساتھ ہوں"

بالکل خاموش بیٹھی غناء کے سر پر انہوں نے ہاتھ رکھا تو وہ بمشکل سر ہلا پائی تھی......وہ کب گھر والوں کو عزت دینے اور جان مارنے کو تیار نہیں تھی مگر مقابل کب اس کے لیے تیار تھے......بہرحال یہ تو طے تھا کہ وہ اپنی خودداری کو گروی رکھ کر کوئی مقام نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

گرمیاں شروع ہوتے ہی اسے بری کے ریشمی کپڑے بری طرح سے چبھنے لگے تھے مانگنے کی اس کی عادت نہیں تھی اور جس کا فرض تھا وہ اپنے فرض سے لاپروا تھا۔

"وہ مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔ گرمیوں کے کپڑے لینے ہیں......؟" اس نے جھجکتے ہوئے کہا کہ ٹیوشن والے بچوں کو ابھی پورا مہینہ نہ ہوا تھا اور اس کے پاس جو رقم تھی وہ اس سے چھوٹی موٹی ضروریات پوری کرنے کے لیے خرچ کرتی تھی...... یہ اور بات ہے کہ جب سے اباجی نے اس سے سبزی یا کسی بھی چیز منگوانے کے روپے پیسے لیے تھے وہ خود ہی چادر لے کر بازار چلی جایا کرتی تھی۔ اسے احساس تھا کہ اباجی کی معمولی پنشن میں ان کا اپنا گزارا مشکل سے ہوتا تھا۔

"ہاں تو بھابھی سے کہو ناں......اس میں کیا مسئلہ ہے......؟" اس کے لاپروا انداز میں جواب دینے پر غناء کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"میں بھابھی کی نہیں عدی تمہاری ذمہ داری

ہوں......"

"ایک تو تمہاری سو کالڈانا...... ٹھیک ہے میں خود لے آؤں گا کپڑے تمہارے...... اور کچھ۔"

موبائل سے نظریں اٹھائے بغیر وہ بولا تھا۔ نارمل بھی شاید وہ اس لیے بول رہا تھا کہ غناء نے اپنی روٹین تو وہی رکھی تھی خود اپنا بندوبست کر کے کھانے پکانے کی ...... بچے کھچے پیسوں سے ایک چھوٹا سلنڈر اور گیس والا چولہا اوپر ابا جی سے منگوا کر سیٹ کر لیا تھا۔ ساتھ ساتھ نیچے والوں کا ناشتا اور شام کا کھانا بھی بنا رہی تھی۔ جس دن وہ ذرا سی بھی کوتاہی برتتی ...... بڑی بھابھی کو خود کچھ کہنا ہی نہیں پڑتا...... عدی کو ہی میدان میں اتار دیتیں جس کی روٹین ویسے کی ویسی تھی۔

☆☆☆

ہفتہ وار چھٹی تھی تو چھوٹی بھابھی کے سوا سب گھر پر ہی تھے بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی نے آج کسی پارٹی سے ملنا تھا۔ سو عدی کے فون پر ہی بڑی بھابھی کی کال آئی تھی۔ غناء آ کر ان کا ناشتا بنا دے تو وہ جائیں۔ وہ خود رضیہ کے ساتھ صفائی میں لگی ہوئی ہیں۔ اسے ہی فون پکڑا کر وہ دوبارہ لمبی تان کر سو گیا تھا۔ غناء کو لگتا کہ ایک اس کی نیند ہی اسے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھی جس کے لیے اس نے اپنا کیریئر، اپنی تعلیم حتیٰ کہ اپنا گھر بھی داؤ پر لگا رکھا تھا۔ دوسری طرف بھابھی بیگم نے آرڈر دے کر فون بند کر دیا تھا۔ جانتی تھیں ان کا حکم آگے پہنچانا اور اس کی تکمیل کرانا عدی کی ذمہ داری تھی۔

"حد ہوتی ہے ہڈ حرامی کی...... آج تو گھر پر ہیں۔ آج ہی اپنے مردوں کو اپنے ہاتھ کا بنا کچھ کھلا دیں......"

بڑبڑاتی ہوئی وہ اٹھی اب وہ عدی کے سامنے بھی اچھا خاصا برا بھلا بول جایا کرتی تھی کبھی تو وہ خاموشی سے سن لیتا۔ کبھی اسے ڈانٹ بھی دیتا تھا۔

دس بجے کے قریب وہ فارغ ہوئی تھی کہ اسے دیکھ کر اسد کو شوق چڑھا کر اسے چھوٹی چاچی کے ہاتھ کی پوریاں بہت پسند ہیں اس کی فرمائش کے ساتھ اسے ابا جی یاد آئے جو پوریاں بہت شوق سے کھاتے تھے اور یقیناً صبح چھ بجے جو انہوں نے غناء کے ساتھ پراٹھا کھایا تھا وہ ان کے چلتے پھرتے رہنے کی وجہ سے ہضم ہو چکا ہو گا سو حلوہ پوری بنا کر وہ فارغ ہوئی تو پسینے میں شرابور اس کا کھانے کو دل ہی نہیں کیا۔ رضیہ کے ذمہ ہی سب کو دینے کا کام ذمہ لگا کر وہ اوپر آ گئی تھی شکر ہے صاحب بہادر نہا دھو کر تیار تھے۔ غالباً کہیں جانے کی تیاری تھی۔

"کیا ہوا......؟ میرا ناشتا ہی لے آتیں یار...... کوئی سست عورت ہو تم بھی......"

"تم سے کم ہی سست ہوں...... تمہارا بس چلے تو ساری عمر یہیں بستر پر تمام کر دو۔ بنا کے رکھ آئی ہوں نیچے وہیں جا کر کر لو، اب مجھے کیا پتا بادشاہ سلامت جاگ چکے ہیں۔"

گرمی سے برا حشر تھا۔ اوپر سے اس کی فرمائش پر الٹ ہی پڑی۔

"قسم سے تمہاری یہ جو زبان ہے ناں دل کرتا ہے کسی دن قینچی سے کاٹ کر رکھ دوں۔"

دانت پیس کر وہ بولا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ...... بڑی بھابھی دستک دے کر چلی آئیں۔ ہاتھ میں نفاست سے تہ کیے ہوئے کوئی سات آٹھ سوٹ تھے۔

"یہ لو بھئی غناء! یہ تمہارے گرمیوں کے کپڑے...... داد دینا میری درزن کو جس نے بالکل تمہارے ناپ کے بنا دیے...... پچھلے سال ہی بنائے تھے میں نے ایک ایک ہی بار پہنے ہوئے ہیں۔ یہ تین تو تم خاص خاص مواقع کے لیے سنبھال کر رکھ لو کیونکہ بہت مہنگے والے ہیں یہ والے چار بھی اچھے والی لان ہے۔ گھر میں استعمال کرو۔" غناء کی رنگت متغیر ہو گئی تھی پوری بات سن کر۔

"آپ اپنی خیرات اٹھائیں اور چلی جائیں یہاں سے۔" اس نے بیڈ پر رکھے ان کے کپڑوں کی ڈھیر کی طرف اشارہ کیا اور رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"دیکھ رہے ہو عدی! اپنی دلہن کے تیور...... یہ ایسے ہی کرتی ہے ہر بات...... ہر معاملے میں...... ہماری تو چلو جاب کی مجبوری ہے سوسائٹی میں اٹھنا بیٹھنا ہے اس لیے اتنے سوٹ بنوانا پڑتے ہیں اس نے کہاں جانا ہے۔"

"کیا بدتمیزی ہے غناء......! یہ کون سا طریقہ ہے......خود ہی کپڑوں کے لیے کہہ رہی تھی......اب اس طرح کی باتوں کا مطلب......" وہ جاتا ہوا واپس مڑ آیا۔

"مجھے ایک ہی سوٹ لے دیتے عدی! بھلے کم قیمت ہوتا مگر میری یوں تذلیل تو نہ ہوتی......غریب ضرور تھی میں......مگر آج تک اترن نہیں پہنی میں نے ہو جاتا ہے بہن بھائیوں میں ایسا، پہن لیے جاتے ہیں بہنوں کے کپڑے مگر احسان اور خیرات کے طور پر نہیں۔" وہ چیخ کر بولی تھی۔

"ہاں تو بھابھی تمہاری بہنوں کی طرح ہیں اگر سمجھو تو...... میں تو خود بھائیوں کے کپڑے اکثر فنکشنز میں پہن کر چلا جاتا ہوں۔ بھائیوں کو بھی کوئی کپڑے پسند نہ آئیں تو مجھے دے دیتے ہیں۔ میں تو خوشی سے لے لیتا ہوں۔" "ہاں......مگر مجھ میں ابھی غیرت باقی ہے......"

"دوسرے لفظوں میں تم مجھے بے غیرت کہہ رہی ہو......؟"

وہ غرایا۔

"ایسے ہی سمجھ لو......شاید اسی سے تمہیں عقل آجائے......"

اس کی اس بات نے عدی کو اتنا نہیں تپایا جتنا بھابھی کے تاثرات اور بات نے۔

"واہ بھئی! یہ اچھی تعلیم اور تربیت ہے تمہاری......شوہر کو ہی بے غیرت کہہ دیا......"

بھابھی کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ عدی نے بازو سے پکڑ کر غناء کو اپنی طرف گھمایا ارکس کر اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔

"ایسا ہی ایک تھپڑ تمہاری پہلی بدتمیزی پر مارا ہوتا تو آج تمہاری زبان درازی کنٹرول میں ہوتی۔"

"میں تو بھئی چلتی ہوں......تم میاں بیوی کا معاملہ ہے......تم ہی حل کرو بیٹھ کر......" کلیجے میں پڑی ٹھنڈ کا مزا لیتی وہ وہاں سے چل دی تھیں۔

"بس یہی آخری چیز تھی جس کی میں تم سے امید کرتی تھی......تمہیں تمہاری یہ طفیلیے جیسی زندگی مبارک ہو مگر میں کھڑے پانی جیسی اس بدبو والے ماحول میں مزید تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی......"

چند لمحے لگے تھے اسے خود کو سنبھالنے میں...... پھر اس نے اس کی جانب دیکھے بغیر الماری کھولی اور اس میں سے اپنا بیگ پرس اور چادر نکالی۔

"ارے جاؤ! زندگی اجیرن کر ڈالی میری...... مجھے بھی تم جیسی خودسر عورت کے ساتھ نہیں رہنا۔"

اس سے زیادہ تذلیل بھلا اور کیا ہوتی...... بہت ضبط کے بعد بھی آنسو نکل آئے تھے۔

☆☆☆

"غناء......غناء...... چائے پلواؤ بھئی اپنے ہاتھوں کی مزے دار سی......" اباجی نے گھر آتے ہی حسب معمول پہلی صدا اسی کے نام کی لگائی تھی۔

"غناء چاچی تو عدی چاچا سے لڑ کر گھر سے چلی گئیں۔"

اسد نے ٹی وی دیکھتے ہوئے انہیں بتایا......اباجی ساکت ہی تو رہ گئے انہوں نے تو پل بھر میں پورے گھر کو اکٹھا کر لیا تھا۔

"اوئے تیری جرات کیسے ہوئی میری بچی کو گھر سے جانے کا کہنے کا...... میں چاہوں تو ابھی کھڑے کھڑے تجھے اس گھر سے نکال دوں۔ مت بھولو کہ یہ گھر میرا ہے۔ میری خون پسینے کی کمائی سے بنا ہوا۔ اس کا تو اس شہر میں کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے۔ جاؤ عدی! جتنی جلدی ہو سکے اسے ڈھونڈ کے لے کے آؤ۔ تم اسے بیوی کے طور پر کچھ کہنے کے مجاز ہو مگر میری بیٹی کو کوئی کچھ کہے یہ میں برداشت نہیں کروں گا۔"

عدی جس کا غصہ اب کچھ اتر چکا تھا۔ خود ابا جی کی یہ بات سن کر اچھا خاصا پریشان ہوگیا کہ واقعی وہ تو یہاں کسی سے واقف ہی نہیں کہاں جاسکتی تھی...... دوپہر ایک بجے وہ یہاں سے نکلی تھی اور اب چار بجنے کو تھے۔

''ابا جی!...... میں کیسے اور کہاں جاؤں...... آپ...... آپ اس کے گھر کال کرکے پتا کریں۔''

''او کھوتیا...... بارہ گھنٹے کا سفر ہے اس کے گھر تک کا......''

''تو بارہ گھنٹے بعد ہی فون کرکے پتا کرلیجیے گا ابا جی! وہیں جائے گی اور کہاں جانا ہے اس نے...... ویسے بھی غلطی اس کی ہے۔ خود گھر چھوڑ کے گئی ہے ہم نے نہیں نکالا اسے۔''

وہ نروٹھا ہوا ابا جی نے تیکھے چتون سے اسے گھورتے ہوئے اس کے گھر چھوڑنے کی وجہ دریافت کی۔ عدی نے اس کا مطالبہ بتائے بغیر بھابھی کی مہربانی کا بتایا اور غناء کی بدتمیزی کا۔

''او بے غیرتا...... ڈوب کے مرجا کیتھے...... وہ تیری ووہٹی ہے۔ ملازمہ نہیں ہے اس گھر کی...... تیری کمزوری نے یہ دن دکھائے ہمیں...... اور یہ بڑوں نے تو زن مریدی میں بڑے بڑوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ تو کس پر چلا گیا عدی! ایک بیوی کو خوش نہ رکھ سکا تو پتا بھی ہے کہ اہل وعیال کے بندے پر کیا حقوق ہے بدبختا۔''

''اس نے کب کوئی فرائض پورے کیے ابا جی! بس زبان کے ہی جوہر دکھائے ہیں اب تک۔''

بڑی بھابھی بولی تھیں۔

''تم چپ رہو بڑی! یہ عدی کا اور اس کی بیوی کا معاملہ ہے۔ تم کو بیچ میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور تم سے کس نے کہا تھا یہ شاہ خرچیاں دکھانے چلی آؤ۔''

ابا جی کا روئے سخن ان کی جانب ہوا تو بڑی بھابھی عدی کا بوکھلانا دیکھ کر دھیمی پڑ گئیں۔

''بس ابا جی! ہمدردی کا زمانہ ہی نہیں رہا۔ میں تو بہن سمجھ کر گئیں۔ چھوٹی بھابھی اس سارے قصے میں ایک خاموش کردار تھیں سو اب اکتائی بیٹھی تھیں۔

''بہرحال شام تک میری بچی گھر نہ آئی تو تم بھی گھر تشریف لانے کی زحمت مت کرنا صاحبزادے۔''

ابا جی پژمردہ سے لاٹھی ٹیکتے اپنے کمرے چل دیے۔

☆☆☆

جیسے ہی ابا جی نے غناء کے بھائیوں کے گھر کال کی تھی۔ ان کا دل دھک سے رہ گیا تھا کہ وہ وہاں بھی نہیں گئی تھی۔ ابا جی نے ان کو غناء کی بابت تو نہیں بتایا تھا بس یہی کہا تھا کہ انہوں نے خیر خیریت جاننے کے لیے کال کی تھی بے حد پریشان ہوتے ہوئے انہوں نے عدی کو ایک بار پھر حاضر کیا تھا اور اس کے وہ لتے لیے تھے کہ الاحفیظ الامان...... پھر ان دونوں باپ بیٹے نے مل کر شہر کے تمام ہاسٹلز، دارالامان چھان مارے تھے مگر غناء کا کہیں پتا نہیں چل سکا تھا۔

اب تو عدی کو بھی اپنے غصے پر افسوس ہوتا کہ وہ کچھ بول بھی رہی تھی تو وہ بات آگے نہ بڑھاتا نہ ہاتھ اٹھانے تک کی نوبت آتی نہ ہی وہ اس طرح گھر چھوڑ کے جاتی بالفرض وہ جا بھی رہی تھی۔ تب بھی اس نے بے رخی سے اسے جانے کو کہا تھا بجائے روکنے اور منانے کے...... اس خواری میں ابا جی کی ڈانٹ پھٹکار اور غصہ برداشت کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

☆☆☆

اسے کچھ رقم کی ضرورت تھی مگر دونوں بھائی ہی دستیاب نہیں تھے کہ کام کے سلسلے میں انہیں شہر سے باہر بھی جانا پڑتا اور قیام بھی کرنا پڑتا تھا کہ کچھ عرصہ سے ان دونوں نے کاروبار کا سلسلہ شہر سے باہر تک پھیلا لیا تھا۔ صبح جیسے ہی اسے بڑے بھائی کی آمد کا پتا چلا تھا۔ وہ ابا جی کی غناء ڈھونڈ مہم پر جانے سے پہلے

ان سے مل لینا چاہتا تھا کہ خالی جیب دہائی دے دے کر تھک چکی تھی۔ اور ایک دوست کی شادی ان ہی دنوں میں آ گئی تھی جبکہ یکم آنے میں ابھی ہفتہ دس دن تھے۔

''شکر ہے بھائی آپ آ گئے آج...... میں نے دل سے دعا کی تھی کہ آپ آ جائیں۔ مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔ اس بار خرچا کچھ زیادہ ہی ہو گیا اور ایک دوست کی شادی بھی آ گئی ہے۔''

لاابالی انداز میں وہ ان سے مخاطب ہوا تھا۔ بھابھی کے ماتھے پر بل صاف گنے جا سکتے تھے تاہم بھائی اس سے غناء کے حوالے سے باز پرس کر رہے تھے۔

''کہاں جانا ہے بھائی اس نے آ جائے گی ایک دو دن میں خود ہی رل پھر کے۔ بڑا شوق چرایا تھا اسے خود مختاری کا ذرا ہوش ٹھکانے آنے دیں۔''

''بری بات عدی! تم بچے نہیں ہو نہ ہی یہ عام معاملہ ہے جس میں تم اتنی لاپروائی کا سامنا کر رہے ہو، بیوی کی ذمہ داری ایک اہم اور بڑی ذمہ داری ہے جس کو پورا کرنا مرد کا فرض ہے۔ ہو جاتے ہیں مسئلے مسائل مگر مرد کو ایسی نوبت ہی —— نہیں آنے دینی چاہیے کہ عورت کو اپنا گھر چھوڑ کر جانا پڑے۔ اب ہاتھ پر ہاتھ دھو کر بیٹھنے کے بجائے اسے ڈھونڈو اور گھر لے کے آؤ۔''

''کنوؤں میں بانس ڈلوانا رہ گیا ہے بھائی، باقی تو سب کر کے دیکھ لیا۔ اور لعنت ملامت کے لیے ابا جی ہی کافی ہیں۔ آپ تو بس کر دیں اب...... صبح کے نکلے شام کو گھر واپس آتے ہیں نہ جانے کس کھوہ میں چھپ کے بیٹھ گئی ہیں محترمہ۔''

''عدی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ باہر کی ٹھوکریں کھائے گی تو گھر کی قدر آئے گی اس کو...... اس کا قصور نہیں ہے، اسے ہی عزت راس نہیں آئی...... بھابھی نے زہر اگلا۔

بھائی نے چپ کر کے دو ہزار اسے پکڑائے کہ اب بیگم کی بات سے اختلاف کر کے وہ کوئی نیا فضیحتہ گھر میں نہیں چاہتے تھے۔ عدی جیب تھپتھپاتا ہوا باہر نکلا تھا۔ مگر کچھ یاد آنے پر واپس کمرے کی طرف گیا مگر اپنا نام سن کر ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔

''کمال کرتے ہیں آپ بھی...... نوٹ کوئی درختوں پر لگے ہیں یا مفت میں بٹ رہے ہیں کہ مہینے کے شروع میں ہزاروں پکڑا دیتے ہیں اس نکمے کو اور پورا مہینہ بھی بہانے بہانے سے بٹورتا رہتا ہے۔''

عدی کو یقین نہیں آیا کہ بھابھی اس کے بارے میں ایسے بات کہہ سکتی ہیں۔

''اب یہی دیکھ لیں، دو تین سے اس کی بیوی کی وجہ سے ساری روٹین گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ آپ کے ابا جی ہمارے عذاب کے لیے اپنی بھانجی لے آئے۔ اس کے نخرے آسمان پر تھے۔ اب وہ میڈم کوئی ڈرامہ رچا کے گم ہیں تو سارا دن دونوں باپ بیٹا گاڑی بھگائے پھرتے ہیں باپ کا مال سمجھ کر پٹرول اپنا ڈلواتے ہیں مگر گاڑی تو ہماری ہے نا۔ بڑے ہونے کے بھی بڑے عذاب ہیں سارا خرچا، سارے جھمیلے میرے، چھوٹی میڈم تو بس بل بھر کر آزاد ہے۔ گاڑی کو پارلر کا بہانا بنا کر اپنے پاس رکھا ہوتا ہے۔ میں نے بھی کہیں آنا جانا ہوتا ہے اس عدی کو بھی کس کے رکھیں اور اتنا ہاتھ کھلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے آئندہ مجھے دیا کریں پیسے میں اسے دوں گی۔ ہمارے اپنے بھی بچے ہیں ان کے لیے بھی کچھ بچانا ہے یا نہیں...... سارا ان مفت خوروں پر خرچ کر دیں گے تو ہمارے پاس کیا بچے گا۔''

اس سے آگے بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں وہ مگر اس سے زیادہ عدی میں تاب نہیں تھی سننے کی۔ اسے غناء یاد آئی تھی ایک دم...... اسے افسوس ہوا کہ بھابھی کے ان زہریلے جملوں اور تضحیک کے جواب میں بڑے بھائی کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا تھا۔ جیب میں پڑے دو ہزار اسے چبھنے لگے تھے۔

☆☆☆

بعض دفعہ زندگی انسان کو عمر بھر وہ سبق سکھاتی رہتی ہے جسے وہ سیکھنا نہیں چاہتا مگر کچھ پل اتنے زور آور ہوتے ہیں کہ اپنا آپ منوا کر اسی سبق کو انسان کو رٹنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ابا جی اور غناء کی جن باتوں کو کبھی وہ ہنس کر تو کبھی غصے میں اڑا جایا کرتا تھا آج پوری سفاکی کے ساتھ اس کے سامنے آئے تھے۔

لوگ وہ نہیں ہوتے ہیں جو نظر آتے ہیں۔ ان کی زبان پر جو ہوتا ہے۔ یقیناً وہ دل میں نہیں ہوتا کہ وہ منافقت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک ہی دن میں اس کے سامنے رشتوں اور رویوں کے کئی پردے چاک ہوئے تھے یا دماغ ہی آج کے دن کھلا ہوا تھا کہ پچھلی گیلری میں چھوٹی بھابھی بھی فون لائن پر اپنے میاں کو دکھڑے سناتی نظر آئیں۔ ان کا مطمع نظر بھی کم و بیش وہی تھا جو بڑی بھابھی کا تھا۔

اب دیکھیں ناں عمر! عدی کی بیوی بھی آگئی ہے، ابا جی ہو گئے، وہ خود ہے، اوپر کا پورشن سارا دن لائٹ کا بے دریغ استعمال ہوتا ہے۔ بل تو آپ کے نازک کندھوں پر ہے۔ عدی نکما سارا دن اسے سی چلا کر پڑا رہتا ہے۔ پتا چلے ناں کہ کیسے کمایا جاتا ہے اور خرچے کیے جاتے ہیں تو سارے کس بل نکل جائیں۔ بڑے بھائی تو کچن چلا کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں ہر ماہ، ہمارے سر تین تین اے سی اور گھر بھر کی بجلی اور گیس کا خرچا ڈال دیا۔ مجھے تو اس جھنجٹ سے الگ ہونا ہے اب میں نہیں مزید کوئی کمپرومائز کر سکتی۔'' یہ آخری بات تھی جو اس نے سنی تھی اس کے بعد وہ ان کو وہیں زہر اگلتا ہوا چھوڑ کر تیزی سے اوپر آیا تھا۔

☆☆☆

اور آج غناء کو گئے ہوئے سات دن ہو گئے تھے۔ لوگوں کی حقیقت کھلتے ہی اس کے دل میں بیوی کی محبت شدت سے جاگ اٹھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ اسے کہاں اور کیسے ڈھونڈے کے یہاں سے جاتے ہی اس نے اپنا نمبر بھی بند کر دیا تھا۔ کچن اور گھر ایک بار پھر رضیہ کے کندھوں پر تھے۔ دونوں بھائی تین دن رہ کر علی الصباح ہی فیکٹری کے مال کی ڈلیوری کے لیے نکل چکے تھے۔ ان کے سوا ناشتے کی میز پر سب ہی تھے۔

''عدی بچوں کو چھوڑنے سے پہلے آج مجھے چھوڑ دینا...... جلدی پہنچنا ہے'' چھوٹی بھابھی نے نزاکت سے کرسی گھسیٹتے ہی کہا۔

''نہیں چاچی! آپ کو پھر اور کئی کام یاد آجاتے ہیں ہمارا تو آج ضروری ٹیسٹ ہے، لیٹ ہونا کسی صورت افورڈ نہیں کر سکتے۔''

رشا منہ بسورے بڑی بھابھی کا بھی منہ بگڑ گیا جبکہ ابا جی تو غناء کے جانے کے بعد ایسے چپ تھے، جیسے کبھی بولے ہی نہ تھے۔

''یہ آپ کی گاڑی کی چابی ہے...... بچوں کے لیے میں نے اس بلاک میں آنے والی ایک اسکول وین سے بات کر لی ہے۔ آئندہ بچے وین سے جائیں گے کیونکہ آج سے میرے فائنل کے امتحان ہیں اور شام کے ٹائم میں نے ایک کمپنی میں جاب کر لی ہے۔ ٹیلی فون آپریٹر کی...... معمولی ہے۔ مگر یہ احساس بہت بڑا ہے کہ میں اب خود کمانے لگ گیا ہوں۔''

اس نے سنجیدگی سے کہا تو ابا جی سمیت سب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''اس کے باوجود ابا جی ہمیشہ کی طرح اس گھر کی چوکیداری کا فریضہ انجام دیں گے اور میں ایک ڈرائیور، شوفر، خانساماں کے فرائض بجالانے کی کوشش ضرور کروں گا اگر جو فرصت میسر آئی۔

بڑی بھابھی، چھوٹی بھابھی! اماں کے مرنے پر جب میں رویا تو بڑے بھائی نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا کہ کیوں روتے ہو عدی! ہر وہ بات ہر وہ فرمائش اور ضد مجھ سے کرنا جو اماں سے کرتے تھے ...... چھوٹے بھیا نے بھی تائید کی اور میں نے بات سنی اور اس پر یقین بھی کر لیا۔ پھر اسی دھڑلے اور حق سے ان سے مانگنے لگا جیسے اماں اور ابا جی سے۔ اب

مجھے جا کر احساس ہوا ہے کہ اب وہ میرے بھائی کم آپ کے شوہر اور آپ کے بچوں کے باپ زیادہ رہ گئے ہیں۔ اباجی ہمیشہ مجھے سمجھاتے رہے کہ میں خود ہی سمجھ جاؤں اور زندگی کو سنجیدگی سے لوں ورنہ یہ جب سبق سکھائے گی تو بہت سے رشتے بے نقاب ہوں گے۔ بہت سے تلخ حقائق کا ذائقہ چکھنا پڑے گا۔

الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ ایسے ہی نظریات غناء کے تھے جو مجھے مسلسل خودداری کا سبق پڑھانے کی کوشش ہی نہیں کرتی رہی مجھ سے پہلے عملی طور پر اس سلسلے میں برسرپیکار بھی ہوگئی مگر میری آنکھوں پر غفلت، کاہلی اور سستی کی جو پٹی بندھی تھی شکر ہے کسی بڑے نقصان کے بغیر کھل چکی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اور میں جلد اپنی بیوی کو ڈھونڈ پاؤں جس کا میں نے سب سے زیادہ دل دکھایا ہے......

چلتا ہوں اباجی! دعا کیجیے گا میرے لیے...... غناء کی بہت خواہش تھی کہ میں یہ ڈگری ضرور ہاتھ میں لوں...... بہت خوش ہوگی اسے جب پتا چلے گا......"

میز سے اٹھ کر وہ اباجی کے پاس آیا اور اپنا سر ان کے آگے جھکا دیا۔

"جیوندرہ میرا پتر! اج لگ رہا ہے تو لیسین احمد دی اولاد۔ شاباش میرا پتر......"

انہوں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"مگر عدی! تم کیسے...... ہم نے کچھ بھی نہیں کہا...... ایسے......"

بڑی بھابھی بوکھلا کر بولیں۔

"بس بھابھی! کچھ مت کہیں...... کسی نے کچھ نہیں کہا نہ میں نے آپ سے کوئی گلہ کیا۔ زندگی کا وہ روپ بھی دیکھا تھا جہاں بے پروائی، بے حسی اور غفلت تھی، اب یہ روپ بھی دیکھنا چاہتا ہوں جس میں ذمہ داری ہے خودداری ہے اور احساس ذمہ داری ہے۔ چلتا ہوں۔"

اتنی سنجیدہ اور مدلل بات چیت کرتا وہ عدی تھا۔ اباجی تو بس اسے دیکھے جا رہے تھے۔

☆☆☆

اپنی پہلی تنخواہ ہاتھ میں لیے وہ عجیب سے احساسات لیے بیٹھا رہا اگرچہ وہ فقط سترہ ہزار روپے تھے مگر ان سے جڑا احساس بہت خوب صورت تھا..... رات دس بجے وہ گھر آیا تھا۔ اور جس وقت ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدل کر اپنے کمرے میں آیا۔ اباجی کو کھانے کی ٹرے کے ہمراہ دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

''آپ ..... آپ کیوں لے آئے ..... میں خود کچن میں جا کر کھا لیتا .....'' اس نے جلدی سے ٹرے پکڑ کر بیڈ پر رکھی۔

''ہاں کچن میں تو جیسے تیری ماں تیرے لیے کھانے کی ٹرے سجائے بیٹھی تھی ناں ..... او پاغلا! دنیا میں صرف ایک ہی رشتہ ہے ..... ماں کا جو اپنے بچوں کی خوشی کے لیے کئی روپ بدل لیتی ہے۔ کبھی باورچی بن جاتی، کبھی دھوبن، کبھی استانی تو کبھی چوکیدار ..... آج تیرا اباجی تیرے لیے باورچی بن گیا ہے ..... چوکیدار تو ہے ہی اس گھر کا .....''

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو عدی شرمندہ ہوگیا۔ ابھی کچھ دن پہلے تو اس نے اباجی کو چوکیدار کہا تھا۔

''وہ اباجی! میں تو بس ان لوگوں کو احساس دلانا چاہ رہا تھا اس لیے جذبات میں نکل گیا منہ سے ..... آپ آئیں بیٹھیں اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔''

''اباجی .....'' اس نے کھانا کھا لینے کے بعد ان کو مخاطب کیا۔ اباجی نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا مگر اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر ان کا دل پریشان ہوگیا۔

''کیا بات ہے عدی! کیا ہوا بچے .....؟''

''اباجی! وہ بہت ناراض ہو کے گئی ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں، ایک دفعہ آجائے تو معافی مانگ لوں گا اپنی ساری زیادتیوں کی ..... مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اسے کہاں تلاش کروں .....''

''او عدی! ..... او پاغلا! مرد ہو کے روتا ہے ..... مرد ارادہ کر لے تو کیا نہیں کر سکتا ..... تو نے سنا نہیں کہ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے اگر سچے دل سے تلاش کیا جائے تو ..... پہلے تو اسے میرے ڈر سے تلاش کرتا تھا تو کیسے ملتی وہ .....؟ اب تو سچے دل سے ڈھونڈے گا تو دیکھنا کہ سچے دل کی نہ تو دعا رد ہوتی ہے نہ کوشش رائیگاں .....''

انہوں نے اس کا سر تھپتھپایا۔

☆☆☆

''بس مجھے اب کسی بات کا یقین نہیں آتا اباجی! اس نے میرا دل ہی نہیں توڑا۔ میری عزت نفس کو بھی چوٹ پہنچائی ہے ..... آپ لاکھ کہیں کہ وہ بدل چکا ہے۔ مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ جو انسان زندگی جیسی انمول نعمت کو ہی سنجیدہ نہیں لے رہا، اس سے ہی مخلص نہیں ہے وہ بیوی کے ساتھ کیسے مخلص ہو سکتا ہے۔ آپ کو ایک بات بتاؤں میں ..... ایک اچھے اسکول سے جاب کی آفر آئی تھی مجھے تو ہفتہ ہو گیا ہے وہاں جاتے ہوئے ..... بس آپ جلدی سے کوئی چھوٹا سا کرائے کا مکان ڈھونڈیں۔ ہم باپ بیٹی وہیں رہیں گے ..... بھلے یہ آپ کے عزیز دوست کا گھر ہے وہ لوگ بہت خیال رکھتے ہیں میرا ..... مگر اپنے گھر کی تو اور بات ہوتی ہے ناں .....''

وہ اباجی کے لاکھ کہنے پر بھی گھر جانے پر آمادہ نہیں تھی نہ ہی یقین آ رہا تھا کہ عدی بھی کبھی سدھر سکتا ہے۔

''اور اگر بندہ دست بستہ معافی طلب کرے تو کیا اسے دل میں اور کرائے کے چھوٹے سے گھر میں جگہ مل جائے گی .....''

عدی کی آواز پر وہ دونوں ہی اچھل پڑے تھے۔ وہ دروازے میں ہی ایستادہ تھا۔ نہ جانے کیوں اباجی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا اسے دیکھ کر، عدی اندر آ گیا تھا۔

''میں ذرا غنی صاحب سے مل لوں...... تم لوگ بات کرلو......''

اباجی کے جانے کے بعد وہ کھنکارتا ہوا اس کے بالکل قریب بیٹھ گیا غناء خفگی سے تھوڑی دور کھسک گئی۔

''یار تم تو جتنی بھی ناراض ہو...... جائز ہے تمہاری ناراضی...... میں معافی بھی تو مانگ رہا ہوں ناں...... کتنا پریشان کیا تم نے اور اباجی نے مجھے...... پہلے تین دن تو خوب مجھے لعنت ملامت کی...... میرے ساتھ پوری شدت سے تمہاری تلاش بھی کروائی مگر اس کے بعد وہ جیسے ریلیکس سے ہوگئے تھے...... یہیں سے مجھے ان پر تھوڑا شک ہوا کہ جس بھانجی کو وہ اتنا عزیز رکھتے ہوں۔ اس کی گمشدگی پر صرف تین دن کی پریشانی اور واویلا۔ پورا ایک دن میں نے ان کا بغور جائزہ لیا چھپ کر...... جیسے ہی ان کو اپنے اکیلے ہونے کا اطمینان ہوا۔ انہوں نے تمہیں کال ملائی اور سارے گھر کی خصوصاً میری پوری روٹین فرفر تمہیں سنادی تھی۔ تیسرے دن ان کا پیچھا کر کے میں یہاں تک پہنچا تھا۔

ویسے تمہارا گھر سے خفا ہو کر آنا پری پلینڈ تھا یا واقعی اس دن تم غصے میں آ کر گھر چھوڑ کر چلی آئیں......!''

اس کے سوال پر غناء نے خفگی سے اسے گھورا تھا۔

''جی نہیں کچھ بھی پری پلینڈ نہیں تھا...... بس گھر کے گیٹ سے نکلتے وقت اباجی مجھے یہاں لے آئے تھے...... میں واپس اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔''

''بے وقوف لڑکی! تمہارا گھر تو وہی ہے جہاں میں رہتا ہوں...... تمہارا شوہر...... اتنی بڑی بڑی باتیں کرتی ہو، اتنا بھی نہیں پتا......''

''ہاں جہاں سے مجھے دھکے دے کر نکال دیا گیا'' لہجے میں نمی در آئی تھی۔

''استغفراللہ! اتنا بڑا جھوٹ...... تم خود گھر چھوڑ کے آئی تھی...... اور میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا کیونکہ تم نے بھابھی کے سامنے مجھے بے غیرت کہا تھا۔ اپنے اس عمل پر بار بار خود کو ملامت بھی کر چکا ہوں میں......''

وہ بے چارگی سے بولا تھا۔

''اچھا اب چھوڑو ان سب باتوں کو...... اپنے گھر چلو! مجھ سمیت تمہارا کمرہ کچن، گھر، اباجی سب اداس ہیں...... ہم سب کو عادت ہوگئی تھی تمہاری۔

اب چھوڑو یہ نوکری شوکری...... صرف گھر بیٹھ کر مزے کرو...... کمانے کے لیے میں جو ہوں...... سیکنڈ شفٹ میں ایک چھوٹی سی جاب کر رہا ہوں دو ماہ بعد رزلٹ کے بعد ایک دو جگہوں پر جاب کے چانسز ہیں۔ بس انسان خطا کا پتلا ہے تو جب تک ٹھوکر نہ لگے سمجھتا ہی نہیں مجھے بھی ٹھوکر تو لگی...... شکر ہے وہ اتنی شدید نہیں تھی کہ میں سہار پاتا...... تم نے ٹھیک کہا تھا اپنے ہاتھ سے کمائی گئی حلال کی کمائی میں جو مزا ہے وہ دنیا کی اعلا سے اعلا شے میں بھی نہیں ہے جو خیرات میں دان کی گئی ہوں......''

''بولو معاف کروگی ناں اپنے عدی کو......''

وہ اس کی طرف جھک کر بولا تو غناء نے ایک نظر اس پر ڈالی اور مسکرا کر سر جھکالیا۔

''ویسے اب کرائے کے چھوٹے سے گھر میں کون کون رہے گا۔ وہ شرارت سے بولا تھا۔

''اباجی میں اور تم......''

ترنت جواب پر وہ دونوں ایک ساتھ ہنسے تھے۔ باہر سے آتے اباجی بھی کھل کر مسکرا دیے تھے۔

☆☆

رضوانہ اسحاق

برسوں کے بعد

کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے تہ شدہ خط کھولا۔ پڑھنے پر بہت زیادہ گرفت نہ تھی۔ مگر اس نے دل کی آنکھوں سے پڑھنا شروع کیا۔

"پیاری مچھلی! پیار بھرا آداب" اور اس آداب پر ہی اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ جلدی سے آنکھوں میں آئے آنسو صاف کیے اور محبت نامے کے لفظ اپنے اندر اتارنے لگی۔

"میں خیریت سے ہوں۔ جیل میں کچھ تنگی تو ہے، پتھر کوٹنے کا کام تھکا دیتا ہے۔ اور کچھ جیلر بھی سخت ہے۔ مگر اب عادت سی ہو گئی ہے۔ تم سناؤ خیریت سے ہو، زیادہ اداس تو نہیں رہتی۔ خوش رہا کرو۔ اچھا کھایا اور اچھا پہنا کرو۔ کہ ہر روپ میں سہاگن لگو۔ سننے میں آیا ہے کہ ملکوں کے درمیان کشیدگی کم ہو رہی ہے۔ اور کچھ عرصے تک ہمیں رہا کر دیا جائے گا۔ میں واپس آؤں گا۔ میرا انتظار کرنا۔

فقط تمہارا اور تمہارا ناصر"

ٹپ ٹپ ٹپ۔۔۔۔ آنسو آنکھ سے بہتے اور محبت نامے کی سیاہی پھیلائے دیتے۔ مچھلی نے خط ذرا پرے کیا اور پھر سینے سے لگالیا۔

"میں تھکنے لگی ہوں، اب آجاؤ۔" وہ روتے ہوئے اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی۔ وہ شوہر جو دور بہت دور اتنا دور کہ پڑوسی ملک کی جیل میں قید تھا۔ اور زمینی فاصلے اس کی آواز کہاں ناصر تک پہنچاتے تھے۔

ٹھٹھہ شہر سے کئی کوس دور سمندر کنارے مچھیروں کے گاؤں میں مچھلی اپنے شوہر کا انتظار کیا کرتی تھی۔ وہ شوہر جو کئی سالوں سے قید میں تھا۔ اتنے سال کہ گنتی بھولنے لگی تھی۔ ایک نسل بوڑھی ہو رہی تھی۔ مرنے والوں کی جگہ نئی نسل لے رہی تھی اور مچھلی سراپا انتظار تھی۔

اور کبھی کبھی تو اسے لگتا کہ یہ انتظار کبھی ختم نہ ہوگا اور وہ مر جائے گی۔ ہاں مر جائے گی۔ اور کبھی کبھی تو اس جینے سے مرنا بہتر لگتا۔

مچھلی جس کا اصل نام خدیجہ تھا۔ جب پیدا ہوئی تو ماں نے چاؤ سے پکارا۔ "مچھلی"۔ مچھیروں کا گاؤں تھا۔ مچھلیاں شکار کرنا اور انہیں بیچنا ان کا کاروبار تھا۔ اس ماحول میں بیٹی کا نام مچھلی رکھا گیا۔ ماں نے ایک دفعہ پکارا۔ سب مسکرا دیے۔ سننے میں بھلا لگتا۔ چنانچہ یہ پیار کا نام ٹھہرا۔

اور مچھلی سمندر کنارے آباد گاؤں میں تیرتی ہوئی عمر کی منزلیں طے کرتی رہی۔ بچپن تو جیسے کھیلتے اور پھدکتے گزرا۔ اور پتا ہی نہ چلا کب وہ جوان ہوگئی۔ وہ پندرھویں سن میں تھی کہ اس کا رشتہ سرفراز سے طے کردیا گیا۔ سرفراز اس کا چچازاد تھا۔ اس کے باپ بھائیوں چچاؤں کے برعکس اس نے ماہی گیری کو پیشہ نہ بنایا۔ گاؤں کے ٹوٹے اسکول سے کچھ ٹوٹی پھوٹی جماعتیں پڑھ کر ٹھٹھہ شہر چلا آیا۔ وہاں ویلڈنگ کا کام کرتا۔ اور ہر دوسرے جمعے گاؤں آتا۔

"شہر میں رہوں گا۔ بیوی بھی میرے ساتھ شہر میں رہے گی۔" وہ شہری بابو بنا اپنی مستقبل کی منصوبہ

بندی بتاتا۔'' اور لوگ مچھلی کی قسمت پر رشک کرتے۔

''اے مچھلی شہری بن کر ہمیں بھول نہ جانا۔'' سہیلیاں ہنسی مذاق کرتیں اور وہ شرمائے جاتی۔ مگر تقدیر کی کتاب میں کچھ اور لکھا تھا۔

گاؤں میں شادی کی تقریب تھی۔ وہ سج دھج کر شادی میں گئی اور شادی سے ایک رات قبل اور شادی والی رات دلہن کے پہلو میں بیٹھ کر کچھ شادی کے اور کچھ لوک گیت گائے۔

یہ شادی ناصر کی بہن کی تھی۔ یوں تو عورتوں کی محافل مکمل طور پر الگ ہوتیں۔ اور مردوں کے ان محفل میں جانے پر پابندی ہوتی چونکہ ناصر دلہن کا بھائی تھا تو ایک دو دفعہ کام سے زنانے میں چلا آیا۔

اور پھر مچھلی کا چہرہ اور آواز اسے ایسے بھائے کہ وہ فرزانہ سے دیوانہ ہو چلا۔

''پاگل اس لڑکی کا رشتہ ہو چکا ہے۔'' ماں نے سمجھانے کی کوشش کی۔



''رشتہ ہی تو ہوا ہے' خدانخواستہ شادی تو نہیں ہوئی۔'' ناصر کے پاس دلائل ہوتے۔
''چچا کے بیٹے کی منگ ہے وہ اس سے رشتہ توڑ کر ہم سے کیوں رشتہ جوڑیں گے۔'' ماں قائل کرنے کی کوشش کرتی۔
''کیونکہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' ناصر کی کیفیت کھوئی کھوئی سی ہوتی۔
''تو تو پاگل ہو گیا ہے۔'' ماں زچ آجاتی۔
''ہاں' میں پاگل ہو گیا ہوں۔'' وہ مسکرا کر تسلیم کرتا۔

باپ نے سنا۔ وہ الگ ناراض ہوا۔
''پاگل، دوسروں کی عزت پر نظر نہیں رکھتے۔''
''ابا وہ صرف کسی کی منگ ہی تو ہے۔ کوئی نکاح یا شادی تو نہیں ہوئی۔''
''نہیں تو نہیں۔'' والد صاحب نے قطعی طور پر انکار کر دیا۔
مگر ناصر اب اس دنیا کا باسی نہیں رہا تھا۔ خود مچھلی کے باپ سے ملنے چلا گیا۔
''آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' رسمی گفتگو کے بعد وہ مدعے پر آیا۔ ان کے ماتھے پر شکن آ گئے۔
''ایسی باتیں ماں باپ آ کر کرتے ہیں۔ کیا تو نے اپنے ماں باپ کو جیتے جی مار دیا ہے۔'' بات کڑوی سہی مگر اس میں اشارہ تھا کہ اپنے ماں باپ کو رشتے کے لیے بھیج سکتا ہے۔ دراصل وہ سمجھے تھے کہ ناصر چھلی سے چھوٹی کے لیے کہہ رہا ہے۔
''چھوٹی نہیں بڑی خدیجہ، مچھلی۔'' مچھلی کہتے ہوئے اس کے لب مسکرا اٹھے۔ اور انہیں آگ بگولا ہوتے ہوئے وقت نہ لگا۔
''بھاگ جاؤ ادھر سے چلو بھاگو۔'' انہوں نے ہاتھ سے پکڑ کر ناصر کو بیٹھک سے باہر کا راستہ دکھایا۔'' مگر ناصر ہمت ہارنے والا نہ تھا۔
''جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔'' مشہور گانے کے بول گنگنا تا رہتا۔ اور خود بھی جیسے اس فقرے کا مجسم پیکر تھا۔
وہ سوچتا رہتا کہ کس طرح آخر کس طرح یہ گتھی سلجھائے کہ مد خود سے اس کی جھولی میں آ گری۔
''نسرین شہر کی لڑکی ہے۔ اور کوئی بہن بھائی نہیں۔ باپ بوڑھا' ماں بیمار۔ مجھے تو شہر میں گھر بناتے ساری عمر گزر جاتی کیوں نہ شہر کی لڑکی سے شادی کر کے زندگی آسان کرتا۔'' سرفراز شہر سے شادی کر آیا۔ گھروں میں لڑائیاں اور ہنگامے تو ہوئے مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔
اور یوں خدیجہ عرف مچھلی کسی کی منگ نہ رہی۔ ناصر کے والدین رشتہ لے کر گئے۔ لڑکی والوں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا۔ اور کچھ عرصے بعد مچھلی ناصر کے ساتھ منسوب ہو گئی۔

حسین زندگی ہے
حسین راہیں ہیں
تم اور میں ملے ہیں
نصیبوں کی صدائیں ہیں۔

ایک پر وقار تقریب منعقد کی گئی۔ لڑکی والوں نے آنے والے مہمانوں کو مچھلی شوربہ کھلایا اور میٹھے چاول بھی۔ پھر نکاح خواں زنان خانے میں تشریف لے گئے۔
''مسمات خدیجہ خاتون ولد رجب علی آپ کو ناصر حسین ولد محمد حسین سے بعوض پانچ تولے خالص چاندی اور سات سو روپے نقد نکاح قبول ہے؟'' نکاح خواں پوچھ رہے تھے۔
مچھلی کا دل عجب لے پر دھڑکا۔ جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔
''ہاں قبول ہے۔''

☆☆☆

ساون کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ بادل آسمان کو ڈھانپے رکھتے۔ مگر تاحال برسے نہ تھے۔ حبس کی چادر ہر چیز کو اوڑھے رکھتی۔ اس حبس سے بے حال مچھلی برآمدے میں بیٹھی تھی کہ ماں مٹھی بھر کھجور دے گئی اور وہ آہستہ آہستہ کھجوریں کھانے لگی۔

پچھلے ہفتے نکاح ہوا تھا اور اب عید کے بعد رخصتی تھی۔ اور رخصتی کے بعد نئی زندگی۔ اور پھر یہ گھر تو پرایا ہو جائے گا، وہ سوچتے ہوئے در و دیوار کو دیکھنے لگی۔ تبھی ذہن میں خیال آیا تو کھجور کی ایک گٹھلی جا کر صحن میں لگی کیاری میں دبا آئی۔

''اور جب کئی سالوں بعد اپنے بچوں کے ساتھ میکے آیا کروں گی اور اس گٹھلی سے نمو پانے والا درخت اس قدر تناور ہوگا اور پھل دیتا ہوگا تو بچوں کو بتاؤں گی کہ تمہاری ماں نے اس گھر سے رخصتی سے قبل یہ گٹھلی دبائی تھی اور آج اپنے بچوں کے ساتھ اس درخت کی کھجوریں کھاتی ہے۔'' وہیں کیاری کے کنارے بیٹھ کر وہ مستقبل کے حسین خواب سوچے گئی۔ یہاں تک کہ آسمان سے ہونے والی کن من نے اس کی یادوں کا تسلسل توڑا۔

''کتنی حسین ہے زندگی'' ہتھیلی پھیلا کر وہ بارش کے قطرے ہتھیلی پر محسوس کرتی اور مسکرائے جاتی۔

اور آبادی سے دور سمندر میں ناصر اپنے نو عمر ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار مچھلی کے شکار پر نکلا تھا۔ طول و عرض پر پھیلی کشتی جس کی لمبائی قریباً پندرہ میٹر تھی۔ جس میں لگ بھگ بیس مچھیرے سوار تھے۔

''کیوں مسکراتا ہے؟'' ناصر کے ساتھی نے اس سے پوچھا۔

''کچھ نہیں'' یہ ناصر کا جواب تھا۔

''ملن کے دن قریب ہوں تو چہرے پر وجہ بے وجہ مسکراہٹ آتی رہتی ہے۔'' دوست نے اس کا کندھا تھپکا اور اپنے لگائے جال کی طرف بڑھ گیا۔

تبھی بارش ہونے لگی۔ بارش میں پانی کی شورش مچھلیوں کو سطح پر لے آتی۔ اس لیے شکار نسبتاً آسانی سے ملتا۔ اسی آس میں مچھیرے کشتی آگے لے گئے۔ کشتی تھوڑی آگے بڑھی تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پانی میں بھنور اٹھنے لگے۔ اور کشتی ایسے ہی ایک بھنور میں پھنس گئی۔ اور پانی کی لہروں نے اسے بے راستہ کر دیا۔

اوپر آسمان اگلتا پانی اور نیچے سمندر کا پانی۔

مچھیروں کے لیے یہ صورتحال مشکل ضرور تھی مگر وہ ایسی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کی تربیت اور حوصلہ رکھتے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ کشتی قابو کر کے ساحل کی طرف لے جاتے، دور سمندر میں موٹر سے چلنے والی کشتیاں نمودار ہوئیں۔ اور آن کی آن میں برقی کشتیوں نے اُن کی کشتی کو حصار میں لے لیا۔ برقی کشتیوں میں وردی میں ملبوس جوان تھے۔ انہوں نے مچھیروں کی کشتی پر فائرنگ کی۔ مچھیرے ڈر کے مارے تختے پر لیٹ گئے۔ ایک بد نصیب مچھیرا ایک گولی کا شکار ہو کر زندگی سے روٹھ گیا۔ اور دوسرے مچھیرے آسمان سے مدد اترنے کا انتظار کرنے لگے۔

مگر آسمان سے مدد نہ اتری۔

''گرفتار کر لو ان دہشت گردوں کو۔'' وردی میں ملبوس کمانڈر نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

چند لمحوں بعد مچھیرے قیدی بنے موٹر سے چلنے والی کشتیوں میں سوار سمندر میں دور چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

ان کی کشتی یوں بے آسرا سمندر کے درمیان کھڑی رہی۔۔ اور ان کے لگائے گئے جالوں میں پھنسی مچھلیاں تڑپتی رہیں۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے اور مچھیرے گھروں کو واپس نہ آئے۔ یہ بات باعثِ تشویش تو تھی۔ مگر اندھیرے میں سمندر میں اترنا مناسب نہ تھا۔ گاؤں میں مچھیروں کی سلامتی کی دعائیں مانگی جانے لگی۔ خدا نہ کرے سمندر میں راستہ بھٹک گئے ہوں۔۔۔

اور صبح پو پھوٹتے ہی مچھیروں کی تلاش کے لیے ماہر تیراکوں اور مچھیروں کا ٹولہ کشتی میں سوار سمندر میں اترا۔ آگے گہرے سمندر میں انہیں اجڑی ہوئی کشتی مل گئی جس میں ایک مچھیرے کی لاش تھی اور باقی مچھیرے غائب تھے۔

کہاں گئے سب؟

اس رات نو بجے کے خبرنامے میں خبر چلی۔

سمندر میں سرحد کی حد بندی نہ ہونے کی وجہ سے سر کریک کے مقام پر پاکستانی غریب مچھیرے لاعلمی میں بھارت کی حدود میں داخل ہو گئے۔ جنہیں بھارتی بحری فوج نے گرفتار کرلیا۔ اور ایک مچھیرے کی لاش بھی برآمد ہوئی ہے۔ تفصیلات کے مطابق ٹھٹھہ شہر سے دور مچھیروں کی بستی کے کچھ مچھیرے جن کی تعداد۔۔۔۔'' گاؤں کے جن گھروں میں ٹی وی تھا۔ وہاں ٹی وی کے سامنے ہجوم بیٹھا تھا۔ آنکھیں اسکرین پر جمائے وہ جیسے اس خبر کو ذہنی طور پر قبول ہی نہ کررہے تھے۔

اور ایسے ہی ایک ہجوم میں مچھلی بھی بیٹھی تھی۔ دل حلق میں آاٹکا تھا۔ اور آنکھیں پتھر کی ہونے کو تھیں۔

اس کا ناصر بھی تو قیدی مچھیروں میں تھا۔

اب پھر۔۔۔۔

آنکھوں سے گرم سیال ابلنے لگا۔

★ ★ ★

میرین فشریز ڈیپارٹمنٹ (Marine Fishries Department)

پاک فشریز فورم

(Pak Fishries forum)

یہ وہ ادارے تھے جن کے دفاتر کے چکر تمام غائب ہونے والے مچھیروں کے باپ، بھائیوں اور بیٹوں نے لگائے۔ یہاں تک کہ لاحاصل چکر لگا لگا کر تھک گئے۔

''ملکوں کے درمیان کشیدگی کم ہورہی ہے، ہم نے اعلا حکام تک مچھیروں کی رہائی کی عرضیاں جمع کرادی ہیں۔'' دفاتر کے افسران کہتے۔ مچھیرے درخواستیں دے دے کر، گزارشیں کرکر کے تھک گئے یہاں تک کہ ایک بار لڑ پڑے۔ ''یہ آپ کے ادارے صرف آپ جیسے بابوؤں کا پیٹ بھرنے کے لیے بنائے گئے ہیں، یہاں کرسیوں پر بیٹھ کر تنخواہیں لیتے جاؤ۔ ہم غریبوں کے مسائل کہاں ہیں اور کب حل ہوں گے۔'' ناصر کے والد کے منہ میں جو کچھ آیا، کہہ دیا اور کہتے کہتے رونے لگے۔

''میرا بیٹا، نکاح کے چند دن بعد رخصتی تھی۔ اور اب اتنے سال گزر گئے ہیں۔ جانے کس حال میں ہوگا۔''

افسر نرم آدمی تھا۔ پانی پلایا، تسلی دی اور بھیج دیا۔

اسی طرح سال کے سال گزرتے چلے گئے۔

مچھلی اب مچھلی نہ رہی۔ ڈھلتی عمر میں لوگوں نے اصل نام خدیجہ سے بلانا شروع کردیا۔ وہ سراپا انتظار راہ تکا کرتی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اس گٹھلی سے نمو پانے والے ننھے پودے کو تناور درخت بنتے دیکھا۔ اور یہ ناصر کی قید کا دسواں سال تھا۔ جب ناصر کی ماں برادری کے مرد وزن کا ایک گروہ لیے چلی آئی۔

''اپنی بہو کو لینے آئی ہوں'' کہتے ہوئے رونے لگی۔ بیٹا دوسرے ملک میں قید تھا۔ جانے کب آئے گا۔ آئے گا بھی کہ نہیں اور وہ بیٹے کی منکوحہ کو رخصت کرانے آئی تھی۔

خدیجہ کی ماں پس وپیش کا شکار تھی۔ مگر بھاوج نے پیش قدمی دکھائی۔ اپنے جہیز کا ایک سرخ جوڑا نکال کر خدیجہ کو پہنایا اور ساس کو رخصتی کے لیے قائل کرنے لگی۔

''اماں یہاں بھی تو بیٹھی ہے۔ اپنے گھر جائے گی تو کیا پتا اللہ کو رحم آجائے اور اس کا شوہر لوٹ آئے۔'' چنانچہ خدیجہ جو کبھی مچھلی ہوا کرتی تھی کو رخصت کردیا گیا۔

اور وقت رخصت اس کے دل میں کیا آئی کہ اس نے مڑ کر دیکھا۔

آنگن کے کنارے ایک کھجور کا درخت تھا۔ پھل سے لدا، پوری قامت [illegible] تھا۔

''اور جب کئی سالوں بعد اپنے بچوں کے ساتھ میکے آیا کروں گی اور اس گٹھلی سے نمو پانے والا درخت پھل دیتا ہوگا تو بچوں کو بتاؤں گی کہ تمہاری ماں نے رخصتی سے قبل یہ گٹھلی دبائی تھی۔ اور آج اس درخت کی کھجوریں کھائی ہے۔'' ماضی کی سوچیں

ذہن کے دریچے پر دستک دینے لگیں۔ اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
یقیناً یہ رخصتی کے آنسو نہ تھے۔

☆☆☆

وقت کے پاؤں نہ رکے۔ اپنی رفتار سے محو سفر رہے۔ سال کے سال گزرتے گئے۔ ملکوں میں کشیدگی کم ہوئی تو مچھیرے رہا ہو کر آئے۔ ناصر نے بھی آنا تھا۔ اسٹیشن پر دوسرے رہا ہونے والے مچھیروں کے رشتہ داروں کے ساتھ ناصر کے ضعیف والد اور بھائی بھی گئے۔ مگر وائے قسمت ناصر نہ آیا۔

''ناصر نے جیلر سے بدتمیزی کی تھی۔ جیلر نے بدلہ لیا۔ ہم رہا ہو گئے اسے روک لیا۔'' رہا ہو کر آنے والوں نے بتایا۔ اور چند کاغذ بھی تھمائے۔ یہ ناصر نے کچھ خطوط بھیجے ہیں۔

والد کے نام، بھائی کے نام، ماں کے نام، زوجہ کے نام۔۔۔ سب کے لیے الگ خط تھے۔

''پیاری مچھلی پیارا بھرا آداب۔۔۔۔۔''

خدیجہ کی آنکھیں بھیگ گئیں اب اسے مچھلی پکارنے والا کوئی نہ تھا۔ مگر ناصر اسے مچھلی لکھ کر بھیجتا رہا۔ چند بار ڈاک سے خط بھی آئے۔ ناصر کے والد چل بسے۔ یکے بعد دیگرے خدیجہ کے ماں باپ راہ عدم کو روانہ ہوئے۔ اس کے بھانجے بھتیجے شادیوں کی عمر کو جا پہنچے ان کی شادیاں ہونے لگیں۔ وقت گزرتا گیا۔ اس کے بال سفید ہو گئے۔ مگر اس کا ناصر نہ آیا۔

یہاں تک کہ ناصر کے آنے کی امیدیں دم توڑ گئیں۔

''اب تو شاید بہشت ہی میں ملیں۔'' دیوروں کے بچے صحن میں کدکڑیاں بھرتے اور اب دیوروں کے بچوں کے بچے چھلانگیں لگاتے پھرتے اور خدیجہ، ساس جس سے گزرتے وقت نے بینائی چھین لی تھی کے ساتھ کونے والے کمرے میں زندگی کے ایام گزارا کرتی۔

''میرے ناصر کی نشانی'' اندھی ساس ہفتے میں ایک دو دفعہ کہہ کر آنسو بہانے لگتی اور خدیجہ کی آنکھ سے آنسو بھی خشک ہو گئے۔

ایک دن کی بات ہے کہ گھر سے باہر گاڑی آرکی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور ایک ماڈرن سی لڑکی آنکھوں پر چشمہ ٹکائے گاڑی سے اتری اور گلی میں کھیلنے والے بچوں سے کچھ پوچھنے لگی۔ بچوں نے اسی گھر کی طرف اشارہ کیا اور وہ ایک بچے کی قیادت میں گھر میں چلی آئی۔

''آپ خدیجہ ہیں؟'' آنے والی نے تصدیق چاہی۔

خدیجہ اس وقت چٹنی کے لیے مسالا کوٹ رہی تھی۔ اجنبی شہری لڑکی کو اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں نادیہ ہوں۔ ٹی وی پر شو کرتی ہوں۔ آپ کے بارے میں سنا تو آپ سے ملنے چلی آئی۔ اگر آپ میرے شو میں شریک ہوں تو ممکن ہے کہ اعلا حکام آپ کے شوہر کی رہائی کے لیے اقدامات کریں۔'' نادیہ خدیجہ کے ساتھ بیٹھ گئی اور اس شو میں شامل ہونے کی افادیت بتانے لگی۔ اور نادیہ کی باتیں سنتے سنتے خدیجہ کی آنکھیں آنسو سے بھر گئیں۔

''نہیں۔ اب وہ وقت ہی گزر گیا۔'' وہ رونے لگی۔ نادیہ نے خوب اصرار کیا۔ مگر خدیجہ نہ مانی وہ اب تماشوں کی قائل نہ رہی تھی۔ جب اس کے سسر، دیور، بھائی، والد سرکاری اداروں کے چکر لگا لگا کر کچھ نہ کر سکے تو اب جب امید ہی ختم ہو گئی تھی بلکہ کچھ عرصے تو اسے لگنے لگا تھا کہ ناصر اسی جیل میں مر گیا ہو گا۔ اب وہ ٹی وی شو میں آکر کیا کرتی۔ اس شو پر کہاں اس کی فریاد کا نوٹس لیا جاتا۔ ہاں البتہ لوگوں کو تفریح میسر آجاتی۔

نادیہ جتنا زور لگا سکتی تھی اس نے لگایا مگر خدیجہ نہ مانی۔

''چلیں میرے شو میں مت آئیں۔ میں آپ کی ویڈیو بنا لیتی ہوں۔۔۔۔'' خدیجہ اس پر بھی نہ مانی۔

''اب اتنی دور سے آئی ہوں ۔اپنی کہانی سنا دیں۔۔۔'' نادیہ کہہ رہی تھی۔

خدیجہ نے نم ہوتی ہوئی آنکھوں کو پونچھا اور اسے اپنے بارے میں بتانے لگی۔

''میں خدیجہ ہوں سب مجھے مچھلی بلاتے تھے۔ میری کہیں اور شادی طے تھی مگر ناصر نے مجھے پسند کرلیا۔ اور خدا کی کرنی کہ میری وہاں شادی نہ ہوسکی اور میرا ناصر سے نکاح ہوگیا اور رخصتی سے قبل ایک دن وہ کبھی واپس نہ آنے کے لیے چلا گیا۔۔۔''

وہ آنسو پونچھتی رہی اور اپنی کتاب زندگی کے ورق الٹتی رہی۔

☆☆☆

اہلِ خانہ اس کے گرد جمع تھے۔

پپوٹوں پر ایک بوجھ دھرا تھا۔ کہ وہ آنکھیں کھولنے پر قادر نہ تھی۔ جسم دہک رہا تھا۔ اور یہ حدت اسے پگھلائے جاتی۔ ذہن پر غنودگی طاری تھی۔ کیا یہ اس کا آخری وقت تھا؟

''مچھلی'' کسی نے اسے نہ پکارا۔ مگر آوازیں سی آوازیں گونجتی رہیں۔ کچھ مچھلیاں تھیں جو سمندر کے پانی میں تیر رہی تھیں۔ تیرتے تیرتے غوطے بھرتیں اور سمت بدل لیتیں۔ ایک جال پانی میں آیا اور مچھلیاں پھنستی چلی گئیں۔ مچھیرے نے وزن محسوس کیا اور جال اوپر کھینچ لیا۔ بن آب کے مچھلیاں تڑپتی رہیں۔ تڑپتی رہیں۔ یہاں تک کہ ساکن ہوگئیں۔

وہ بھی تو بن آب کے مچھلی تھی۔ ہوش و بے ہوشی کے درمیان کی کیفیت میں اس کا ذہن آدھی ادھوری سوچوں کی آماجگاہ بنتا رہا۔

آدھ کھلی کلی تھی۔ اسے کھلتا گلاب بننا تھا۔ کسی کے کاج کی زینت بننا تھا۔ وہ کاج ناصر کی قمیص کا تھا۔

ناصر۔۔۔ اس کا ناصر۔

آنکھ کے کونے سے نمی کی لکیر نکلی اور کن پٹی کی طرف بہتی چلی گئی،

کیا حسین خواب تھے کہ وہ بیاہ کر جاتی۔ اور ناصر کے ساتھ زندگی گزارتی۔ مگر اس کی زندگی تو انتظار میں کٹ گئی۔ برس کے برس بیتتے چلے گئے۔

لحہ لحہ گھر اجڑا ہے مشکل سے احساس ہوا
پتھر آئے برسوں پہلے شیشے ٹوٹے برسوں بعد

وہ یہاں انتظار کرتی رہ گئی اور اس کا ناصر۔ وہ پڑوسی ملک کا قیدی بنا زندگی گزارتا رہا۔ کیسی زندگی گزاری ہوگی اس نے؟ آزادی کی آس میں۔ صبح شام پتھر کوٹتے ہوئے۔ قید کی صعوبتیں سہتے ہوئے۔ آخر کیا قصور تھا اس کا۔ کیا قصور تھا ناصر کا؟ محض یہ کہ وہ مچھیرا تھا۔ اور سمندری حدود کی حد بندی کو نا سمجھ سکا۔

کاش کہ وہ اتنی طاقت رکھتی کہ تمام مچھیروں کو معاشی آسودگی دے پاتی۔ ان سے ماہی گیری کا پیشہ چھوڑ دینے کا کہتی۔ پھر کوئی مچھیرا پڑوسی ملک کا قیدی نہ بنتا۔ اور سب ہنسی خوشی زندگی گزارتے۔

جسم کو جھٹکا لگا۔ اور لمحے بھر کو اس کا ذہن ماؤف ہوگیا۔ پیروں پر بوجھ سا محسوس ہوا جیسے پیروں سے جان نکل رہی ہو۔ اور وہ سمجھنے لگی کہ آخری وقت آپہنچا ہے۔ روح پرواز ہوا چاہتی ہے۔

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

وہ کلمے کا ورد کرنا چاہتی تھی۔ مگر زبان ہلانے کی سکت نہ تھی۔

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

وہ کہہ رہی تھی۔

''اور جب جنت میں ناصر سے ملوں تو ایسے نہ ملوں کہ ایک دوسرے سے اجنبی ہوں وہ میرا شوہر ہے۔ اور میں اس کے لیے۔۔۔۔۔۔'' سوچیں ڈوب کر ابھرتیں۔

'اور اگر ناصر بھنور کا شکار نہ ہوتا۔ پڑوسی ملک کا قیدی نہ بنتا تو وہ کیسے زندگی گزارتے۔ اس کی اور ناصر کی رائج رسومات کے ساتھ شادی ہوتی۔ وہ گھر گرہستن عورت جیسے گھر سنبھالتی۔ ناصر مچھلیاں پکڑتا اور معاش کا انتظام کرتا۔ نہیں وہ ناصر کو ماہی گیری کا پیشہ ہرگز جاری نہ رکھنے دیتی۔ وہ چاہے کچھ بھی کرلیتا

مگر ماہی لیری نہیں۔ اور ان کے بچے بھی تو ہوتے۔ بیٹے اور بیٹیاں۔ اب تلک تو اس کے بیٹے بیٹیاں بھی شادی شدہ ہو چکے ہوتے۔ بیٹوں کے بچے اس آنگن کی زینت بنتے اور بیٹیوں کے بچے اپنے گھروں میں خوش وخرم رہتے۔ مگر یہ تب ہوتا اگر ناصر یہاں ہوتا اور وہ نارمل زندگی گزارتے۔

''ناصر۔۔۔'' وہ دھاڑیں مار کر رونا چاہتی تھی۔ مگر رونہ پاتی۔

تبھی ایک شور سا مچ اٹھا۔ سب کے رونے کی آواز آنے لگی۔''ناصر، ناصر۔'' اس کی ساس اور دیور بیٹے اور بھائی کا نام لے کر رو رہے تھے۔ شاید وہ مر رہی تھی سبھی اس لیے رونے لگے تھے۔

اور قبل اس کے کہ جان نکلتی۔ ایک فرشتہ اس کے سرہانے آن بیٹھا۔ اور اس کا ماتھا سہلانے لگا۔

یہ موت کا فرشتہ بھی کیا اس قدر بوڑھا ہوتا ہے۔ فرشتے کا ملبوس اس قدر بوسیدہ کیوں ہے۔ اور وہ اس کا ماتھا کیوں سہلا رہا ہے۔ شاید یونہی روح نکالی جاتی ہے۔ آنکھوں کی جھری سے اس نے موت کے فرشتے کو اپنے سرہانے بیٹھے پایا۔

''کیا تم میرے ناصر کی روح قبض کر چکے ہو؟ یا اس کی بعد میں باری ہے؟'' وہ موت کے فرشتے سے بھی ناصر کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی۔

''خدیجہ اٹھو۔ دیکھو میں آ گیا۔'' فرشتہ اس سے کہہ رہا تھا۔ مگر کیا کہہ رہا تھا۔

''یہ میں ہوں ناصر۔ تمہارا ناصر۔۔۔'' فرشتہ کہہ رہا تھا۔ وہ بند آنکھوں سے لیٹی رہی۔

''خدیجہ میں تمہارا ناصر ہوں۔'' وہ جو فرشتہ نہیں تھا، اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا اور خدیجہ کے ماتھے پر گرا۔ خدیجہ نے آنکھیں کھول دیں۔

''کون؟'' وہ اپنے سرہانے بیٹھے بوڑھے کو ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔

''تمہارا ناصر'' وہ رو رہا تھا۔

''میرا ناصر'' خدیجہ نے زیرِ لب دہرایا۔ اور اسے دیکھتی رہی۔

دستک کی امید لگائے کب تک جیتے ہم
کل کا وعدہ کرنے والے ملنے آئے برسوں بعد

اور وہ خدیجہ جو اس بار بیمار ہو کر لیٹی تو خود کو مکمل طور پر سپرد ملک الموت کر چکی تھی۔ اب اٹھ بیٹھی اور اپنے ساتھ بیٹھے بوڑھے مرد کو بے یقینی سے دیکھتی تھی۔

''آپ آ گئے'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں میں لوٹ آیا ہوں۔'' ناصر آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

خدیجہ ناصر کو دیکھتی رہی۔ آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔ پلکیں جھپک کر اس نے آنسوؤں کو اندر اتارنا چاہا۔ مگر وہ پانی اترنے والا نہ تھا۔ اگلے لمحے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''آپ......'' وہ کہنا چاہتی تھی۔ مگر کہہ نہ پاتی۔

''آپ آ ہی گئے۔'' خدیجہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ خدیجہ جو مچھلی ہوا کرتی تھی۔

''ہاں میں آ گیا۔ اب مزید مت روؤ۔۔۔ مچھلی۔'' ناصر نے اسے مچھلی پکارا۔ اس کے آنسوؤں کی رفتار میں مزید اضافہ ہو گیا۔

''ہاں۔ وہ مچھلی تھی۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ پائی۔ اور اپنا سر ناصر کے کندھے سے ٹکا دیا۔

''شکر ہے آپ آ گئے ورنہ میں تو جنت میں آپ سے ملنے کی تیاریاں کرتی تھی۔''

''پگلی'' روتے ہوئے ناصر نے اس کے سر پر چپت رسید کی۔

یوں ہنسوں کا وہ جوڑا جس کی کہانی انتظار سے عبارت تھی۔ جو خود تو بوڑھا ہو چکا تھا۔ مگر ان کا دل جوان تھا۔ ان کے ملن پر بنت الحق نے کہانی کا اختتام کر دیا۔

☆☆

تنزیلہ ریاض

غم ہے یا خوشی ہے تو

پانچویں قسط

آپ اگر یہ سوچ رہے ہیں کہ میٹھا پان کھا لینے کے بعد یہ غریب ماسٹر اپنی ہونے والی بہو سے ملنے پہنچ گیا تھا تو آپ غلط ہیں۔ یہ ملاقات اتنی سہل بھی نا تھی کیونکہ اس ملاقات کے بعد مہارانی جودھا بائی کا میرے ساتھ سخت قسم کا جھگڑا متوقع تھا جو مجھے منظور نا تھا سو میں اس ملاقات کو التمش کی تکرار کے باوجود ٹالتا رہا جس سے اکتا کر اس نے ایک اور حربہ آزمانے کی سوچی تھی۔

آئیں۔اس بار آغاز یہیں سے کرتے ہیں۔

☆☆☆

''تم آئے ہو مجھے لینے؟'' وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔وہ اسے واپس لینے کے لیے آیا تھا حالانکہ وہ آنے جانے کے لیے اس کی محتاج نہیں تھی، ماسٹر جی نے دو تین دن بعد ہی اسے ایک رکشا لگوا دیا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھی امی کی درخواست پر التمش اس کو لینے یا چھوڑنے چلا جاتا تھا۔ایک مہینہ ہو چلا تھا اسے کراچی آئے ہوئے اور اس عرصہ میں التمش کو اس کی موجودگی کی عادت ہوگئی تھی۔اس کے آجانے سے گھر میں چہل پہل رہنے لگی تھی۔گھر میں سناٹے کے علاوہ بھی کچھ سنائی دینے لگا تھا۔پہلے جب وہ گھر میں داخل ہوتا تھا تو امی ٹی وی لگائے بیٹھی نظر آتی تھیں لیکن اب وہ دونوں خواتین ایک دوسرے کے ساتھ مصروف نظر آتیں۔ویسے بھی سونا بڑی متحرک چاق و چوبند قسم کی لڑکی تھی، کبھی سلائی مشین کی کھٹ کھٹ، کبھی قینچی چاقو کی ٹھک ٹھک۔ وہ ہمہ وقت کچھ نا کچھ کرتی نظر آتی، التمش اسے فارغ بیٹھا کم ہی دیکھتا تھا اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے اپنے ساتھ ساتھ مہناز بیگم کو بھی مصروف کرلیا تھا جس کی وجہ سے انہیں اب التمش کو ڈانٹنے ڈپٹنے کا موقع کم ہی ملتا تھا اور شادی جیسے حساس موضوع کا تذکرہ تو بالکل ہی بند ہوگیا تھا یعنی آج کل راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔اسی لیے اس کے دل میں سونیا کے خلاف جو عناد جمع تھا، وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔

موسم ذرا خوش گوار ہوا تو وہ بلاوجہ اسے لینے پہنچ گیا تھا۔

سونیا نے اپنا سامان پچھلی سیٹ پر رکھا اور پھر آگے کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''تم کیسے آگئے مجھے لینے؟''

''گاڑی میں بیٹھ کر آیا ہوں۔نظر نہیں آرہا کیا؟'' عادت کے مطابق جواب دیا گیا۔

''نہیں۔'' اس نے اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔التمش نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

''موسم بھی اچھا ہے اور میرا موڈ بھی اچھا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ تمہیں بہترین سی جگہ سے کوئی بہترین سی چیز کھلاتا ہوں۔لیکن تم نے میری شان میں گستاخی کردی ہے۔اس لیے پروگرام کینسل۔''



سونیا اس کے انداز پر مسکرائی پھر بولی۔

"یہ بھی تو پوچھو کہ مجھے نظر کیوں نہیں آرہا۔ دراصل میں تمہیں دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ میری نگاہ گاڑی پر پڑی ہی نہیں۔" اس نے یہ بات مذاق میں کہی تھی، التمش نے سر ہلایا۔

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے ویسے۔ لڑکیاں مجھے دیکھ کر اسی طرح اسپیل باؤنڈ ہوجایا کرتی ہیں۔ بے چاری۔" وہ تفاخر بھرے احساس میں گھر کر بولا تھا۔ سونیا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"توبہ۔ اتنا غرور......؟"

"التمش کہتے ہیں مجھے۔ بجتا ہے مجھ پر۔" اس نے اپنے لہجے پر زور دیتے ہوئے کہا تھا جیسے اسے یقین دلا دینا چاہتا ہو۔

"یہ بات تو ٹھیک کہی تم نے۔ غرور تو واقعی بجتا ہے تم پر۔" سونیا نے بہت آرام سے اس کی رائے سے اتفاق کرلیا تھا۔

ناولٹ

''واہ کزن۔ بڑے آرام سے مان گئی ہو۔ توقع سے بہت پہلے ہی ہتھیار ڈال دیے تم نے۔'' التمش نے جتا کر کہا تھا۔ سونیا مزید مسکرائی۔

''اس وقت تو میں تمہاری ہر بات سے اتفاق کرنے کو تیار ہوں۔ تم کہو کہ رات نہیں صبح ہونے والی ہے، تو میں کہوں گی ہاں بھائی صبح ہونے والی ہے......'' اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ التمش نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر سونیا نے اسے موقع نہیں دیا تھا۔

''نہیں......نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں یا تمہارے عشق میں مبتلا ہوگئی ہوں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں واقعی اس زبردست سی چیز کو کھانے میں انٹرسٹڈ ہوں جس کی آفر تم دینے والے تھے مگر پھر تم نے پروگرام کینسل کر دیا۔'' التمش اس کے اس طرح کہنے پر مسکرایا۔

''شکر ہے تم نے واضح کر دیا ورنہ میں واقعی کچھ اور سمجھ لیتا۔''

''قصور تمہارا نہیں ہے۔ دراصل تمہاری خود پسندی تمہیں سکون سے بیٹھنے ہی نہیں دیتی۔ تم اپنے آپ کے اس قدر سچے عشق میں مبتلا ہو کہ مجھے خدشہ ہے وہ وقت نا آجائے۔ جب لوگ پوچھا کریں گے، عشق؟ تو تم ہاتھ ہوا میں بلند کر کے یہ نا کہنے لگو۔ میں یہاں ہوں۔ یہاں ہوں۔ یہاں ہوں...... یہاں۔'' جملہ مکمل کر کے وہ گنگنائی تھی۔ التمش کو مزید ہنسی آ گئی۔ زرمین کو بھی اس سے یہ شکایت رہتی تھی۔

''التمش کہتے ہیں مجھے۔ اپنے آپ سے عشق سجتا ہے مجھ پر اور یہ میری خود پسندی نہیں۔ خود اعتمادی ہے۔'' وہ جتا کر بولا تھا۔

''چلو تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔ کر لیتی ہوں تمہاری رائے سے اتفاق کیونکہ میرا دل چاہ رہا ہے گول گپے کھانے کو۔'' وہ سعادت مندی سے بولی تھی۔ التمش ہنس دیا۔ اس کا مزاج آج اچھا تھا۔ ایک دوست کے توسط سے ایک جگہ انٹرویو دیا تھا۔ وہاں سے مثبت جواب ملا تھا اور ایک اچھا پیکیج بھی آفر کیا گیا تھا۔ وہ ان ہی لوگوں سے مل کر آ رہا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ زرمین کے والدین سے سر اٹھا کر ملاقات کی جا سکتی۔ اسی لیے سونیا سے بات کرنا چاہتا تھا کہ وہ مہناز بیگم کو زرمین کے معاملے میں رضامند کرنے کی کوشش کرے۔

''گول گپے تو اب آؤٹ ڈیٹڈ ہو گئے ہیں۔ چلو کچھ اور کھلاتے ہیں تمہیں۔'' اس نے کہا تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس دعوت شیراز کی کوئی خاص وجہ ہے تو پہلے ہی بتا دو۔ بعد میں یہ نا ہو کہ بل مجھے دینا پڑے۔'' وہ اسے چڑاتے ہوئے بولی۔ بارش کے بعد سڑک پر رش معمول سے بھی زیادہ تھا۔ گاڑی سست روی سے آگے بڑھ رہی تھی اور ہر چند منٹ بعد کے بعد ہارن کی بے ہنگم آوازیں ان کی گفتگو میں خلل ڈال دیتی تھیں۔

''ہاں بھئی جانتا ہوں میں کہ تم اپنے اماں باوا کی کماؤ بیٹی ہو۔ بزنس وومن ہو لیکن اتنا بُرا وقت مجھ پر بھی نہیں آیا کہ دعوت دے کر مُکر جاؤں گا۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔ جو سجتا نہیں، وہ یہ بندہ کرتا بھی نہیں۔'' اس نے جتا کر کہا۔

''چلو جہاں اتنی باتوں سے اتفاق کیا ہے تمہاری۔ اس والی سے بھی کر لیتی ہوں لیکن اب بتا دو کہ اس مہربانی کی وجہ کیا ہے۔'' سونیا کو جیسے یقین تھا کہ بعد میں اس سب کا محرک کچھ اور ہی نکلے گا۔ التمش چند لمحے یوں ہی خاموشی سے گاڑی سڑک پر آگے بڑھانے کی کوشش میں مصروف رہا پھر اس نے گردن موڑ کر سونیا کی جانب دیکھا۔ وہ استفہامیہ انداز میں اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''میرے دوست ملنا چاہتے ہیں تم سے؟''

اس نے بہت سوچنے کے بعد یہ جملہ ادا کیا تھا حالانکہ وہ بڑا لاپرواسا شخص تھا لیکن اسے ایسا لگا کہ سونیا کو یہ بات بری لگ سکتی ہے سو یہ جملہ ادا کرتے ہوئے وہ اس کے چہرے کی جانب دیکھتا رہا۔ وہ بھی چند لمحے خاموشی سے اس کے اس فقرے کے معنی کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ تحیراس کے چہرے پر نمایاں تھا۔ التمش نے اس کی خاموشی کو سمجھتے ہوئے مزید وضاحت کی۔

''ہمارا بہت بڑا گروپ ہے۔ نمیرہ، رباب، احتشام' براق...... سب بہت اچھے ہیں۔'' اس نے لڑکیوں کے نام پہلے لیے تھے۔ سونیا نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

''مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

''کیونکہ تمہارا ذکر کیا ہے میں نے ان سے۔ میں ان سب کو ملوانا چاہتا ہوں تم سے؟'' اس نے کہا تھا حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی۔ یہ ذکر اس سے زیادہ زرمین نے کیا تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

''ان سب میں وہ کون ہے، جسے تم بالخصوص مجھ سے ملوانا چاہتے ہو؟'' التمش کو اسی سوال کی توقع تھی۔

''زرمین!'' اس نے بتا دیا تھا۔ سونیا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

''اوکے، ڈن۔ مل لیتے ہیں، کیا یاد کرو گے تم بھی کزن۔'' وہ شاہانہ انداز میں بولی۔ التمش نے طمانیت بھری سانس لی تھی۔ عجیب بات تھی کہ وہ اس چار فٹ دس انچ کی لڑکی کو ذرا اہمیت نا دیتا تھا لیکن اس کی کی حمایت کے ایک اقرار نے ہی اسے پرسکون کر دیا تھا۔ اسے ایسے لگنے لگا تھا کہ اب یہ ناممکن کام ممکن ہو جائے گا۔

''چلو اب کھلا دو وہ توپ چیز۔ جو گول گپوں جیسی آؤٹ ڈیٹڈ نا ہو بلکہ کسی سپر ماڈل جیسی ماڈرن اور ٹرینڈی ہو۔'' وہ بولی تھی۔ التمش نے کھل کر مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں بیٹھے کولڈ ڈرنک کے ساتھ چیز میں ڈوبی ہوئی چکن اسٹرپس اور فرنچ فرائز کھا رہے تھے۔

☆☆☆

''ممی! میں التمش کو اس ویک اینڈ پر بلالوں؟'' زرمین نے ماں کے چہرے کی طرف دیکھ کر سوال کیا تھا حالانکہ اسے لگ رہا تھا کہ ان کا مزاج کچھ اچھا نہیں ہے لیکن پھر بھی سوال کر بیٹھی۔

یونیورسٹی کے ختم ہوتے ہی اس کے معمولات بدل گئے تھے۔ گھر میں زیادہ وقت گزارنے کی وجہ سے اب اس کی شادی کا موضوع بھی زیادہ زیرِ بحث رہنے لگا تھا۔ خاندان میں کسی نا کسی لڑکی کی، کسی دوسرے امیر خاندان میں نسبت کی باتیں بھی اکثر اس کی سماعتوں میں پڑنے لگی تھیں جن سے وہ خار کھائی تھی۔ وہ ابھی سو کر اٹھی تھی اور کھانے کی میز پر بیٹھی اپنے ناشتے کا انتظار کر رہی تھی۔ تہمینہ بیگم کہیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور اس کے ڈائننگ روم میں داخل ہونے کے چند لمحے بعد ہی گھر میں داخل ہوئی تھیں۔ رات کہیں بارش برسی تھی اس لیے اب دن میں حبس بڑھ سا گیا تھا۔ لائٹ نہیں تھی، جنریٹر سے گھر کی بجلی تو بحال تھی لیکن اس کا شور بھی تہمینہ بیگم کو ناگوار گزر رہا تھا۔ وہ کافی غصے میں تھیں، زرمین کے سوال نے انہیں مزید بھڑکا دیا۔

''آئے ہائے۔ اس التمش کے علاوہ بھی ہے کچھ تمہاری زندگی میں ماں کو بتانے پوچھنے والا۔ جب دیکھو اسی کنگال کی باتیں کرتی رہتی ہو۔'' وہ جل کر بولی تھیں۔ زرمین کا چہرہ غصے کے مارے سُرخ سا ہوا۔ تہمینہ بیگم نے بالکل پروانہ کی۔ ان کا اپنا مزاج بے حد خراب تھا۔ درزی نے ان کے سارے کپڑے ایک بار پھر خراب کر دیے تھے اور

اس کا غم انہیں کھائے چلا جا رہا تھا۔

"وہ کنگال نہیں ہے۔ اچھی خاصی کھاتی پیتی فیملی کا لڑکا ہے۔" وہ منہ کا زاویہ بگاڑ کر بولی تھی۔ تہمینہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"زرمین اس وقت میرے منہ نا لگ۔ کھاتی پیتی فیملی کے لڑکے انگوٹھی کے نام پر چھلکے نہیں دیتے لڑکی کو۔ ان کے یہاں تو شگنوں والی چیزیں لاکھوں کی مالیت کی ہوتی ہیں۔ ہم نے تو جیسے دیکھی ہی نہیں کوئی کھاتی پیتی فیملی۔ اونہہ۔" وہ ناراضی کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے بولیں اور ساتھ ہی ملازمہ کو آواز لگائی تھی۔

"شگنوں والی انگوٹھی نہیں ہے یہ۔ اس نے ایویں دے دی تھی مجھے۔ میری سالگرہ کا تحفہ۔" زرمین نے چڑ کر وہ ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا جس کی ایک انگلی میں وہ انگوٹھی موجود تھی۔

"رہن دے بی رہن دے۔ شگنوں والی انگوٹھی تو جیسے لاکھوں کی آجائے گی۔ بھوکے ننگے لوگ لگ رہے ہیں مجھے۔ پانچ ہزار کا نوٹ ہاتھ پر رکھ کر بات نا پکی کر گئے تب کہنا مجھے۔" بیٹی کی دلیل سے وہ ذرا متاثر نا ہوئی تھیں۔ انہوں نے اسے بولنے کا موقع دیے بنا کچن کی جانب منہ کر کے پکارا تھا۔

"نذیراں او نذیراں! جلدی سے میرے لیے لیموں نیڈ (لیمن ایڈ) بنا کر لا۔ توبہ، آج تو گرمی نے حشر کر دیا ہے۔" انہوں نے بیٹی کے چہرے کے تاثرات کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا جو سرخ ہو چلا تھا۔

"وہ میرے لیے ناشتا بنا رہی ہے۔" زرمین نے تنک کر کہا۔

"نذیراں پہلے مجھے پانی دے پھر اُبال لینا اس کے لیے آنڈے۔" انہیں بیٹی کی اس ادا پر بھی سخت غصہ آیا۔ وہ "اس" لڑکے کے خلاف ایک لفظ سننے کو تیار نہ تھی۔

"میں کب سے ناشتے کا انتظار کر رہی ہوں۔ اتنی بھوک لگ رہی ہے مجھے اور آپ نے نذیراں کو اپنے کاموں پر لگا دیا ہے۔ پانچ منٹ انتظار نہیں ہوتا آپ سے۔" وہ پہلے سے زیادہ ناراض لہجے میں بولی تھی۔ تہمینہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"شرم تو نہیں آتی ماں کو ایسے کہتے ہوئے۔ یہ نہیں کہ خود اٹھ کر ایک ٹھنڈا گلاس لیموں نیڈ بنا کر لا دو۔ اتنی سخت گرمی ہے باہر۔"

"لیموں نیڈ نہیں۔ لیمن ایڈ۔" زرمین نے جل کر تصحیح کی تھی۔

"ہاں ہاں پتا ہے اور یہ بھی بتا دو کہ بس نام ہی لینا آتا ہے یا بنا بھی سکتی ہو۔ باتیں بنانے سے آگے کبھی ٹرین گئی بھی ہے بی بی تمہاری۔ اتنی توفیق تو ہوئی نہیں کبھی کہ اٹھ کر ایک گلاس پانی خود پی لو۔ انڈا تک تو ابال نہیں سکتی میڈم! اور باتیں سنو تو مہارانیوں والی۔" وہ کافی غصے میں تھیں۔ زرمین نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ایسے طعنے وہ اکثر ہی دینے لگی تھیں اب۔

"ممی! دس از ٹو مچ۔ آپ خود بھی تو کوئی کام نہیں کرتیں۔ اے سی والی گاڑی میں آئی ہیں آپ اور ری ایکٹ ایسے کر رہی ہیں جیسے سائیکل چلا کر آئی ہیں۔" اس نے جتا کر کہا تھا۔

"اوہ بی بی! میں اگر کام نہیں کرتی تو اس کی وجہ ہے کہ میرا میاں شہر کا سیٹھ ہے۔ مجھے ملکہ کی طرح رکھنے کی پسلی ہے اس کی جبکہ تم نے چنا ہے اپنے لیے تیس ہزار کمانے والا۔ خالی سوکھا ہیرو۔ جس کی بس شکل ہی دیکھنے والی ہے۔ اس لیے جتنی جلدی یہ آنڈے شانڈے ابالنے سیکھ لو۔ اتنا اچھا ہے تمہارے لیے ورنہ ساس نے اگلے دن گت (چٹیا) پکڑ کر یہاں میرے گھر چھوڑ جانا ہے تمہیں۔" وہ نخوت بھرے انداز میں بولی تھیں۔

زرمین کی آنکھیں ان کے انداز پر بھر آئیں۔ جس دن سے التمش نے اس کو وہ انگوٹھی دی تھی۔ ممی کے مزاج بدل سے گئے تھے حالانکہ وہ اکثر انہیں اس کی تصویریں اپنے موبائل میں دکھاتی رہتی تھی۔ وہ اس کے قد کاٹھ اور کپڑوں کی تعریف بھی کرتی رہتی تھیں لیکن بس وہ ایک انگوٹھی جس نے زرمین کو خوشی سے نہال کیا تھا اس کی ممی کو دکھ سے بے حال کر گئی تھی۔

''میں خاندان والوں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔''

یہ ایک جملہ وہ بکثرت ادا کرنے لگی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ زرمین کی اُن کے ساتھ اَن بن روز کا معمول بنتی جارہی تھی۔ اس کے آسٹریلیا والے رشتہ دار بھی واپس جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اسی لیے خواہش کے باوجود وہ التمش کو گھر مدعو کرنے سے احتراز برت رہی تھی۔ التمش کو تو وہ یہ باور کرواچکی تھی کہ اس کے والدین اس رشتے پر سو فیصد راضی ہیں جبکہ صورت حال اس کے ہاتھ سے نکلتی جارہی تھی۔ وہ اس بات کا تذکرہ، التمش کے سامنے بھی نہیں کرسکتی تھی کیونکہ اس سے اس کی انا کو ٹھیس پہنچنے کا خطرہ تھا۔ اس کا مزاج بھی بگڑتے دیر نا لگتی تھی۔

''ڈس گسٹنگ۔ ٹوٹلی ڈسگسٹنگ ممی!'' زرمین کرسی گھسیٹ کر اٹھی اور سخت ناراضی کے عالم میں اپنے کمرے کی جانب چل دی تھی۔

''پراں مر۔ دفع ہو۔'' انہوں نے بھی جل کر جواب دیا تھا۔ باہر والوں کی موجودگی میں وہ بڑی مہذب سی خاتون بن جایا کرتی تھیں لیکن غصے کے عالم میں ان کا پنجابی سیٹھانیوں والا جاہ وجلال عود کر آتا تھا۔

''یہ سیکھا ہے پڑھ لکھ کر کہ ماں کو انگریزی میں گالیاں کیسے دینی ہیں۔ بے شرم اولاد۔ ایک دو ٹکے کے ہیرو کے لیے باولی ہوئی جارہی ہے۔'' انہوں نے غرانے والے انداز میں خود کلامی کی تھی اور پھر پہلو میں پڑا بڑا سا شاپر دیکھ کر ان کا دل مزید جل گیا تھا۔

''کم بخت! سارے کپڑے خراب کردیے۔ کہا بھی تھا کہ ٹھیک سے مِن (پیمائش کرلو) مگر ناجی تب اپنی ٹیپ گردن میں ہی لٹکائے رکھا۔ اب کہتا ہے آپ نے سائز ہی ٹھیک نہیں دیا تھا۔ کمینہ!'' انہیں بڑا دکھ تھا اپنے کپڑوں کے خراب ہوجانے کا۔ ایک عرصے سے ایک ہی جگہ سے کپڑے سلواتی آئی تھیں۔ پہلے انہیں شکایتیں نا ہوتی تھیں لیکن اب چونکہ بدن اتنا فربہ ہوچکا تھا کہ نئے ڈیزائن اور فیشن کے کپڑے ان پر جچتے نا تھے جس کا الزام اور غصہ وہ درزی کے شاگردوں کے سر منڈھ دینا چاہتی تھیں۔

''ہائے وچاری بچی کا دل بھی توڑ کر رکھ دیا۔ بس کیا کروں۔ بلڈ ہائی ہوجاتا ہے پیسے کی ناقدری دیکھ کر۔ کمینے نے اتنے مہنگے کپڑے خراب کردیے میرے اور اس زرمین کو کیسے سمجھاؤں کہ یہ کنگلے لڑکے بس شوکیس میں سجانے کے قابل ہوتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر جیب سے آنہ نہیں نکلتا ان کی۔'' وہ کپڑوں کی وجہ سے بھی خفا تھیں اور بٹی کو ناراض کرکے بھی پچھتا رہی تھیں۔

☆☆☆

''میرا خیال تھا تمہیں سُن کر کافی خوشی ہوگی۔'' التمش نے اس کے سرد بجھے ہوئے انداز کو بطورِ خاص محسوس کیا تھا۔ وہ اسے جاب ملنے کی نوید دے رہا تھا جبکہ اس نے جواب میں گرم جوشی کا کوئی مظاہرہ تک نا کیا تھا۔

''خوشی تو ہوئی ہے۔ اب کیا بھنگڑا ڈالنے لگوں۔ تین بار کہہ تو چکی ہوں کہ خوشی کی خبر ہے۔ مبارک ہو تمہیں۔''

وہ اکتا کر بولی۔ ماں کے دیے گئے طعنے ابھی تک سماعتوں کو زہر کررہے تھے۔ اس کے لہجے میں

چھپی تی کو محسوس کر کے التمش نے حیرانی سے فون کی جانب دیکھا۔ اتنے دن ہوئے تھے ان دونوں کی بات فون پر ہی ہوتی تھی۔ یہ گزشتہ چار سالوں میں شاید پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اتنے دن سے ملے نہیں تھے۔ التمش نے اُسی کے اصرار پر نوکری مل جانے کی خوشی میں دوستوں کی ایک گیٹ ٹوگیدر کا پلان بنایا تھا جس کا در پردہ محرک تو سونیا کو احتشام سے ملوانا تھا لیکن حقیقت یہ بھی تھی کہ وہ سب دوستوں سے ملنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ زرمین سن کر خوش ہو جائے گی لیکن وہ تو مزید چڑچڑی ہو کر دکھا رہی تھی۔ التمش کو نہایت بُرا لگا۔

"تم کچھ زیادہ ہی نخرے نہیں کرنے لگی آج کل! جب دیکھو تمہارا موڈ ہی خراب رہتا ہے۔ نہیں بات کرنی تو بتا دیا کرو۔ خواہ مخواہ دماغ کیوں خراب کرتی ہو۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا اور کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے ایک نظر دیکھا، زرمین کا ہی نمبر تھا۔ اس نے جان بوجھ کر بیپ مدھم کر دی تھی اور پھر فون اسی جگہ رکھ کر خود کمرے سے باہر نکل آیا۔

شام ہو رہی تھی۔ فضا میں گھونسلوں کی طرف واپس آتے خوراک سے لدے پھدے پرندوں کا پُرنم چہچہانا واضح طور پر سنا جا سکتا تھا۔ وہ وہیں کھڑا نیچے سُونے آنگن کو تکتا رہا حالانکہ ابھی روشنی کے بقیہ جات موجود تھے مگر ان کے آنگن کی روشنی جل چکی تھی۔ یہ اس کی امی کا معمول تھا۔ مغرب کی اذان سے ذرا پہلے آنگن کا بلب چلا دیا جاتا تھا۔ اب چاہے بجلی آئے یا نہ آئے۔ اس بلب کا بٹن اپنے مقام سے ہلنا ضروری تھا دوسری ضروری چیز وہ کیاریاں تھیں جن میں جانے کون کون سے پودے لگا رکھے تھے لیکن ان پر رنگ رنگ کے پھول کھلتے رہتے تھے اور جن کی خوشبو سے یہ جگہ مہکتی رہتی تھی۔ اس کی امی اپنی ننھی منی کیاریوں کے لیے بھی ایک پیشہ ور مالی سے مشاورت کر کے کھاد اور بیج منگوائی رہتی تھیں کہ یہ ان کا شوق تھا۔ یاسٹر جی اور التمش کو ان سب چیزوں میں دلچسپی نہیں تھی لیکن امی کے ان مشغلوں سے ان کا چھوٹا سا گھر بہت خوب صورت لگتا تھا۔

سیڑھیوں سے ذرا اوپر اندر کی جانب لوہے کی گرل کو تھامے وہ یہی سب دیکھتا رہا لیکن دھیان پھر بھی زرمین کی جانب سے ہٹ نا سکا اور اسی لیے جھنجلاہٹ بھی عروج پر پہنچنے لگی تھی۔ وہ کھٹ کھٹ کر کے نیچے اُتر آیا۔ امی کے کمرے میں ٹی وی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ سیدھا وہیں چلا گیا تھا۔ سونیا بھی ان ہی کے کمرے میں بیٹھی سوئی دھاگا ہاتھ میں لیے جانے کیا بنا رہی تھی۔ وہ امی کے بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ انہوں نے تو کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ ٹی وی پر کوئی مذہبی مسئلہ سننے میں مگن تھیں لیکن سونیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا......! گھڑی چھ کا اور تمہارا چہرہ بارہ کا وقت بتا رہا ہے۔ یہ تو کھلا تضاد نہیں ہو گیا۔" وہ بے تکلفی سے بولی تھی۔ التمش نے ناک چڑھائی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، وہ مزید بولی۔ "اوہ ہاں......التمش کہتے ہیں تمہیں۔ سجتا ہے تم پر۔"

وہ چڑا رہی تھی اسے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اسے بُرا نا لگتا لیکن ابھی چونکہ زرمین نے خفا کر دیا تھا تو ہر چیز ہی بُری لگ رہی تھی۔

"تم سے مطلب۔ اپنے کام سے کام رکھا کرو۔ ہر وقت مجھے ہی نا دیکھتی رہا کرو۔" وہ چڑچڑے سے انداز میں بولا تھا۔ سونیا نے بُرا نہیں منایا تھا۔

"کیا بات ہے۔ زرمین سے لڑائی ہوئی ہے؟" وہ چونکہ اسے زرمین کے متعلق بتا چکا تھا سو

وہ سوئی سے اس کے اترے چہرے کو دیکھ کر خود ہی اندازہ لگا رہی تھی۔

''شٹ اپ!'' التمش نے اسے گھورا تھا اور ساتھ ہی اپنی امی کی جانب دیکھا تھا کہ کہیں وہ تو ان کی جانب متوجہ نہیں۔ ان کا سارا دھیان ٹی وی کی طرف تھا۔ اس نے ایک طرف رکھی میز پر پڑا ان کا موبائل اٹھا لیا اور بلاوجہ اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ اسکرین سیور تبدیل کر دیا۔۔ بلاوجہ انہی کی دو تین تصویریں کھینچ لیں پھر انہیں ایڈٹ کر کے ان پر پھول بوٹے سجاتا رہا۔ جب اس کام سے بھی دل بھر گیا تو موبائل میز پر رکھ کر دوبارہ سے امی کی جانب دیکھنے لگا۔

''امی! آج ہم کچھ کھائیں گے یا ان مسئلے مسائل سے ہی پیٹ بھریں گے؟'' اس نے اکتا کر کہا تھا۔ وہ آنکھوں پر ٹکے چشمے کے عقب سے اسے دیکھتے ہوئے اس سے زیادہ چڑ گئی تھیں۔

''پہلے مسئلے مسائل سے پیٹ بھرتی آئی ہوں تمہارا۔ پہلے کھانا نہیں ملا کیا تمہیں۔'' وہ تنک کر پوچھ رہی تھیں۔

''پہلے کب؟ میرے پیدا ہونے سے پہلے؟'' وہ ان کے انداز پر ذرا سا نرم پڑا تھا لیکن جملہ منہ سے طنزیہ ہی ابلا تھا۔ انہوں نے تنبیہہ کرنے والے انداز میں گھور کر اسے دیکھا تھا۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے انہیں ڈسٹرب کیا جانا ذرا بھی پسند نہیں تھا۔

''بکو مت۔ چپ کر کے یہ دیکھنے دو مجھے۔ بے چاری غریب لڑکی کا شوہر اسے طلاق دے چکا ہے اور اب اپنے گھر سے بھی نہیں جانے دے رہا۔ مفتی صاحب تفصیل بتا رہے ہیں اور تم نے درمیان میں اپنا ڈرامہ شروع کر لیا ہے۔'' وہ سخت خفا ہوئی تھیں۔ التمش چند لمحے اسی طرح ان کی جانب دیکھتا رہا پھر وہ ناراضی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ جسے دیکھو اس کا مزاج سوا نیزے پر ہے۔ ٹھیک ہے میں بھی بات نہیں کروں گا اب کسی سے۔ نہیں تو نا سہی۔ اونہہ! سب ہی کیٹ ونسلیٹ بنی ہوئی ہیں یہاں۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

''ممانی میں روٹی بنا دوں اسے؟'' سونیا نے دھاگے کو منہ سے توڑتے ہوئے ان کی جانب دیکھ کر پوچھا تھا۔ وہ ٹی وی پروگرام میں اتنی منہمک تھیں کہ انہوں نے کوئی جواب دینا بھی مناسب نا سمجھا تھا۔

''جی نہیں۔ شکریہ۔ میں انسان برا لگتا ہوں کیا۔ جو آپ روٹی بنائیں گی مجھے۔'' التمش نے اس کا جملہ سن لیا تھا، اسی لیے باہر سے چلا کر بولا۔

''فضول، دو سو سال پرانا لطیفہ۔'' سونیا نے دونوں ماں بیٹے کے تاثرات دیکھے تو کندھے اچکاتے ہوئے بولی اور اطمینان سے دوبارہ سے سوئی میں دھاگا ڈالنے لگ گئی تھی۔

''روٹی کی تاریخ بھی تو دو سو سال پرانی ہی ہے۔ سنا ہے تمہارے آباء واجداد چنگیز خان اور ہلاکو خان کی بیگمات گول گول روٹیاں بنانے میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔'' التمش دھپ دھپ کر کے دوبارہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مزید چلا کر بولا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کی سوزوکی ایک دوست لے کر گیا ہوا تھا ورنہ وہ اب تک گھر سے باہر جا چکا ہوتا۔ کمرے میں داخل ہونے سے بھی پہلے موبائل اسکرین کی جلتی بجھتی روشنی اسے باور کروا گئی تھی کہ کالز مسلسل وصول ہو رہی ہیں۔ بیڈ پر اطمینان سے لیٹ کر اس نے پہلے کال کے بند ہونے کا انتظار کیا تھا۔

''پچپن مسڈ کالز۔'' اس نے اسکرین کی جانب دیکھتے ہوئے بڑبڑا کر کہا تھا۔ یہ سب زرمین کی کالز تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی جان دار

مسکراہٹ چمکی تھی۔ اسی دوران کال پھر آنے لگی تھی۔ اس نے فون کانوں سے لگالیا۔

''بڑی پھنے خان بن رہی تھی۔ التمش پر رعب جمارہی تھی۔ اب آیا مزا۔ چند لمحے برداشت نہیں کرسکی میری خفگی، جو بھی ایک گھنٹہ خفا ہوگیا تو کیا کروگی۔'' مسکراہٹ ہونٹوں تلے دبائے وہ جتانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مروں گی تو نہیں۔ ہاں کسی کو مار ضرور دوں گی۔'' وہ اسی کے انداز میں بولی تھی۔ اس کے انداز میں جولا چاری تھی اس لمحے التمش کی انا کو بہت بھائی تھی۔ ایک لمحے میں دونوں کی ناراضی ختم ہوگئی تھی۔

☆☆☆

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔ ماشاءاللہ۔'' مہناز بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے بھرپور طریقے سے سراہا تھا۔ سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے نگینوں سے بھرے گھیرے دار فراک میں کاجل مسکارا اور لپ اسٹک غازہ والے سارے لوازمات کے ساتھ وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اسی دوران التمش کمرے میں داخل ہوا۔ اسے سر سے اوپر تک دیکھا پھر ماں کی موجودگی کی پروا کیے بنا سیٹی بجا کر اسے سراہا تھا۔ مہناز بیگم نہیں جانتی تھیں کہ وہ دونوں آپس میں معاملات کس طرح حل کرچکے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ویسا کوئی معاملہ نہیں ہے جیسا وہ سب بڑے سوچ رہے ہیں، اس لیے التمش کے چہرے پر سونیا کے لیے در آنے والی پسندیدگی کی جھلک انہیں بڑی امید افزا لگی۔

''ہیل والے سینڈل پہن لینا چار فٹ دس انچ۔ ورنہ تمہیں دیکھ کر میرے دوست سمجھیں گے ان کے خاندان کا تعلق تھمبلینا سے ہے۔ تھمبلینا کا تو پتا ہے نا۔ وہ ننھی منی سی شہزادی جو گلاب کے پھول میں رہتی تھی اور سبز پتوں کو اڑن کھٹولا سمجھ کر ان پر سفر کرتی تھی۔'' وہ لاپروا سے انداز میں اسے چڑا رہا تھا۔ وہ خود ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کی شرٹ پر ٹائی لگائے، کوٹ کو بازو پر سلیقے سے لٹکائے وہ خود واقعی کسی شاہ زادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

''تھی تو شہزادی نا۔ شہ.....زادی.....'' سونیا نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

''ٹھگنی شہزادی۔'' التمش نے مزید چڑایا تھا۔

وہ بیڈ پر بیٹھ کر اپنے سینڈل کے اسٹریپس باندھنے لگی تھی۔ مہناز بیگم نے اس کے کندھے پر ہاتھ جڑا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے گھر کا تھا لیکن اس نے ذرا پروا نا کی تھی۔

''اچھا اب آج ہی چلوگی یا دو تین دن بعد آؤں تمہیں پک کرنے۔'' وہ دروازے کے اوپر لگے چابیوں کے ہولڈر سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سونیا نے آئینے میں خود کو دیکھا پھر اپنا کلچ اٹھا کر بیڈ پر پڑا ملفوف ڈبا اٹھالیا۔

''یہ کیا ہے؟'' التمش نے اس پارسل کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''یہ زر...... میرا مطلب تمہارے دوستوں کے لیے کچھ گفٹس ہیں۔'' ممانی جان کی موجودگی کا خیال کرکے اس نے زرمین کا نام لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ التمش مزید سوال کرنا چاہتا تھا لیکن پھر ماں کی موجودگی کی وجہ سے وہ بھی چپ ہوگیا تھا۔

☆☆☆

''یہاں تو خیر ہی خیر ہے عطیہ! تمہیں کیا بتاؤں دونوں بچے کتنے گھل مل گئے ہیں آپس میں۔ میں تو ہر وقت نظر اتارتی رہتی ہوں۔'' مہناز بیگم نے خوشی خوشی بتایا تھا۔ وہ ہر دو تین دن بعد عطیہ بیگم کو پوری تفصیل سے آگاہ کرتی تھیں۔

''واقعی؟ کیا اچھے طریقے سے بات وات کرنے لگے ہیں ایک دوسرے سے؟'' وہ پوچھ رہی تھیں۔ مہناز بیگم نے اس سوال پر ہنستے ہوئے

موبائل کی اسکرین پر نظر آنے والے ان کے چہرے کو دیکھا۔

"بات وات......ارے بات وات سے بھی آگے کی بات کرو۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے ہیں۔ دوستی ہوگئی ہے خوب۔ ابھی بھی التمش اس کو لے کر گیا ہوا ہے۔ دوستوں کی پارٹی رکھی ہے کوئی۔ سب سے ملوائے گا سونیا کو، ورنہ تو تم جانتی ہو شکل نہیں دیکھتے تھے ایک دوسرے کی۔" وہ یقین بھرے لہجے میں جتارہی تھیں پھر انہیں یاد آیا کہ انہوں نے عطیہ بیگم کو یہ بات پہلے بھی نہیں بتائی تھی اس لیے فوراً بات بنا کر بولیں۔

"میرا مطلب تھا کہ پہلے اتنی دوستی نہیں تھا آپس میں۔ انسیت اور لگاؤ آہستہ آہستہ ہی پیدا ہوتا ہے نا۔ اچھا ہوا ان دونوں کو ایک ساتھ رہنے کا موقع مل گیا۔ انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی ہے دونوں میں ماشاءاللہ۔"

عطیہ بیگم کی آواز بھی بدلی تھی کیونکہ وہ بھی جانتی تو تھیں کہ ان کی بیٹی اس رشتے پر راضی نہیں تھی۔

"تم تو حیران کررہی ہو مجھے۔" وہ ابھی بھی تذبذب کے عالم میں تھیں لیکن دل سے جیسے بوجھ اُترتا جارہا تھا۔

"حیران ہونا چھوڑو اور شادی کی تیاریاں شروع کرو عطیہ! سب کچھ ویسا ہی ہورہا ہے جیسا ہم سب نے مل کر سوچا تھا۔ میرے دل سے تو دعائیں نکلتی ہیں اس لمحے کے لیے جس لمحے میزاب نے تمہیں اپنے پاس بلانے کے لیے سوچا تھا۔ بس وہی لمحہ بابرکت ثابت ہوا ہمارے لیے تو...... تم جب آؤ گی تو دیکھنا خود نظر اتارا کروگی دونوں کی۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" عطیہ بیگم کو دلی خوشی ہوئی۔

"میری بات کرواؤ سونیا سے؟" انہوں نے کہا تھا۔

"ارے بتایا تو ہے کہ دونوں باہر گئے ہیں۔ دراصل التمش بھی نوکری مل جانے کی وجہ سے بڑا خوش ہے آج کل۔ ماشاءاللہ مطمئن ہے۔ اسی خوشی میں باہر لے کر گیا ہے اسے۔ بتا کر گیا تھا کہ ذرا لیٹ ہوجائیں گے۔" مہناز بیگم کا دل چاہ رہا تھا کہ ذرا ذرا سی تفصیل بھی سہیلی کو بتا ڈالیں۔ عطیہ بیگم نے بھی خیر مقدمی انداز میں اس خبر کو سنا تھا۔

"ایک ساتھ اتنی اچھی خبریں۔ شکرانے کے نوافل واجب ہوگئے ہم دونوں پر مہناز۔"

"میں تو پہلے ہی ادا کرچکی۔ اب تم بھی نوافل ادا کرو اور دونوں بچوں کی خوشیوں کی دعائیں مانگو۔ ماشاءاللہ بہت قسمت والی بچی ہے ہماری سونیا۔ جس دن سے میں نے التمش کے ساتھ اس کا نام جوڑنے کی بات کی ہے۔ اس دن سے کچھ نا کچھ اچھا ہی ہورہا ہے میرے بیٹے کے ساتھ۔ ہر الٹی چیز سیدھی ہوگئی ہے اس کی زندگی میں۔ ایگزام بھی خیریت سے ہوگئے۔ اب نوکری بھی مل گئی۔ ان شاءاللہ آئندہ دنوں میں بھی سب کچھ اچھا ہی ہوتا رہے گا۔" وہ کچھ زیادہ ہی پرجوش ہورہی تھیں اسی لیے دونوں بچوں کے جاتے ہی وقت کی پروا کیے بنا کینیڈا کال ملالی تھی انہوں نے۔

عطیہ بیگم موبائل فون پر ان کے چہرے پر پھیلا سکون دیکھ کر ـــ مطمئن ہوئی جارہی تھیں۔ دونوں خواتین کے گمان میں بھی نا تھا کہ ان کے بچے ان کے کھینچے ہوئے سیدھے سادے نوے کے زاویے سے بالکل مخالف سمت میں چلنے کا تہیہ کرچکے تھے۔

☆☆☆

"یہ میرے لیے ہے۔" زرمین نے مصنوعی حیرت چہرے پر سجا کر اس پیکٹ کی جانب دیکھا تھا جو سونیا نے اسے پکڑانا چاہا تھا۔ زرمین کے انداز

میں عجب سی نزاکت خود بخود آ گئی تھی۔ وہ سونیا کو دیکھ کر ذرا محتاط سی ہو گئی تھی۔ التمش نے ہمیشہ ہی اس کا ذکر اس انداز میں کیا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی یہ توقع نہیں کر رہا تھا کہ ان کا سامنا ایک نارمل سے قد کی مگر بہت خوب صورت لڑکی سے ہونے والا ہے۔ زرمین کا اور اس کا جو تعلق تھا اس حساب سے زرمین کو زیادہ ہی مایوسی ہوئی تھی۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ چھوٹے شہر کی چھوٹے قد والی عام سے نقوش والی سادہ سی آؤٹ ڈیٹڈ سی ''سونیا'' اسے دیکھ کر ہی چاروں شانے چت ہو جائے گی لیکن یہاں معاملہ کچھ الٹا ہو گیا تھا۔ ٹرینڈی سے فراک میں دوپٹے کی قید سے آزاد بہترین میک اپ والی سونیا نے اسے حیران کر دیا تھا اور مستقبل میں مقابلہ مزید سے مزید سخت ہونے کا امکان صاف نظر آنے لگا تھا۔ سونیا کا لباس، میک اپ کرنے کا ہنر اور پھر گفتگو کا پر اعتماد انداز چند لمحوں میں ہی وہاں بیٹھے سب لوگوں کو اس کا گرویدہ بنانے لگا تھا۔ ایسا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ان سے پہلی بار ملی ہے۔ زرمین کو جلن تو نہیں ہو رہی تھی لیکن اسے یہ سب اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اسی لیے اس کے انداز پر مصنوعی پن غالب آنے لگا تھا اگرچہ وہ سب ہی پارٹی کی مناسبت سے بہت مناسب طریقے سے ڈریس اپ ہو کر آئی تھیں اور سب ہی بہت پیاری لگ رہی تھیں لیکن زرمین اور سونیا کا آپس میں ایک عجیب سا تعلق خود بخود پیدا ہو گیا تھا جو ماحول پر اپنا اثر چھوڑ رہا تھا، سونیا سے گفٹ لے کر وہ ایک سمت میں رکھنا چاہتی ہی تھی کہ احتشام بول اٹھا۔

''ہم بھی تو التمش کے دوست ہیں۔ ہمارے لیے گفٹس کیوں نہیں لائیں آپ؟'' اس کا جملہ ابھی پورا بھی نا ہوا تھا کہ نمیرہ اور براق نے سیٹی سی بجا کر ذومعنی انداز میں اسے دیکھا۔ سونیا نے مڑ کر ان کی جانب دیکھا پھر اسے محسوس ہوا کہ التمش نے ان لوگوں کو کچھ کہا ہے یا آنکھوں ہی آنکھوں میں ٹوک دیا ہے۔ اسے صورت حال کی ٹھیک طریقے سے سمجھ نا آسکی تھی لیکن اسے محسوس ضرور ہوا تھا

''دراصل......'' اس نے وضاحت دینی چاہی پھر نا سمجھی کے عالم میں کندھے اچکا دیے۔ حقیقت یہ تھی کہ زرمین کے علاوہ کسی کا خیال بھی اس کے ذہن میں نا تھا۔

''چلیں اگلی بار لے آیئے گا۔ اب تو ملاقات ہوتی ہی رہے گی۔'' یہ جملہ احتشام نے کہا تھا اور اب کی بار پھر سونیا نے ذومعنی مسکراہٹ کو وہاں موجود سب لوگوں کے چہرے پر چمکتے دیکھا تھا۔

''اچھا چلو زرمین دکھاؤ تو سہی یہ ہے کیا؟'' نمیرہ نے کہا تھا۔ اس کے کہنے پر زرمین نے ناخنوں کی مدد سے اس تحفے پر چپکے کاغذ کو علیحدہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند لمحوں بعد ان سب کے سامنے ایک خوب صورت بڑے سائز کا کلچ پرس آ گیا تھا۔ جینز کے میٹیریل سے بنے اس کلچ پر چمکتے ہوئے سیکوئنس تھے اور اندرونی جانب سنہری زپ لگی تھی لیکن اس کلچ کی سب سے خوب صورت بات اس پر کڑھائی سے بنائی گئی زرمین اور التمش کی تصویر تھی۔ اتنی صفائی سے ان دونوں کی تصویر کو اس کلچ پرس پر مزین کیا گیا تھا کہ وہ ایک اسپیشل کسٹمائزڈ پیس کے سانچے میں ڈھل گیا تھا بلاشبہ وہ ایک بہت ہی دیدہ زیب اور بازار میں ملنے والے کلچ سے کچھ مختلف سی چیز تھی جس کی زپ پر ننھا منا سا ٹیگ بھی لگا تھا جس پر ''محراب'' لکھا تھا۔ التمش کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ زرمین کے لیے کیا لائی ہے۔ اس کے چہرے پر ستائش جیسے امڈ کر آئی تھی۔ نمیرہ نے سب سے پہلے سراہا۔

''واؤ! بہت خوب صورت۔ یہ ہینڈ میڈ ہے نا؟'' نمیرہ نے زرمین کے ہاتھ سے وہ کلچ پکڑا تھا۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے التمش نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ ایسی چیزیں بناتی رہتی ہیں۔ آپ کو شوق ہے نا۔'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''شوق نہیں۔ بزنس...... میں بزنس کرتی ہوں۔ میرا برانڈ ہے۔ محراب کے نام سے۔ میں آن لائن سیل کرتی ہوں یہ سب۔'' اس نے تفاخر بھرے لہجے میں کہا تھا۔ زرمین کے چہرے پر تمسخر چمکا تھا لیکن نمیرہ متاثر ہوگئی۔ اس کے ہاتھ سے وہ کلچ احتشام نے پکڑلیا۔

''یہ واقعی آپ نے خود بنایا ہے۔ واؤ، جسٹ واؤ۔ بہت ہی اچھا کام ہے آپ کا۔ یہ تو لگ ہی نہیں رہا کہ ہاتھ سے بنایا گیا ہے۔ میں تو بہت امپریس ہوگیا ہوں۔'' وہ بے حد سراہنے والے انداز میں کلچ کو کم اور اسے زیادہ دیکھ رہا تھا۔ سونیا کو اس کی آنکھوں کے رنگ کچھ نامانوس سے لگے۔ اس کے دیکھنے کا انداز کچھ غیر معمولی تھا۔ سونیا کو عجیب لگا اور اس سے بھی بڑھ کر ایک بار پھر براق اور نمیرہ نے اس کے جملے کو سن کر ذومعنی انداز اپنایا تھا۔ سونیا نے حیرانی سے اس صورت حال کا جائزہ لیا تھا لیکن اسے ابھی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''چلو بھئی یہ تو بڑی مبارک بات ہوئی ہے۔ احتشام صاحب امپریس ہوگئے۔ زرمین تمہاری دال گل گئی ہے۔ جو چاہا تھا، ویسا ہی ہوتا نظر آرہا ہے یعنی محنت کیے بنا ہی کام ہوگیا تمہارا تو۔ مجھے ایک اور پارٹی کی خوشبو محسوس ہورہی ہے۔'' براق شرارتی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے کہہ رہا تھا۔ نمیرہ اور احتشام نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ سونیا چونک کر التمش کا چہرہ دیکھنے لگی۔ یہ سب اس کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

''اچھا۔ اب بتاؤ آرڈر کریں یا بوفے ٹرائی کرنا ہے؟'' التمش نے ان سب کو ٹوکا تھا۔ آج کی پارٹی کا میزبان وہی تھا۔ سب کے اتفاق کرنے پر بوفے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ سب لوگ اپنی اپنی مرضی سے اپنے لیے ڈشز منتخب کرنے کے لیے اٹھ گئے تھے۔ زرمین اور سونیا ایک ساتھ پلیٹس لے کر اپی ٹائزرز والے میز کی جانب بڑھی تھیں۔

''تمہارے باقی بہن بھائی نارمل ہیں نا؟'' وہ فرنچ سلاد کو سرونگ چمچے کی مدد سے پلیٹ میں لیتے ہوئے سرسری سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ سونیا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''نارمل؟'' اس نے دہرا کر استفہامیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ زرمین نے دوسری ٹرے میں سے کھیرے اٹھا کر پلیٹ میں رکھے پھر پیشانی پر آئی بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے سرسری سے انداز میں بولی۔

''میرا مطلب ان کی ہائیٹ تو نارمل ہے نا۔ التمش نے بتایا تھا مجھے کہ ساری فیملی میں بس تم ہی چار فٹ دس انچ رہ گئی ہو۔ باقی سب تو بالکل نارمل ہیں'' اس نے اس انداز میں کہا تھا جیسے عام سی بات ہو پھر وہ اس کی جانب دیکھے بنا مزید بولی۔

''التمش بتا رہا تھا کہ تمہاری ممی بہت پریشان ہیں تمہاری شادی کے لیے۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔ چھوٹا قد بھی بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ آج کل تو لوگ اچھی خاصی لڑکیوں میں سو کیڑے نکال دیتے ہیں'' اب کی بار جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی گئی تھی اور پھر جیسے تسلی نا ہوئی ہو۔

''میں نے ہی التمش کو مشورہ دیا تھا کہ اپنی کزن کو احتشام، براق وغیرہ سے ملواؤ شاید کوئی سلسلہ چل پڑے۔ تمہیں کیسا لگا احتشام۔''

وہ پوچھ رہی تھی۔ سونیا ایک لمحے کے لیے تو اپنی جگہ پر تھم کر رہ گئی۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس لمحے اسے کس طرح ری ایکٹ کرنا چاہیے۔ اسے اس کے چھوٹے قد کا طعنہ کبھی اس انداز میں کسی نے بھی نہیں دیا تھا اور پھر ''نارمل'' کا لفظ تو

جیسے اس کے دل میں گو گیا تھا اور ابھی وہ اس جملے سے سنبھلی نا تھی کہ اس ''گیٹ ٹو گیدر'' کا اصل مقصد بھی سامنے آ گیا تھا۔ زرمین آگے بڑھ کر اپنی پلیٹ میں پاستا لے رہی تھی جبکہ سونیا کا سارا اعتماد جیسے کسی نے لمحہ بھر میں مٹی میں ملا دیا تھا۔ اس کی بھوک جیسے اڑنچھو ہو گئی تھی۔

''میرے دوست ملنا چاہتے ہیں تم سے۔'' التمش کا جملہ کانوں میں گونجا اور اب زرمین کہہ رہی تھی۔

''التمش کو میں نے ہی مشورہ دیا تھا کہ اپنی کزن کو براق اور احتشام وغیرہ سے ملواؤ۔ شاید کوئی سلسلہ چل پڑے۔'' یہ الفاظ نہیں تھے۔ اس پر کسی نے اُبلتا ہوا پانی انڈیل دیا تھا۔ التمش کے دوستوں کی گیٹ ٹو گیدر میں آنے کے لیے اس نے پوری دوپہر تیاری کی تھی۔ التمش کی متوقع منگیتر کے لیے تین دن اور دو راتیں لگا کر اس نے وہ کلچ پرس تیار کیا تھا۔ وہ تصویر جو اس کلچ پر بنائی گئی تھی اسکوئٹر لیس کرنے میں ہی اسے تقریباً دو گھنٹے لگے تھے اور کڑھائی والا سلسلہ تو خیر کافی وقت لگا کر مکمل کیا گیا تھا اور یہ سب کرنے میں خلوص کے ساتھ ساتھ وہ تمام نیک نیتی بھی شامل تھی جو اس کے دل میں التمش کے لیے پیدا ہو گئی تھی۔

اس کا دل جیسے بند سا ہونے لگا تھا۔ یہ سب کچھ اس نے اپنے اس ماموں کے بیٹے کی خاطر کیا تھا جو اس کے متعلق اپنے دوستوں سے کس قسم کی باتیں کرتا رہتا تھا۔ اپنے اونچے قد کاٹھ کے ساتھ، اپنی خوب صورت متوقع منگیتر کی موجودگی سے شاداں و مسرور وہ کیسے اپنے دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ سونیا کا دل چاہا کہ کسی فلمی ہیروئن کی طرح چیخ کر اسے بلائے اور تین چار گالیوں سے نواز دے یا پھر اس کے قریب جائے اور کم از کم دو تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارے

مگر...... تھکے ہوئے قدموں سے پلیٹ کو لیے وہ آگے بڑھی۔

''آپ نے کچھ نہیں لیا؟'' احتشام اس کے قریب آ گیا تھا۔

''یہ روسٹڈ پرانز ٹرائی کریں۔ بہت اچھے ہیں۔ بالکل مختلف سا ذائقہ ہے۔'' اس نے کہنے کے ساتھ ساتھ اپنی پلیٹ سے دو تین پران بھی اس کی پلیٹ میں رکھ دیے تھے۔ سونیا نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ وہاں اس کے لیے کچھ انوکھی سی دلچسپی نمایاں تھی۔ اب اسے سمجھ میں آیا تھا کہ ان سب چہروں پر وہ بلاوجہ کی ذومعنی مسکراہٹ جو اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی اس کی وجہ کیا تھی۔ ایک لمحے میں جیسے کتنی ساری چیزیں واضح ہو گئی تھیں۔ وہ بے خبر تھی لیکن باقی سب باخبر تھے۔ وہ سب جانتے تھے جو ''وہ'' نہیں جانتی تھی۔

☆☆☆

''واہ کزن۔! تم نے تو مجھے حیران ہی کر دیا۔ ایسے والٹس بھی بنا سکتی ہو تم؟'' واپس جاتے ہوئے التمش نے پوچھا تھا۔ وہ کتنا خوش اور مطمئن لگ رہا تھا۔ سونیا نے اس کی جانب دیکھا تا اس کا دل چاہا تھا کہ وہ اس شخص کی جانب دیکھے یا اس کو کوئی جواب دے۔

''کتنا چارج کرتی ہو ایک پیس کا۔ رشتہ داروں کو رعایت دینے کا رواج ہے یا نہیں۔ میں چاہ رہا ہوں اپنے سب دوستوں کے لیے بنوا لوں۔'' وہ اس کی خاموشی کی پروا کیے بنا کہہ رہا تھا۔

''بولو نا۔ بنا دو گی میرے دوستوں کے لیے۔ میں سب کی تصویریں دوں گا تمہیں۔ کتنی دیر لگے گی؟'' وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا جیسے۔ اسے ذرا پروا نا تھی کہ وہ سن بھی رہی ہے یا نہیں۔ اس کا وجیہہ چہرہ اپنی کامیابی کے زعم میں چمک رہا

تھا۔

''کیا بگاڑ لو گے میرا التمش! اگر میں تمہارا ساتھ دینے کے وعدے سے مکر جاؤں۔ اگر اپنی اور تمہاری امی کی طرح اس بات پر ڈٹ جاؤں کہ تمہیں کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ کڑھ رہی تھی۔ اتنا ہرٹ اسے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا تھا۔ اور افسوس ناک بات یہ تھی کہ وہ اپنے گھر میں نہیں تھی اس کی امی اس کے ساتھ نہیں تھی۔ غم کا بوجھ برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اکیلے برداشت کرنا بہت زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ اپنے آپ کو ایک دم سے اکیلا محسوس کرنے لگی تھی۔ اپنی جانب سے وہ اس شخص کی بھلائی کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی تھی حالانکہ اس امر سے اس کی اپنی امی کے ناراض ہو جانے کا خدشہ تھا لیکن پھر بھی وہ یہ ناراضی مول لے رہی تھی اور نتیجے میں اس کے حصے میں تذلیل کے سوا کیا آیا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو کزن! کچھ تو بولو۔ میرے دوست کیسے لگے تمہیں۔'' وہ ایک نظر اسے دیکھتا تھا اور دوسری نظر سڑک پر ڈالتا تھا۔ سونیا مزید چند لمحے خاموش رہی پھر جیسے اس کا صبر تمام ہو گیا تھا۔

''یہ سب کیا تھا التمش؟'' اس کے لہجے میں برف سے زیادہ سرد مہری تھی۔ التمش کی ہمت نا ہوئی کہ مذاق میں کوئی جواب دے پاتا۔

''کیا...... کیا ہوا؟'' وہ حیران سا ہوا تھا۔

''میں نے تم سے دوستی اس لیے نہیں کی تھی کہ میرے والدین کی ذمہ داریاں بھی تم اپنے سر لے لو اور نا ہی اس لیے کی تھی کہ میری شادی نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں تمہارے گھر میں کچھ مہینے رہنا چاہتی ہوں۔ سکون سے، اطمینان سے۔ تمہارے گھر رہوں اور تم سے پنگے لیتی رہوں۔ یہ منظور نہیں تھا مجھے۔ تم سے ہاتھ ملانے کا سبب بس یہی تھا۔ بس یہی اور تم؟'' وہ جان بوجھ کر چپ ہوئی۔

''ہاں، میں؟...... کیا میں......؟ بولو؟'' وہ مزید حیران نظر آ رہا تھا۔ سونیا کے سلگتے ہوئے زہریلے لہجے نے اسے بھی سلگا دیا تھا۔

''تم بولو التمش! تم بتاؤ۔ تمہیں کس نے حق دیا کہ مجھے اپنے دوستوں کی پارٹی میں بلوا کر میرا سوئمبر رچاؤ۔ مجھے ان کے سامنے پیش کرو کہ میں ان کو پسند آ جاؤں تو مجھ مجبور بے بس لڑکی کے رشتے میں جو رکاوٹ ہے وہ دور ہو جائے۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ میرا قد تمہارے برابر نہیں ہے۔ تمہاری اس لمبی گرل فرینڈ کے برابر نہیں ہے۔ تم کہاں سے ابا بن کر آ گئے میرے۔'' وہ ایک ایک لفظ ادا کرتے ہوئے جیسے التمش کو کچا چبا رہی تھی۔ التمش کے چہرے کے تاثرات بھی بدلے تھے۔

''کیا بک رہی ہو۔ میں نے کس کے سامنے پیش کیا ہے تمہیں۔ سوئمبر......؟ کیا بکواس ہے۔ ایسا تو کبھی سوچا بھی نہیں میں نے۔ اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھ دیکھ کر الفاظ بھی ویسے ہی فضول بولنے لگی ہو۔ سوئمبر...... ہوتا کیا ہے وہ؟'' وہ نہایت برا مان کر بولا تھا۔

''یہ بات تم اپنی گرل فرینڈ سے پوچھو تو زیادہ اچھا ہے۔'' وہ بھی اسی انداز میں بولی

''اس کو انوالو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا معاملہ اپنی ذات تک محدود رکھو۔'' التمش نے غرا کر کہا۔ وہ سارا اطمینان جو اس کے چہرے پر چمک رہا تھا لمحہ بھر میں غائب ہو گیا تھا۔ سونیا کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ چمکی۔

''کیوں؟ برا لگ رہا ہے نا۔ ایسے ہی مجھے بھی برا لگ رہا ہے۔ افسوس ہو رہا ہے کہ میں کیوں آئی تمہارے ساتھ۔'' وہ اسی انداز میں بولی تھی۔

''یہ بات تو تمہیں پہلے سوچنی چاہیے تھی۔ میں کوئی زبردستی اغوا کر کے نہیں لایا تمہیں۔'' اس

نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔
"ہمت بھی نہیں ہے تمہاری مجھے اغوا کرنے کی۔ میری مرضی کے بنا تو کوئی مجھے کہیں بھی نہیں لے جا سکتا اور میں اسی بات پر افسردہ ہوں کہ میں نے تم پر اعتبار کیا ہی کیوں۔ کاش مجھے پتا ہوتا کہ میرے ساتھ یہ سب ہونے والا ہے تو میں یہ غلطی کبھی نا کرتی۔" وہ اپنی افسردگی چھپا نہیں پائی تھی۔
التمش نے اس کی جانب دیکھا پھر بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا۔ گاڑی گھر کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے جیسے ہار مان لی تھی اور یہ اس کی زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔
"تم بتاتی کیوں نہیں ہو کہ کیا ہوا ہے۔ کسی نے کچھ کہا ہے۔ بات بُری لگی ہے کسی کی؟" وہ زچ ہو کر پوچھ رہا تھا۔ جاتے ہوئے تو وہ بہت خوش اور پُرجوش تھی اور اب اس کا رویہ اسے حیران بھی کر رہا تھا اور پریشان بھی۔ سونیا چپ چاپ اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھتی رہی۔ اسے شاید احتشام سے اس طرح ملوائے جانے کی اتنی تکلیف نا ہوتی اگر زرمین نے یہ زہر نا اگلا ہوتا۔
"احتشام نے کوئی بدتمیزی کی ہے تمہارے ساتھ؟" التمش کو اس کی خاموشی سے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
"میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی التمش! تم نے بہت دل دکھایا ہے میرا۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی تھی جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔
"ایز یو وش۔" التمش نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔ اس کا صبر بس اتنا ہی تھا۔

☆☆☆

"مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔ لیکن وہ بہت غصے میں تھی۔ مجھے لگتا ہے احتشام نے کوئی بدتمیزی کی ہے۔" رات کو کہیں معمول کے مطابق سونے سے پہلے جب وہ زرمین کو شب بخیر کے میسجز کر رہا تھا تو اس نے ساری تفصیل بتاتے ہوئے لکھ دیا تھا۔
"کم آن التمش! احتشام ایسا نہیں ہے اور یہ بات تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔ اس لڑکی سے دو دن ہوئے ہیں تمہاری دوستی کو جب کہ احتشام تمہارا بچپن کا دوست ہے۔" اس نے طنزیہ انداز والے ایموجی کے ساتھ ایک جوابی میسج کیا۔
"احتشام کا بھی کوئی بھروسا نہیں ہے زرمین! وہ بعض اوقات خواہ مخواہ اوور ہو جاتا ہے۔ تم نے غور نہیں کیا لیکن وہ بلا وجہ سونیا کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اس نے کچھ ایسا ویسا کہہ دیا ہو۔" التمش اپنے موقف پر ڈٹا تھا۔
زرمین نے تین چار طنزیہ ایموجیز بھیجے تھے۔
"التمش! تمہاری کزن اب اتنی بھی حسین و جمیل نہیں ہے کہ اس کو دیکھ کر کوئی اوور ہو جائے۔ میں نمیرہ، رباب یا یونیورسٹی کی کسی بھی لڑکی نے تو کبھی احتشام کے متعلق یہ شکایت نہیں کی۔ تمہاری کزن صاحبہ کو ہی یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے اتنا لکھا لیکن التمش دیکھ سکتا تھا کہ وہ مزید میسج ٹائپ کر رہی تھی۔ اس نے فوراً لکھا۔
"اس نے شکایت نہیں کی یار! میں صرف اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اصل میں وہاں ہوا کیا ہوگا کیونکہ میری موجودگی میں تو کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے میں تو بالکل لاعلم ہوں مگر وہ محترمہ تو ناراض ہی ہو گئی ہیں۔"
زرمین کا میسج موصول ہوا تھا جو پہلے میسج کا بقیہ حصہ تھا
"اور ہاں احتشام بے تکلف نہیں ہو رہا تھا۔ اپنی احمق کزن کو بتاؤ کہ اس کی قسمت کھل گئی ہے۔ احتشام کو اچھی لگی ہے وہ۔ اس لیے بس وہ اس سے متعارف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ انگریزی میں اسے کمفرٹیبل ہونا کہتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کو

مزید سمجھا جا سکے اور اپنی کزن کو یہ بھی سمجھاؤ کہ نخرے کرنا بند کرے اور اس موقع کو ہاتھ سے نا جانے دے ورنہ اس قد کے ساتھ ان کے محل میں کوئی شہزادہ نہیں آنے والا گھوڑے پر بیٹھ کر۔''

التمش نے میسج کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے دو بار پڑھا تھا پھر مزید ایک میسج موصول ہوا۔

''اور پلیز یہ بھی اس کے ننھے سے دماغ میں ڈال دو کہ احتشام تمہاری ایوریج سی کزن میں اس لیے دلچسپی لینے پر مجبور ہوا کہ میں نے اسے آمادہ کیا تھا۔ تمہاری کزن کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے تھے۔ بنا ملے ہی اس کی اتنی تعریف کردی تھی کہ وہ اس کو دیکھنے کے بعد میری باتوں کی صداقت پر ایمان لے آیا اور شاید اسی لیے وہ اسے اچھی لگ گئی ورنہ تمہاری کزن میں ایسا تھا کیا کہ وہ اسے دوبارہ دیکھ ہی لیتا۔ بجائے احسان ماننے کہ وہ ناراض ہوگئیں'' زرمین کا میسج کافی تلخ سا تھا۔ التمش نے تھک کر کال ہی ملالی اور اس سے پہلے اس نے ٹی وی کی آواز تیز کردی تھی کہ اس کی امی کو خبر نا ہو کہ وہ رات کے اس پہر کسی سے بات کر رہا ہے۔

''تم کیوں اتنا جل جل کر میسج کر رہی ہو۔ میں کہہ تو رہا ہوں کہ اس نے کسی کا نام نہیں لیا لیکن اسے یہ ضرور پتا چل گیا ہے کہ ہم نے اسے بطور خاص احتشام سے ملوانے کی کوشش کیوں کی ہے اور وہ اس بات پر ناراض ہو رہی تھی۔'' التمش نے وضاحت کی۔ زرمین کی آواز میں تلخی کی آمیزش مزید بڑھ گئی تھی۔

''تم اس کی ناراضی سے اتنے خائف کیوں ہو رہے ہو۔ ہوتی ہے ناراض تو ہوتی رہے۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ نخرے کر کس بنیاد پر رہی ہے۔ ایوریج سی لڑکی ہے۔ قد کاٹھ تو خیر اللہ کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں لیکن میک اپ دیکھا تھا۔ اور پھر ڈریس سینس بھی زیرو اور یہ گفٹ کیسا لائی تھی وہ میرے لیے۔ کپڑے کا بنا ہوا کلچ۔ ذرا بھی نہیں پسند آیا مجھے۔ بہت آؤٹ ڈیٹڈ چوائس ہے بھائی تمہاری محراب عرف سونیا کی۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے گویا التمش کو باور کروانے کی کوشش کی کہ اس کی کزن اسے بالکل پسند نہیں آئی۔

''یار! اب تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو۔ لڑکی تو خوب صورت بھی ہے اور قابل بھی۔ میں تو خود حیران رہ گیا۔ اتنی صفائی سے وہ تصویر بنائی ہے اس نے اس پرس پر۔ مجھے تو اچھا لگا بہت اور میں حیران تو بس اس بات پر ہوں کہ اچھی بھلی خوش باش گئی تھی میرے ساتھ مگر واپسی پر ایسے تھی جیسے سر ہی پھاڑ دے گی۔ کہیں تم نے تو کوئی بات نہیں کی اس کے قد کے حوالے سے۔'' التمش کی سوئی ایک ہی جگہ کھڑی تھی۔ زرمین ایک ثانیے کے لیے تو چپ ہی ہوگئی پھر جیسے ہڑبڑا کر فوراً وضاحت دیتے ہوئے بولی۔

''جی نہیں۔ میں کیوں کروں گی کوئی بات کسی کے قد کاٹھ کے حوالے سے۔ یہ تو تم ہی ہو جو اسے چار فٹ دس انچ کہتے رہتے ہو۔'' التمش بلاوجہ ہنس دیا۔

''اوہو۔ میری خیر ہے۔ کزن ہے میری۔ میری پھپھو کی بیٹی۔ میں کہہ سکتا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زرمین کی سلگتی ہوئی آواز آئی تھی۔

''کیوں؟ تم کیوں کہہ سکتے ہو؟''

''التمش کہتے ہیں مجھے۔ چار فٹ دس انچ کہوں یا دس فٹ چار انچ۔ سجتا ہے مجھ پر۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

☆☆☆

اگلے دو دن وہ اس کی طرف کن انکھیوں سے دیکھنے کے باوجود اس سے بات کرنے کی ہمت نا

کرسکا کیونکہ وہ اپنے کمرے تک محدود ہوگئی تھی اور اگر نظر بھی آتی تو چہرے پر تاثرات اس قسم کے تھے کہ مخاطب بھی کیا تو کچا کھا جائے گی۔ عام حالات میں وہ مختلف قسم کی چیزیں اپنے گرد بکھرائے کچھ نا کچھ کرتی نظر آتی تھی لیکن گزشتہ دو دن سے التمش نے اسے یہ سب کرتے بھی نا دیکھا تھا۔ وہ بھی آفس جانے لگا تھا۔ صبح کا گیا شام کو ہی آرہا تھا لیکن پھر بھی اس کی خواہش تھی کہ اگر سونیا اس کے یا اس کے کسی دوست کی وجہ سے ناراض ہوئی ہے تو اس کا ازالہ کیا جاسکے مگر موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ مہناز بیگم سے پوچھنے کا مطلب اپنی شامت بلوانا تھا سو وہ اس معاملے میں چپ ہوگیا تھا اور یوں چند اور دن خاموشی سے یوں ہی گزر گئے۔ ویک اینڈ آیا تو چونکہ اگلے دن چھٹی تھی اس لیے اس نے سوچا تھا کہ اس سے بات ضرور کرے گا۔ کھانے کے بعد اس نے اسے آفر کرنی چاہی کہ آؤ آئس کریم کھا آتے ہیں لیکن پھر اس کے تاثرات دیکھ کر ہمت نا کرسکا پھر براق نے فون کرکے بلوالیا تو وہ اس کی طرف چلا گیا۔ واپسی پر جانے دل میں کیا سمائی کہ مشہور کافی شاپ سے دو کولڈ کافی کے کپ لے لیے۔ گھر پہنچ کر پہلے انہیں فریزر میں رکھا پھر کپڑے تبدیل کیے اور پھر لائٹ جانے کا انتظار کرنے لگا کیونکہ وہ لائٹ جانے کی صورت میں ہی صحن میں آکر بیٹھتی تھی۔ اس دن بجلی بھی مقررہ وقت سے دس منٹ بعد ہی گئی مگر وہ اندھیرا ہوتے ہی سیڑھیاں اُتر کر نیچے آگیا اور اس کے آنگن میں آکر بیٹھنے کا انتظار کرنے لگا جیسے ہی وہ آئی۔ وہ بھی دونوں کپ لے کر بالکل اس کے برابر چبوترے پر آبیٹھا۔ سونیا نے ذرا توجہ نا دی اور اس کی جانب سے رُخ موڑ کر اپنے موبائل کے ساتھ مصروف ہوگئی۔

''اس دن تم نے مجھے چائے کا کپ دے کر دوستی کی آفر کی تھی۔ کیا میں یہ کافی کا کپ دے کر آج تمہیں دوستی کی آفر کرسکتا ہوں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ چہرے پر دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔ سونیا مسکرائی تک نا تھی۔

''جی نہیں۔'' اس نے جواب دیتے ہوئے منہ دوسری طرف کرلیا تھا۔

''خدا کا نام لو کزن! جانتی ہو کہاں سے لایا ہوں۔ پتا ہے کیا قیمت ہے اس ایک کپ کی۔ موچا وو وائٹ چاکلیٹ لینے کے لیے لائن لگی ہوتی ہے عوام کی۔'' وہ اسی انداز میں بولا تھا۔ سونیا نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا ہی نہیں۔

''اوکے۔ تمہاری مرضی۔ نہیں پینی تو مت پیو لیکن مجھے پیسے دو ان دونوں کے۔ اپنے کپ کے بھی اور میرے کپ کے بھی کیونکہ یہ میں تمہاری وجہ سے ہی لایا تھا ورنہ اس سخت گرمی میں میرا یہ سڑی ہوئی کافی پینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' وہ جتا کر بولا۔

''میرا بھی نہیں ہے۔ گرمی تمہیں ہی نہیں لگتی۔ سب انسانوں کو لگتی ہے۔'' سونیا نے ناک چڑھا جواب دیا۔ گرمی تو تھی لیکن روز ہی شام ہوتے ہوا چلنے لگتی تھی سو موسم تو آنگن میں خوش گوار ہی تھا۔ رات کی رانی کی دھیمی دھیمی سی مہک بڑی دل فریب تھی لیکن سونیا کے چہرے کی ناراضی نے ماحول کو کشیدہ کر رکھا تھا۔

''اسی لیے تو کولڈ کافی لایا ہوں۔ پی کر دیکھو گی تو پتا چلے گا نا۔'' اس نے اپنا کپ وہیں چبوترے پر رکھ کر دوسرا کپ زبردستی سونیا کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا۔ اس نے چند لمحے تو تذبذب کے عالم میں اسے دیکھا پھر منہ بنا کر کپ پکڑ لیا تھا۔ موچا اس کا پسندیدہ بھی تھا۔

''اب لے آئے ہو تو پی لیتی ہوں۔'' ایک دو لمحے وہ دونوں اسٹرا سے سپ لینے میں مگن رہے پھر

التمش نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔
''دوستی؟'' وہ چھوٹے بچوں کی طرح دایاں ہاتھ اس کی جانب کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سونیا ایک سیڑھی اُتر کر نیچے چلی گئی اور انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔
''میں تمہاری دوستی افورڈ نہیں کرسکتی۔ دوستی برابر والوں میں ہوتی ہے جبکہ تم کہاں اتنے اونچے لمبے التمش...... راجا التمش بلکہ مہاراجا التمش اور میں کہاں چھوٹی سی۔'' وہ اس کی جانب دیکھے بنا بول رہی تھی۔ التمش اس کے طنزیہ انداز پر خواہ مخواہ مسکرایا اور پھر وہ بھی ایک اور سیڑھی اُتر کر اس کے برابر آ گیا۔
''لیکن میں نے تو سنا تھا کہ دوستی میں اونچ نیچ کا فرق معنی نہیں رکھتا۔ ہاں رشتہ برابر والوں میں کرنا چاہیے اور تم سے رشتہ کرنے میں تو میں انٹرسٹڈ ہی نہیں ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔
''ایکسکیوزمی...... صرف تم نہیں۔ میں بھی تم سے رشتہ کرنے میں بالکل انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔'' سونیا نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا اور طنزیہ انداز میں جواب دیا تھا۔
''خیر یہ تو جھوٹ ہے۔ تم تو بے حد پسند کرتی ہو مجھے۔'' وہ اسے چڑا رہا تھا۔ سونیا نے دوبارہ مڑ کر اس کی جانب دیکھا پھر سابقہ انداز میں ناک چڑھا کر بولی۔
''اچھا واقعی......!'' تمسخر اور خفگی ایک ساتھ چہرے پر پھیلا تھا کہ التمش کو ہنسی آ گئی۔ اتنے دن سے وہ اس کی دوستی کو اہمیت دیتی آئی تھی اور اب جب وہ ناراض ہوئی تھی تو التمش کو احساس ہوا تھا کہ وہ بھی اسے اہمیت دینے لگا ہے۔ گھر میں اپنے کسی ہم عمر کی موجودگی اسے اچھی لگنے لگی تھی۔ سب سے بڑھ کر کوئی ایسا بھی تھا جس سے وہ بلا جھجک زرمین کی باتیں کرسکتا تھا سو اس کا ناراض ہونا اسے کافی محسوس ہو رہا تھا۔
''ہاں تو اور کیا۔ آخر کوئی تو سولڈ ریزن ہے نا اس ساری ناراضی کے پیچھے۔ میں نے بہت ساری ایسی موویز دیکھی ہوئیں جن میں سائڈ ہیروئن اسی طرح ہیرو سے ناراض ہو جاتی ہے۔ جب وہ اسے کسی اور سے ملوانے کی کوشش کرتا ہے تم بھی اسی ہیروئن کی طرح بی ہیو کر رہی ہو ورنہ احتشام سے مل کر ناراض کیوں ہوتیں؟'' وہ گردن اکڑا کر اسے چڑانے کی خاطر یہ سب کہہ رہا تھا۔ سونیا نے بے یقینی کے عالم میں اس کی بات کو ہضم کیا پھر اسٹرا منہ سے نکال کر اس کے کندھے پر ایک زوردار مکا مارا تھا۔
''التمش دی گریٹ۔ سب سے پہلے تو اس ساری فلم میں سے اپنا فضول کردار نکال کر الگ کر دو اور پھر میری بات دھیان سے سنو۔ مجھے واقعی یہ بات ''بھی'' بہت بری لگی ہے کہ تم نے یہ سب کیوں کیا۔'' اس نے لفظ ''بھی'' پر زور دیتے ہوئے کہا تھا پھر رُک کر ایک سِپ مزید بھرا اور غرائی۔
''تم ہوتے کون ہو۔ میرا رشتہ پکا کرنے والے۔'' التمش نے اسے اس کا جملہ پورا کرنے نہیں دیا تھا۔
''پکا کس کم بخت نے کیا ہے۔ بس اتنی سی کوشش کی تھی کہ اگر......'' اب کی بار سونیا نے اس کی بات کاٹی۔
''تمہیں کوشش کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ تم نے کیا سوچا کہ بے چاری کزن کا رشتہ نہیں ہو رہا تو اپنے دوست سے درخواست کرلی جائے کہ بھائی ترس کھالے میری پھپھو کی بیٹی کنواری نا مر جائے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہی تھی۔ التمش کا مزاج ذرا بگڑا۔
''کیا بکواس ہے یار! ایسا کچھ نہیں ہے۔ جیسا تم سوچ رہی ہو۔''

''ایسا ہی ہے اور اسی بات کا غصہ ہے مجھے التمش کہ تمہیں مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت بالکل بھی نہیں تھی۔ میرا رشتہ تمہاری پرابلم نہیں ہے۔ نا تھی اور نا ہی ہوگی تو پھر تمہیں ہمت کیسے ہوئی یہ سب تماشا کرنے کی۔ تم نے کیا سوچا کہ تم مجھ سے شادی نہیں کر رہے تو مجھے کوئی لڑکا ہی نا ملے گا۔'' وہ دانت کچکچا کر بولی تھی۔ التمش نے بمشکل اس کی بات کو ہضم کیا۔

''یہ تو اخیر ہی کر دی تم نے کزن! یہاں تک تو گمان بھی نا گیا تھا میرا۔'' وہ وضاحت کر رہا تھا مگر الفاظ ڈھونڈنے مشکل ہو رہے تھے۔ دل ہی دل میں اسے بہت برا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اتنے جھنجٹ پالنے والے لوگوں میں سے نہیں تھا اور نا ہی یہ منصوبہ بندی اس نے کی تھی۔ زرمین کی وجہ سے وہ اس مشکل صورت حال میں پھنس گیا تھا اور اب اسے بات بنانی مشکل ہوگئی تھی۔

''جہاں تک بھی گیا تھا تمہارا گمان۔ وہاں تک بھی نہیں جانا چاہیے تھا۔ میری فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے کہیں بہتر اپنے بارے میں سوچ سکتی ہوں۔ ارے اگر تمہاری اس زرمین کو ایک بدھو مل سکتا ہے تو میں بھی ایسا کوئی نا کوئی بدھو ڈھونڈ ہی لوں گی۔ افیئر چلانا آج کل مشکل ہے کیا۔ بس ذرا اپنے مقام سے گرنا پڑتا ہے۔ ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونکنا پڑتی ہے۔ رات بہ رات کسی کی بکواس سن سن کر اپنا وقت برباد کرنا پڑتا ہے۔ اپنی سیلف ریسپیکٹ کو اپنے ہاتھوں قتل کرنا پڑتا ہے۔ اگر تم اور تمہاری زرمین یہ سب کر سکتے ہو تو کیا میں نہیں کر سکتی؟'' وہ بہت ناراضی کے عالم میں بول رہی تھی۔

''اب تم زیادتی کر رہی ہو سونیا!'' وہ بھی سنجیدہ ہوا تھا۔

''یہ بات تم اپنی اس گرل فرینڈ سے کہنا کیونکہ ابتدا اس نے کی تھی۔'' اس نے دو بدو جواب دیا۔

''زرمین نے؟'' وہ حیران ہوا

''اس نے کچھ کہا ہے تمہیں؟'' سونیا نے اس کے نام پر مزید شکل بگاڑی جیسے دل ہی دل میں کوئی گالی دینے والی ہو مگر پھر صبر کر لیا اور بولی۔

''اس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ تو پہلی بار مجھ سے ملی تھی۔ اس نے وہی باتیں کیں جو میرے متعلق تم اس سے کرتے رہے ہو۔ چار فٹ دس انچ۔ یہ تم نے ہی بتایا نا اسے۔'' التمش کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی مگر وہ کچھ بولا نہیں تھا جبکہ وہ خاموش ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

''میرے چھوٹے قد سے اتنے اوب سیسڈ ہو تم کہ اپنے فرینڈز تک سے یہ بات کرتے رہتے ہو۔ اتنا متاثر رہے ہو مجھ سے۔ اب میں کہوں کہ تم بھی پسند کرتے ہو مجھے۔ محبت کرتے ہو مجھ سے ورنہ دوستوں میں کزنز کی باتیں کون کرتا ہے۔ کوئی تو وجہ ہوگی اس دلچسپی کی؟'' وہ طعنہ دے رہی تھی۔ حیرانی والی بات یہ تھی کہ التمش کو ہنسی آ رہی تھی۔

''جذباتی لڑکی! ایسا کچھ نہیں ہے لیکن احتشام اچھا لڑکا ہے تو میں نے سوچا......'' سونیا نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

''تم نے نہیں۔ تمہاری گرل فرینڈ نے۔ یہ اس کی پلاننگ تھی اور اس نے یہ بات اپنے منہ سے بتائی ہے مجھے۔'' کپ میں دو تین سپ رہ گئے تھے۔ جذبات کی گرمی اور کافی کی ٹھنڈی تلخی نے سونیا کے چہرے کو گرم کر ڈالا تھا۔ التمش کے لیے اس کا یہ روپ بہت نیا تھا اور پھر یہ انکشاف کہ زرمین نے اسے اصل بات خود بتائی تھی اسے حیرانی میں مبتلا کر گئی۔

''اب یہ بات تم اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ اگر

تم، تمہاری زر مین افیئر چلا سکتے ہو تو میں بھی چلا سکتی ہوں۔ اگر تم لوگ اپنے لیے لائف پارٹنر خود تلاش کر سکتے ہو تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ تم لوگ اپنی مرضی سے شادی کر سکتے ہو تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ چیلنج کر کے تو دیکھو جس دن تمہاری شادی ہوگی نا اسی دن اپنی شادی کر کے دکھا دوں گی لیکن......"
اس نے رُک کر سانس لیا۔ موچا سے باقی بچ جانے والے مواد کو حلق میں انڈیلا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مزید بولی۔
"ماں باپ کے لحاظ کے سوا کچھ بھی ایسا نہیں ہے جو مجھے اس کام سے روکتا ہو لیکن میری اپنی سیلف ریسپیکٹ، میری ڈگنٹی اور میرے ماں باپ کا احترام۔ اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں میرے لیے۔ سو وہ کام جو میں خود کر سکتی ہوں لیکن نہیں کر رہی تو براہ مہربانی تم بھی میرے لیے مت کرو۔ اپنے ورتھی فرینڈز کو مجھ سے ملوا کر کسی بھی تھرڈ ریٹ افیئر کی ابتدا کرنے کو فضول کوششیں مت کرو کیونکہ تمہیں ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور پھر کیسے کہو گے۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔ سجتا ہے مجھ پر کیونکہ کسی کو ہرٹ کرنا کسی کو بھی نہیں سجتا۔ اب چاہے وہ بادشاہ التمش ہوں یا گنگو تیلی۔" اس نے بات مکمل کی تو جیسے سناٹا چھا گیا۔ التمش کو کبھی کسی نے ان الفاظ میں نہیں لتاڑا تھا لیکن چونکہ غلطی اسی کی تھی سو وہ چند لمحے اس کا چہرہ ہی دیکھتا رہا۔ کچھ بولنا چاہا لیکن پھر اسے لگا اس کی وضاحت بودی اور غیر ضروری ہے تو چپ ہی رہا۔
سونیا اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔ التمش پھر بھی کچھ نہیں بولا تو وہ آخری سیڑھی بھی اتر کر نیچے اتر گئی۔ اس لمحے التمش نے سُرعت سے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سونیا نے مڑ کر اسے دیکھا۔
"احتشام بُرا لڑکا نہیں ہے سونیا! اور میری نیت بھی......" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سونیا نے اپنے دوسرے ہاتھ کی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر کہا۔
"شش...... اس کے علاوہ کچھ کہنا ہے تو بولو۔" اس کے لہجے ہی نہیں انداز میں بھی دوٹوک قسم کی تنبیہہ تھی کہ اس متعلق کچھ نہیں سنے گی۔ التمش اس کا ہاتھ تھامے، اس کے سامنے آگیا اور اثبات میں سر ہلایا۔
"آئی لو یو۔" وہ مسکراتے ہوئے لاڈ بھرے لہجے میں بولا تھا جیسے ایک دوست دوسرے کو خوش ہو کر بلاوجہ کہہ دیتا ہے۔
"آئی لو یو ٹو۔" سونیا نے کافی کا خالی کپ اس کے ہاتھ میں مارنے والے انداز میں تھمایا اور مصنوعی ناراضی سے منہ ٹیڑھا کرتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

"ہاں۔ اب بتاؤ۔ خود سے بتاؤ گے یا چھینٹی لگاؤں؟" ماسٹر جی نے ان سب کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کیا تھا۔ آج ان کے چہرے پر خفگی ہی نہیں تھی بلکہ بے زاری بھی تھی جیسے اس سارے معاملے سے اکتا چکے ہوں اور نا چاہتے ہوئے اس موضوع پر بات کر رہے ہوں۔ وہ سب لائن بنا کر ان کے سامنے خاموش کھڑے تھے کیونکہ یہی فیصلہ ہوا تھا کہ ان کے استفسار پر ہمیشہ کی طرح انہیں کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیا جائے گا۔ ان کی خاموشی کو ان کی سازش سمجھ کر ماسٹر جی کا چہرہ مزید سُرخ ہوا تھا۔ انہوں نے چھڑی سمیت ہاتھ پشت پر باندھ کر ان کے سامنے چلنا شروع کر دیا تھا۔
"میں بس تین تک ہی گنوں گا۔ تین سے پہلے مجھے قصوروار کا نام پتا چل جانا چاہیے۔" انہوں نے آخری فیصلہ صادر کر دیا تھا۔ رب نواز نے ان سب کی جانب کن انکھیوں سے دیکھا۔ سب نے ہی اسے دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں حوصلہ دیا تھا۔
"ایک......" ماسٹر جی نے مسلسل چلتے ہوئے

کہا مگر کوئی ٹس سے مَس نا ہوا۔ انہوں نے پورے ایک منٹ کا وقفہ دے کر دوبارہ کہا تھا۔
''دو......'' وہ چپ ہوئے لیکن چلتے ہوئے مسلسل ایک ایک کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔
''مجھے تین گننے سے پہلے قصور وار کا نام چاہیے ورنہ......تم سب جانتے ہو کہ سزا دینے میں یہ ماسٹر بڑا ظالم ہے۔'' ان سب کو ٹس سے مَس ہوتا نا دیکھ کر ماسٹر جی نے ایک اور دھمکی دی تھی۔
''تی......ن......'' اِدھر مسٹر جی کے منہ سے عدد نکلا اُدھر سب نے ایک ساتھ کہا تھا۔
''رب نواز۔'' ماسٹر جی وہیں رُک گئے اور ایک قدم واپس چل کر رب نواز کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔
''کمینے......کتے دوست......سب کے سب میر جعفر! کہتے تھے اماں کے ہاتھ کے آلو کے پراٹھے کھلا دے تو سب ماسٹر جی کے سامنے مِل جُل کر بے عزتی سہہ جائیں گے۔ کسی ایک کا نام نہیں لیں گے۔ ذلیل لوگ...... یہ بڑا بڑا آلو کا پراٹھا بنوا کر لایا تھا اماں کے ہاتھ سے۔ مرجانے کھا پی گئے اور پھر بھی نام لے دیا میرا۔ بے غیرت۔'' وہ غرانے والے انداز میں بڑبڑا رہا تھا۔ ماسٹر جی نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی اس کی ٹانگوں پر رسید کی۔
''ایک تو غلطی کرتا ہے پھر گالیاں بھی بکتا ہے۔'' وہ سخت ناراضی کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔
''یہ ہیں ہی اسی قابل ماسٹر جی!'' اس نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ سب اب اسے چڑانے والے انداز میں دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے کہ اب آیا ہے اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ رب نواز کو ان کی اس غداری پر سخت افسوس ہو رہا تھا۔ سب کے سب اب سینہ تان کر کھڑے تھے جیسے کوئی جنگ جیت لی ہو۔
''میری کوئی غلطی نہیں ہے ماسٹر جی! میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ میڈم تہمینہ کی اسائنمنٹ مجھے مت دیا کریں۔ انہیں اللہ واسطے کا بیر ہے مجھ سے۔ بلاوجہ ڈانٹتی رہتی ہیں اور بات ایسے کرتی ہیں جیسے میں ان کا نوکر ہوں۔'' وہ ان کی جانب دیکھے بنا بولا تھا۔ وہ ان کو پہلے بھی شکایت لگا چکا تھا لیکن چونکہ ماسٹر جی نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ اس لیے اس بار اس کا لہجہ اتنا ٹھوس نہیں تھا۔
''نہیں تو، تُو ان کا نوکر نہیں ہے کیا۔ اوہ پائی! تُو نوکر ہی ہے۔'' ماسٹر جی کے بولنے سے پہلے طیب نے کہا تھا اور ساتھ ہی اسے زبان چڑائی تھی۔ وہ ماسٹر جی کے شاگردوں میں رب نواز کے بعد دوسرے نمبر پر آتا تھا اور ان کی آپس میں دوستی بھی بے حد تھی لیکن مقابلہ بازی بھی بہت ہوتی تھی۔
''خواہ مخواہ۔ تُو ہوگا نوکر۔ میں کیوں ہونے لگا نوکر......نوکر تو مجھے ماسٹر جی نے بھی کبھی نہیں کہا۔'' وہ ناک چڑھا کر بولا۔ ماسٹر نے ایک اور چھڑی اس کی ٹانگوں پر رسید کی۔
''یہ بات ہے بحث کرنے والی۔ اس بات پر لڑو گے اب تم۔ نانجار۔ بدتہذیب۔ نوکر ہوا یا خدمت گزار ہوا۔ ایک ہی بات ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ مزید شکایتیں نا آئیں مجھ تک۔ ہم یہاں بہنوں بیٹیوں کی خدمت گزاری کے لیے بیٹھے ہیں۔'' انہوں نے اتنا ہی کہا کہ وہ پھر بول پڑا۔
''آپ کی بہن ہوں گی میڈم تہمینہ! میں تو ایسی پھپھی بھی نا رکھوں۔'' اس کا یہ کہنا مزید جرم ہوگیا۔ ماسٹر جی کو اس کے مکمل جملے سے زیادہ لفظ ''بہن'' پر غصہ آیا تھا۔
''دیکھا، یہ تو لچھن ہیں اس کے۔ ایسے ہی ان کے سامنے بھی بات کرتا ہوگا تب ہی تو وہ اتنا ناراض ہوتی ہیں۔'' انہوں نے ایک اور چھڑی رسید کرنا چاہی لیکن اس بار وہ ذرا سا آگے ہو کر اپنے آپ کو بچا گیا۔

"ماسٹر جی! ماں قسم۔ میری غلطی کوئی نہیں ہوتی۔ وہ خود مصیبتوں کا پہاڑ ہیں۔ ان کا رولا (واویلہ) ہی ختم نہیں ہوتا۔ مجھے انہوں نے بولا کہ پٹیالہ شلوار کے ساتھ اونچی قمیص بنادو حالانکہ وہ ان پر ذرا بھی نہیں جچنی تھی لیکن میں نے کچھ نہیں کہا کیونکہ مجھے پتا تھا پھر بھی آپ نے مجھے ہی ڈانٹنا ہے۔ سو میں نے بنادی۔ اب میرا کیا قصور کہ جیسی انہوں نے بنوائی تھی۔ رزلٹ ویسا نہیں آیا۔ انوشکا شرما کی تصویر اور رضائی کے غلاف جتنا کپڑا لائی تھیں ساتھ یعنی چھوٹی سوزوکی کو دیکھ کر ٹرک کی تصویر بنانے جیسی اسائنمنٹ ملی تھی مجھے۔ کام سے گھبراتا ہوتا تو اسی وقت انکار کردیتا ماسٹر جی! لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ سب کچھ ویسا ہی کیا جیسا وہ حکم دے گئی تھیں۔ ماپ بھی میں نے پورا وہی لیا تھا جو انہوں نے دیا۔ اب نہیں جچ رہی ان پر پٹیالہ شلوار تو میرا قصور ہوگیا اور وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ماپ ٹھیک نہیں لیا۔ انچی ٹیپ سے لیا ہوتا تو یہ نا ہوتا۔" وہ زچ ہوکر کہہ رہا تھا۔

"ماسٹر جی! میں تو کہتا ہوں جتی لالو (جوتی اتارلو)۔ یہ اس کے بغیر نہیں سدھرنے والا۔" ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر طیب نے مزید لقمہ دیا تھا۔ رَب نواز نے اس کی کمر میں زور سے کہنی ماری پھر ماسٹر جی کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"مجھ سے نہیں ہوتا ماسٹر جی! آپ ان کی اسائنمنٹ کسی اور کو دے دیا کریں۔ وہ بات بات پر میری بے عزتی کرتی ہیں۔ گالیاں بھی دیتی ہیں۔ ہر بات میں کہہ دیتی ہیں۔ ماسٹر جی نے کمی کمین رکھ لیے ہیں اپنے یہاں۔ کبھی کہتی ہیں تم جیسے ہوتے ہی نیچ نسل کے ہو جو کام پورا نہیں کرتے۔ اماں کی قسم ماسٹر جی! میں جان بوجھ کر نہیں کرتا غلطیاں لیکن مجھ سے ان کا ہر حکم بھی نہیں مانا جاتا۔ کہتی ہیں انچی ٹیپ سے ناپ لو میرا۔ مجھے شرم آتی ہے ماسٹر جی! آپ کو پتا ہے یہ کام میں نہیں کرسکتا۔ یہ بہنوں بیٹیوں کی خدمت ہے تو مجھے معاف کریں۔ مجھ سے نہیں ہوتی ایسی خدمت۔ آپ کترنوں کی صفائی اور بٹن کاج والے کام مجھے دے دیں۔ باقی ان کم بختوں سے کروالیا کریں۔" اس نے دوٹوک انکار کردیا تھا۔ ماسٹر جی اس کا چہرہ ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ باقاعدہ کسی اسکول سے نہیں پڑھا تھا لیکن حافظِ قرآن تھا۔ چار سال پہلے اس کی اماں اسے ان کی دکان پر چھوڑ گئی تھی کہ اسے کام سکھادیں تاکہ وہ اپنی دکان بنا سکے۔ اس کے ہاتھ میں بڑی صفائی تھی۔ سلائی میں تو وہ بہت جلدی ماہر ہوگیا تھا لیکن کٹائی میں بھی اس نے ان کے باقی سب شاگردوں کو مات دیتے ہوئے بڑی جلدی اپنی جگہ بنالی تھی اسی لیے ماسٹر جی نے اسے اپنی ہی دکان پر مستقل ملازم رکھ لیا تھا لیکن شرط اس کی شروع دن سے ایک ہی تھی کہ وہ کسی خاتون کا براہ راست ماپ نہیں لے گا۔ وہ کسٹمر خاتون کے کپڑوں سے ماپ لے کر اپنا کام مکمل کرتا تھا اور عموماً کسی کو اس سے شکایت نہیں ہوتی تھی۔ یہ واحد میڈم تہمینہ ہی تھیں، جن کی کچھ عرصہ سے مسلسل شکایتیں آنے لگی تھیں۔ وہ بھی اپنی جگہ درست تھا لیکن ماسٹر جی میڈم تہمینہ کو بھی ناراض نہیں کرسکتے تھے اس لیے شش و پنج میں گھر گئے تھے۔

"ماسٹر جی! چھتر (چپل) لے کر آؤں؟" طیب نے پھرتابعداری کا اعلا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔ رَب نواز کی اتنی تقریر کے بعد سب کو نظر آرہا تھا کہ آج اچھا شغل لگنے والا ہے۔

اوئے...... تجھے بوتی (زیادہ) جلدی ہے۔" ماسٹر جی نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی طیب کی ٹانگوں پر رسید کی تھی۔ وہ چونکہ تیار نہیں تھا اس لیے یہ ضرب کافی شدید ثابت ہوئی تھی۔ وہ بلبلا اٹھا۔

"چلو۔ لگو کام سے۔ میں یہ معاملہ کسی اور

طریقے سے حل کروں گا اب نکلو سب۔" ماسٹر جی نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ سوچ کا گہرا جال ان کے چہرے کا احاطہ کر رہا تھا۔ رب نواز نے طیب کی کندھے پر زوردار مکا جڑتے ہوئے سب سے پہلے جگہ چھوڑی تھی۔

☆☆☆

یہ چند دن بعد کی بات تھی۔ سونیا اور التمش کی ایک لمبی میٹنگ ہوئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ باقی کے معاملات سونیا اور مہارانی جودھا بائی مل کر طے کریں گی، سو سونیا نے ایک دن صبح کو ان دونوں کے گھر سے چلے جانے کے بعد ماحول بنا کر ان سے کہا تھا۔

"ممانی جان! مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔" وہ دال چاول بنا رہی تھیں۔ چاول دَم پر رکھ دیے تھے اور دال کو بگھار لگانے کے لیے گرم تیل میں پیاز سُرخ کر رہی تھیں۔ سونیا نے کیبنٹ کھول کر گرم مسالا اور سرخ ثابت گول مرچیں پلیٹ میں نکالنی شروع کر دی تھیں۔ وہ ان کی بہت عزت کرتی تھی اور ان کی محبت کا دَم بھی بھرتی تھی اسی لیے وہ جو بات کرنے والی تھی، ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کر نہیں پا رہی تھی۔ انہوں نے فرائنگ پین کا دستہ پکڑ کر اسے زور سے ہلایا تھا تاکہ جو پیاز کناروں پر رہ گیا تھا وہ درمیان میں آجائے کیونکہ کناروں والا پیاز درمیان میں موجود پیاز کی نسبت جلدی سُرخ ہوتا جا رہا تھا۔

"ہاں بولو...... کیا ہو گیا۔ التمش نے کچھ کہا؟" اس کے لہجے کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ممکنہ اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ سونیا نے آگے بڑھ کر وہ مرچیں فرائنگ پین میں ڈال دیں۔ ہلکی سی سڑ ڑ سڑ ڑ کی آواز نے دھویں کے مرغولوں کو بھی جنم دے ڈالا تھا۔

"ممانی جان! میں التمش سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے ان کی جانب دیکھے بنا کہہ ڈالا تھا۔ مہناز بیگم نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ فرائنگ پین اٹھا کر دال والی پتیلی میں انڈیلنے والی تھیں۔ اس کی بات سن کر انہوں نے فرائنگ پین پتیلی میں خالی کر دیا تھا۔ پہلے سے زیادہ آواز بلند ہوئی تھی۔ دھویں کی وجہ سے مہناز بیگم کی آنکھوں میں جلن سی لگ گئی۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ ہمارے مزاج، سوچ اور شوق ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ محاورتاً نہیں حقیقتاً میں مشرق ہوں تو وہ مغرب۔ ہماری ساری زندگی بھی نہیں سکتی۔" وہ بمشکل لفظ لفظ جوڑ کر مناسب جملہ ترتیب دے رہی تھی۔ ایسی بات اپنی ہی ہونے والی ساس سے کرنا آسان نہیں تھا۔ ان کا چہرہ بالکل سپاٹ ہو گیا تھا جیسے کہنے کو ایک لفظ نا بچا ہو۔ انہوں نے گہری ناراضی سے بھری ہوئی سانس لی

"تمہیں التمش نے کچھ کہا۔ بتاؤ مجھے۔ اس نے کوئی بات کی ہے؟" وہ بے حد خفا لگنے لگی تھیں۔ ان کی امیدیں جیسے ایک دَم سے دَم توڑ گئی تھیں۔ التمش اور سونیا کی دوستی کا وہ نتیجہ تو نہیں نکلا تھا جو وہ توقع کر رہی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان انسیت نے ایک نیا ہی گل کھلا دیا تھا۔ انہیں یقین تھا التمش نے ہی سونیا سے کچھ کہا تھا۔

"نہیں۔ اس نے کچھ نہیں کہا اور پلیز آپ ناراض مت ہوں۔ بس تحمل سے مجھے بات مکمل کر لینے دیں۔" اس نے التجا کی۔ مہناز بیگم نے اس کا چہرہ دیکھا۔ پہلی بار انہیں اس کا خوب صورت چہرہ خوب صورت نہ لگا تھا۔

"شادی کرنا مشکل نہیں ہوتا ممانی جان! شادی نباہنا مشکل ہوتا ہے۔ بے جوڑ شادی ہو جایا کرتی ہے لیکن ایسی شادی قائم رکھنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ میری اور التمش کی شادی ہو بھی گئی تو زیادہ دیر چل نہیں پائے گی کیونکہ یہ ایک بے جوڑ شادی

ہوگی۔ میں جانتی ہوں آپ، میری بہنیں، میری امی سب مل جل کر ہم دونوں کو ایک کڑی میں جوڑنے کے لیے ان تھک محنت کر رہے ہیں۔ امی نا چاہتے ہوئے بھی بیٹی کے گھر جا کر رہ رہی ہیں۔ آپ اتنے دن سے مجھے برداشت کر رہی ہیں اور پھر مجھے نظر آتا ہے کہ آپ التمش کو آمادہ کرنے کی اور میری امی مجھے رضامند کرنے کی لاتعداد کوششیں کر رہی ہیں لیکن...... سب بے فائدہ ہے۔ ہماری شادی ہو بھی گئی تو کامیاب نہیں ہوگی۔'' اس نے درمیان میں سانس لینے کو لمحہ بھر کا توقف کیا تو وہ بولیں۔

''سونیا! یہ کیوں کہہ رہی ہو تم۔ کچھ نہیں جانتی تم۔ زندگی کی باتیں سنی ہیں تم نے۔ ہم بزرگوں نے اسے برت لیا ہے۔ ہم تم لوگوں کے لیے غلط فیصلہ تھوڑی کریں گے۔ تم لوگ ابھی بچے ہو۔ تم بھی اور التمش بھی۔ تم لوگ وہ نہیں دیکھ رہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ جو ہمیں نظر آ رہا ہے نا۔ وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہے۔ ہاں ٹھیک ہے ہم سب اس شادی کو کروانے کے لیے سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں لیکن یقین مانو۔ کامیاب شادیاں وہی ہوتی ہیں جو منصوبہ بندی سے کروائی جاتی ہیں۔ لڑکی کو لڑکے کے لیے اور لڑکے کو لڑکی کے لیے باقاعدہ رضامند کیا جاتا ہے۔ جن شادیوں کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں۔ وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔۔۔ وہ شادیاں جن کی ابتدا میں ہی اندھی قسم کا عشق ومعاشقہ انوالو ہو۔ فلمی قسم کا پیار محبت ہو۔ وہ شادیاں زیادہ کامیاب نہیں ہوتیں۔ شادی سے پہلے ہی جینے مرنے کے وعدوں اور قسموں والی شادیاں تو پانی کا بلبلا ثابت ہوتی ہیں۔ بے رنگ، بے بو پانی کا بلبلا جبکہ تمہاری اور التمش کی شادی ایسی نہیں ہوگی۔ اس لیے تم اس بات کی پروا چھوڑ دو کہ یہ شادی کامیاب نہیں ہوگی۔'' وہ کتنے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔ سونیا نے لاچاری سے ان کی جانب دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ بہت مصیبت میں پھنس گئی تھی مگر بولنا بھی ضروری تھا۔

''میں التمش کو پسند نہیں کرتی ممانی جان!'' اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ تڑپ کر بولیں۔

''تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟''

سونیا نے ایک بار پھر ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ یکدم جیسے بجھ سی گئی تھیں۔ وہ اسے سمجھاتے ہوئے کتنی پرامید لگ رہی تھیں کہ جیسے وہ ان کی بات سمجھ ہی جائے گی۔ اپنے دلائل سے زیادہ جیسے انہیں اس کی امی کی تربیت پر بھروسا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں التمش کو دو چار گالیاں دی تھیں جس نے یہ بات کرنے کی ذمہ داری اسے سونپی تھی۔

''میں انہیں کبھی کونس نہیں کر پاؤں گا۔ تمہاری بات کو وہ میری بات سے زیادہ اہمیت دیں گی۔ تمہارا کہا پتھر پر لکیر ثابت ہوگا۔ تمہارا انکار تابوت کے آخری کیل والا کام کرے گا۔'' اس نے جانے کیا کچھ کہہ کر اسے مہناز بیگم سے بات کرنے کا حوصلہ دیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ان سے بات کرنے کی ہمت تو کر بیٹھی تھی اور التمش کو زبان بھی دے ڈالی تھی کہ آج وہ انہیں ہر طور منا کر دم لے گی چاہے کچھ بھی ہو جائے لیکن ان کا چہرہ دیکھ کر اس کا حوصلہ اور دلائل ختم ہوئے جا رہے تھے۔ وہ چند لمحے تو تذبذب کے عالم میں انہیں دیکھتی رہی پھر جیسے اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب آر یا پار بات تو کرنی ہی پڑے گی۔

''جی......!'' اس نے کہہ ڈالا تھا۔

☆☆☆

''یہ زرمین ہے۔'' التمش نے ماسٹر جی کو اس کی جانب اشارہ کر کے بتایا تھا۔ وہ مشرقی بہو کی طرح آج پہلی بار شلوار قمیص اور دوپٹا پہنے سامنے آئی تھی۔ بال پونی کی شکل میں باندھ رکھے تھے اور میک اپ کے نام پر بس آج تو میک اپ، میک اپ والی لک کو ترجیح دی گئی تھی۔ وہ خوب صورت تو تھی ہی لیکن چونکہ آج خوشی کے مارے ہواؤں میں

اُڑ رہی تھی تو مزید بج رہی تھی۔ التمش کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ خوشبوؤں میں بسا بسایا آج وہ پہلی مرتبہ زرمین کے گھر آیا تھا۔ اس کا حال ایسا تھا کہ شادی سے پہلے ہی خود کو دولہا تصور کر رہا تھا۔ خوشی اور طمانیت سارے وجود سے چھلک ہی رہی تھی۔
سونیا بھی ان کے ساتھ ہی آئی تھی۔ زرمین نے گھر کے گیٹ پر ملازموں کے بجائے خود ان کا استقبال کیا تھا جو کہ پہلے اس نے کبھی کسی مہمان کی خاطر نہیں کیا تھا۔ مہناز بیگم تو سلام کا جواب دے کر ذرا سا اندر کی جانب ہو گئیں لیکن ماسٹر جی نے وہیں گیٹ پر کھڑے ہو کر اس کے سر پر پیار دیا تھا۔ انہیں اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا۔
''آپ...... ماسٹر جی ہیں؟'' زرمین نے پوچھا تھا۔ ماسٹر جی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ انہیں محسوس ہوا تھا کہ جیسے زرمین ان کو دیکھ کر کچھ حیران سی ہو گئی تھی۔
''زرمین! یہ میری امی ہیں اور یہ سونیا! میری کزن۔'' التمش نے ماں باپ کے سامنے جان بوجھ کر ان دونوں کو دوبارہ متعارف کروایا تھا۔
زرمین نے سر ہلایا اور پھر وہ ان کی رہنمائی کرتی ہوئی انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔ ان کا گھر بے حد کشادہ، خوب صورت اور عالی شان تھا۔
زرمین نے صبح اپنی موجودگی میں سارا ڈرائنگ روم اچھی طرح سے صاف کروایا تھا۔ ان کی خاطر چائے کے وہ برتن نکلوائے تھے جو اس کی ممی بہت ہی خاص مہمانوں کی آمد پر نکلواتی تھیں۔ یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن مہمانوں کو دیکھ کر اس کا سارا وجود ہل سا گیا تھا۔ اسے اپنے چاروں اطراف کچھ سائرن بجتے محسوس ہو رہے تھے جنہیں فی الوقت وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی۔
''زرمین! کہاں ہو۔ مجھے بھی تو...... مل...... واؤ...... مہما...... نوں سے۔'' تہمینہ بیگم بڑی نزاکت سے معنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اندر داخل ہوئی تھیں اور پھر ماسٹر جی کو دیکھ کر جیسے اپنی جگہ پر جم سی گئی تھیں۔ الفاظ بھی بمشکل ادا ہوئے تھے منہ سے۔ چہرے سے مسکراہٹ غائب ہی ہو گئی۔ انہوں نے ایک نظر بیٹی کے چہرے کی جانب دیکھا اور دوسری نظر دوبارہ ماسٹر جی پر ڈالی تھی۔ انہیں سمجھ بھی میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کس طرح پیش آنا چاہیے۔
''ماسٹر غلام حسین۔ آپ...... یہ بچہ...... آپ کا؟''
انہوں نے ڈرائنگ روم کے بیچوں بیچ آ کر پوچھا تھا۔ وہ اداکاری نہیں کر رہی تھیں۔ ان سے واقعی بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ ایک نظر بیٹی کو دیکھتی تھیں اور دوسری نظر زرمین کو۔ جو خود بھی کچھ پریشان کھڑی تھی۔ اس نے بھی ماسٹر جی کو پہچان لیا تھا۔ اگرچہ بہت عرصہ سے ان کی دکان پر نہیں گئی تھی کہ اب ریڈی میڈ کا دور تھا لیکن بچپن سے اپنے کپڑوں کی سلائی اور آلٹریشن کے لیے ان کی دکان پر آنا جانا رہا تھا۔ یہ تو ان کے خاندانی درزی تھے...... درزی...... التمش کے والد...... ماسٹر جی...... ماسٹر جی یعنی درزی۔ وہ تو بس ہکابکا رہ گئی تھی۔
''جی...... جی...... میڈم...... یہ بیٹا ہے میرا...... التمش غلام حسین......!'' ماسٹر جی نے فخر سے اس کا پورا نام لیا تھا۔

☆☆☆

اس دن ہمارے ساتھ جو ہوا۔ اللہ کسی دشمن کے ساتھ بھی نا کرے۔ میڈم تہمینہ میری ہونے والی سمدھن کے روپ میں سامنے آ کھڑی تو ہوئی تھیں لیکن دل اس صورت حال کو قبول نا کر پا رہا تھا۔
اب یہاں میرا پانی کا ایک گلاس پینا لازم ہے ورنہ میں یہ قصہ آپ کے سامنے مکمل نا کر سکوں گا۔ میرا سانس بھی اُکھڑ سکتا ہے۔ میں ذرا پانی پی کر آتا ہوں۔ آپ بھی حوصلے سے انتظار کیجیے۔

☆☆

باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ



القرآن

☆ اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا، اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں) اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطہ سے اور ڈرو رحموں (کے قطع کرنے سے) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔ (سورۃ النساء:۱)

☆ اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ پورا پورا انصاف کرو، اپنی بیویوں کے درمیان اگرچہ تم اس کے بڑے خواہش مند بھی ہوتے ہو، نہ کرو کہ جھک جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل اور چھوڑ دو دوسری کو جیسے وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو اور اگر تم درست کرلو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ (سورۃ النسا 129)

احادیث نبویؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''عورت پسلی کی ہڈی کی طرح اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو تم اسے توڑ دو گے (یعنی جدائی کی نوبت آپہنچے گی) اور تم عورت سے فائدہ اٹھانا چاہو تو تمہیں اس کا ٹیڑھا پن برداشت کرتے ہوئے اس کی خوبیوں سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔''
(صحیح بخاری 5184)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''ایک دینار وہ ہے جو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جس کے ذریعے تم نے کوئی غلام آزاد کیا، ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی مسکین کو صدقہ کے طور پر دے دیا اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنی بیوی پر خرچ کیا، ان میں سے زیادہ ثواب اس دینار پر ملے گا جو تم نے اپنی بیوی پر خرچ کیا۔''
(مسلم)

انمول موتی

☆ کسی کو دکھ دینے والا کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

☆ کسی کی بے بسی پہ مت ہنسو، کل یہ وقت تم پر بھی آسکتا ہے۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

☆ کسی کی آنکھ تمہاری وجہ سے نم نہ ہو کیونکہ تمہیں اس کے ہر آنسو کا قرض چکانا ہوگا۔ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

☆ مظلوم اور نمازی کی آہ سے ڈرو کیونکہ آہ کسی کی بھی ہو عرش کو چیر کر اللہ کے پاس جاتی ہے (حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

ثنا شہزاد...... کراچی

غیبت کرنے والا

ارسطو سے کسی نے کہا۔ ''میں نے ایک معتبر آدمی سے تمہارے بارے میں غلط باتیں سنی ہیں۔''
ارسطو نے جواب دیا۔ ''غیبت کرنے والا معتبر کیسے ہوگیا؟''

عائشہ ضیاء...... ضلع ملتان

دیس دیس کی کہاوتیں

♥ نکما کاریگر ہی اپنے اوزاروں کو برا بھلا کہتا ہے (چینی کہاوت)۔

♥ زندگی بہترین استاد ہے لیکن اس کی فیس بہت بھاری ہے (فرانسیسی کہاوت)۔

♥ گھوڑے کی چار ٹانگیں ہوتی ہیں لیکن کبھی

وہ بھی گر جاتا ہے (زولو کہاوت)۔

♥ آزادی کی تکلیف، غلامی کے آرام سے بہتر ہے (عربی کہاوت)۔

♥ کامل شخص کے پاس وقت نہیں ہوتا (اطالوی کہاوت)۔

کنول شاہین ..... تلہ گنگ

وارث شاہ

ربا میرے حال دا محرم توں
اندر توں ہیں، باہر توں ہیں، روم روم وچ توں
توں ہیں تانا، توں ہیں بانا، سبھ کچھ میرا توں
کہے حسین فقیر نمانان، میں ناہیں سب ہیں تو

فوزیہ ثمر بٹ ..... گجرات

کہاں دفن ہیں

- حضرت آدم علیہ السلام ..... سری لنکا میں۔
- حضرت نوح علیہ السلام ..... جورڈن میں۔
- حضرت ہود علیہ السلام ..... یمن میں۔
- حضرت صالح علیہ السلام ..... لبنان میں۔
- حضرت لوط علیہ السلام ..... عراق میں۔
- حضرت اسحاق علیہ السلام ..... فلسطین میں۔
- حضرت یوسف علیہ السلام ..... فلسطین میں۔
- حضرت شعیب علیہ السلام ..... سیریا میں۔
- حضرت اسماعیل علیہ السلام ..... سعودی عرب میں۔
- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ..... سعودی عرب میں۔

مال سبز باغ ہے

حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ طلب کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرما دیا پھر کسی موقع پر کچھ مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عطا کر دیا۔ تیسری مرتبہ پھر سوال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عطا کیا لیکن ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا۔

"حکیم مال سبز باغ (دھوکا) ہے۔ ظاہر میں بڑی میٹھی چیز لیکن اس کا دستور یہ ہے کہ اگر دل کی غنی ہونے کے ساتھ ساتھ ملے تو اس میں برکت ہوتی ہے۔ اگر دل کے لالچ کے ساتھ ملے تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ آدمی کا حال ایسا ہو جاتا ہے، جیسے ہر وقت کھائے اور پیٹ نہ بھرے۔"

یہ بات سن کر حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نہیں ستاؤں گا۔"

افشاں سمیع ..... کراچی

آنکھیں

آنکھیں ..... تین قسم کی ہوتی ہیں۔

۱) جسمانی آنکھیں ..... یہ انسان اور حیوان دونوں کے پاس حاصل ہے، ان کا کام صرف دیکھنا ہے۔

۲) عقلی آنکھیں ..... یہ صرف انسانوں کے لیے مخصوص ہے اور اسے صرف بصیرت دیتی ہے۔

۳) روحانی آنکھیں ..... یہ آنکھیں صرف خدا پرستوں کو ملتی ہیں۔ یہ دنیاوی اشیاء کی ماہیت کو واضح طور پر آنکھوں کے سامنے لانے کے علاوہ عالم بالا کا بھی نظارہ کراتی ہیں۔

(افلاطون)

تبسم بشیر حسین ..... ڈنگہ

بیوی کا فون

دفتر میں کام کرتے ہوئے ایک صاحب کا موبائل چوری ہو گیا۔ دن بھر کام کے بعد جوں ہی گھر پہنچا تو دیکھا کہ گھر میں ساس اور سسر اپنی بیٹی کا سامان پیک کیے ان کے منتظر تھے۔ بیگم اور ساس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ تھیں اور سسر کے چہرے پر نفرت کی لکیریں تھیں۔

"کہاں لے کر جا رہے ہیں میری بیوی کو؟ خیریت تو ہے؟" انہوں نے کچھ نہ سمجھتے والے انداز میں دریافت کیا تو سسر نے آگے بڑھ کر ان کی بیوی کا موبائل ان کے سامنے کر دیا۔ "میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں" بیوی کو ان کے نمبر سے میسج آیا تھا۔ میسج دیکھ کر صاحب نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بتایا

کہ ان کا موبائل فون صبح سے چوری ہو گیا تھا۔

ان کی بیگم اپنی ماں سے لپٹ کر رونے لگیں اور سسر صاحب نے اپنی ٹانگیں بیٹھے بیٹھے دراز کر لیں۔

لیکن انہوں نے الجھن کی وجہ سے اپنا نمبر ڈائل کیا تو چور نے فون اٹھایا، صاحب چھوٹتے ہی پھٹ پڑے۔

"کمینے انسان! فون چرایا تو چرایا...... میری بیوی کو طلاق دینے کا حق تمہیں کس نے دیا ہے؟"

چور نے اطمینان سے ان کی بات سنی اور کہنے لگا۔

"دیکھیے صاحب! صبح...... جب سے آپ کا فون چرایا ہے، مجھے آپ کی بیوی کے چھتیس میسج موصول ہو چکے ہیں، کہاں ہو، کیا کر رہے ہو؟ کب آؤ گے؟ آتے ہوئے یہ لے آنا اور ہاں یہ بھی...... جلدی آنا...... دیکھو فلاں فلاں چیز ختم ہو گئی ہے۔ میں پاگل ہو گیا تب میں نے طلاق بھیج دی اور میری جان چھوٹی۔"

حنا کرن...... پتوکی

حضرت محمد ﷺ اغیار کی نظر میں

* میں نے اس عظیم ہستی کا مطالعہ کیا ہے ان کی شخصیت حیران کن ہے۔ میری رائے میں محمد کو انسانیت کا نجات دہندہ ماننا چاہیے (برناڈ شاہ)۔

* محمد کا پیغام فطرت کے دل سے براہ راست آغاز ہے۔ اس کے مقابلے میں باقی جو کچھ بھی ہے وہ ہوا سے بھی ہلکا ہے (تھامس کارلائل)۔

* محمد کی عظمت دیکھیے کہ انہوں نے ایک جہان کو بدل ڈالا لیکن اپنے مثالی طرز حیات اور طرز زندگی کو نہیں بدلا، وہی رکھا (آر سی بوڈلے)۔

* محمد ایک انسان، دیانت اور وفا کا پیکر تھے۔ نہ صرف عمل کا سچا بلکہ قول اور فکر میں بھی کھرا۔ ان کی بات ایسی بات ہے جو کہنے کے لائق اور سننے کے قابل ہے (تھامس کارلائل)۔

جناب محمد کی دردمندی کا دائرہ صرف انسانوں ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ انہوں نے جانوروں پر بھی ظلم و ستم توڑنے کو بہت برا کہا ہے (ایس مارگولیتھ)۔

(ماہنامہ الاحسن) صدف سمیع...... کراچی

اشفاق کہتے ہیں

سورج جب چمکنے لگتا ہے تو بڑی روشنی ہوتی ہے۔ دن چڑھ آتا ہے، دھوپ پھیلتی ہے، حدت ہوتی ہے، تپش ہوتی لیکن یہ پھیلی ہوئی گرمی جلاتی نہیں آگ نہیں لگاتی اور جب یہ روشنی یہ دھوپ ایک نقطے پر مرکوز ہوتی ہے تو آگ لگتی ہے، کاغذ جل اٹھتا ہے۔ اصل میں سارا راز ایک نقطے پر مرکوز ہونے میں ہے، خواہش ہو، ارادہ ہو، دعا ہو یہ ساری کی ساری ہماری دل کی صورتیں ہیں۔ نیم رضا...... نیم جاں...... ارادے کی صورت، لیکن جب تک ہمارے ارادے کی تپش کسی مرکز پر فوکس نہیں ہوتی وہ جلا نہیں سکے گی، بھڑک نہیں سکے گی۔

(من چلے کا سودا)

سعد وحیدی سعدی...... اسلام آباد

قرآن کریم کا ریاضیاتی معجزہ

❖ لفظ "دنیا" اور "آخرت" دونوں مساوی طور پر 115 دفعہ ہی دہرائے گئے ہیں۔

❖ لفظ "شیطان" 88 مرتبہ، لفظ "ملائکہ" یعنی فرشتے کو 68 دفعہ ہی دہرایا گیا ہے۔

❖ لفظ "ایمان" 25 دفعہ اور لفظ "کفر" بھی اتنی مرتبہ ہی استعمال ہوا ہے۔

❖ لفظ "جنت" اور "جہنم" یکساں تعداد میں یعنی 77 مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔

❖ لفظ "منفعہ" یعنی فائدہ اور اس کے متضاد لفظ "خسران" یعنی خسارہ کو بھی یکساں طور پر 50,50 مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

چاند

اسے میں نے دیکھ
تو سوچا
کہ اب چاند نے
اپنے سورج سے
لو مانگنا چھوڑ دی ہے

(احمد ندیم قاسمی)

☆☆ صائمہ سحر...... فیصل آباد

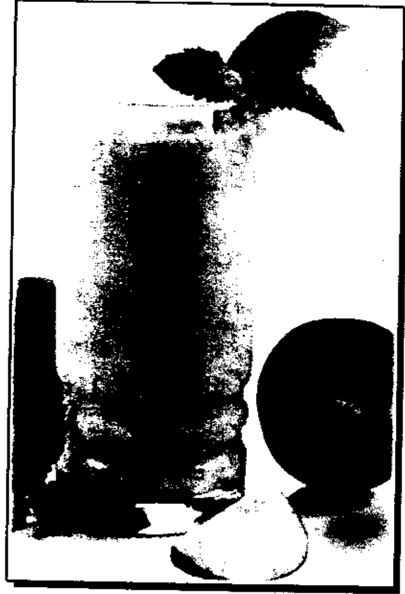
خوبانی کے ذائقے

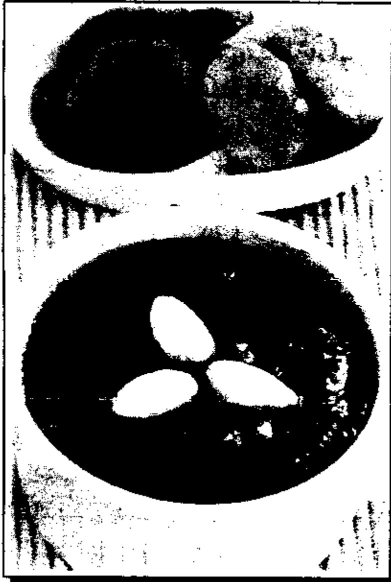
نگارہ جیلانی

خوبانی کا حلوہ

اشیاء:

خوبانی (خشک)	1 کلو
اسفنج کیک	1 کپ (چورا کیا ہوا)
الائچی پاؤڈر	1 چٹکی
عرق گلاب	2 قطرے
چینی	1 کپ
کھویا	150 گرام
پستے	5 گرام





دہی اور خوبانی کی اسموتھی

اشیاء:

تازہ خوبانی	چھ یا آٹھ عدد
دہی (لوفیٹ)	تین چوتھائی کپ
شہد	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

خوبانی کے بیج نکل کر ان کو باریک چوپ کر لیں، بلینڈر میں دہی، خوبانی اور شہد ڈال کر ہائی اسپیڈ پر اتنی دیر چلائیں کہ ہموار اسموتھی تیار ہو جائے۔ تیار ہونے کے بعد (ٹھنڈا یا نارمل) فوراً سرو کریں۔

بادام 5 گرام
اخروٹ 5 گرام
چاندی کے ورق 2عدد
گھی 1 کپ

ترکیب:

خوبانیوں کو پانی میں بھگو کر آدھا گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ خیال رہے کہ خوبانیاں بہت نرم نہ ہونے پائیں، آدھے گھنٹے کے بعد خوبانیوں کو نکال کر بیج علیحدہ کرلیں، بھاری پیندے والے سوس پین میں گھی گرم کر کے خوبانیاں ڈال کر دھیمی آنچ پر پکائیں، خوبانیوں کا رنگ سنہری ہو جائے تو اس میں چینی اور کھویا ڈال دیں، چمچہ چلاتی رہیں۔ اس کے بعد کیک کا چورا، الائچی پاؤڈر اور عرق گلاب شامل کر کے چند منٹ تک پکانے کے بعد چولہے سے اتارلیں۔ حلوے کو پستے، بادام، اخروٹ اور چاندی کے ورق سے گارنش کر کے ٹھنڈا یا گرم سرو کریں۔

خوبانی کا جام

اشیاء:

خوبانی (تازہ) 500 گرام
چینی 250 گرام
لیموں (رس نکال لیں) 1عدد

ترکیب:

خوبانیوں کو دو ٹکڑے کر کے بیج نکال لیں۔ سوس پین میں خوبانی اور چینی ڈالیں اور لیموں کا رس چھڑک کر مکس کر کے 4 گھنٹے کے لیے ڈھک کر رکھ دیں۔ خوبانیاں نرم ہو جائیں تو دھیمی آنچ پر پکائیں۔ چینی مکمل طور پر گھل جائے تو آگ تیز کر کے 25-20 منٹ یا اتنی دیر تک پکائیں کہ آمیزہ گاڑھا ہو جائے۔ آمیزہ ہموار اور یکساں شکل اختیار کرلے تو چولہے سے اتار کر ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہونے کی بعد ایئر ٹائٹ جار میں ڈال کر ریفریجریٹر میں محفوظ کرلیں۔

☆☆





صائمہ سحر، کی ڈائری میں تحریر

احمد فراز کی غزل

چاند اور میں،

چاند سے میں نے کہا اے میری راتوں کے رفیق
تو کہ سرگشتہ و تنہا تھا سدا میری طرح

اپنے سینے میں چھپائے ہوئے لاکھوں گھاؤ
تو دکھاوے کے لیے ہنستا رہا میری طرح

ضوفشاں حسن تیرا میرے ہنر کی صورت
اور مقدر میں اندھیرے کی ردا میری طرح

وہی تقدیر تیری میری زمین کی گردش
وہی افلاک کا نخچیر جفا میری طرح

تیرے منظر بھی ہیں ویران میرے خوابوں جیسے
تیرے قدموں میں بھی زنجیر وفا میری طرح

وہی صحرائے شب زیست میں تنہا سفری
وہی ویرانہ جاں دشت و بلا میری طرح

آج کیوں میری رفاقت بھی گراں ہے تجھ کو
تو کبھی اتنا بھی افسردہ نہ تھا میری طرح

چاند نے مجھ سے کہا! اے میرے پاگل شاعر
تو کہ محرم ہے میرے قریہ تنہائی کا

[illegible]
مجھ کو حاصل ہے شرف تیری شناسائی کا

موجزن ہے میرے اطراف میں اک بحر سکوت
اور چرچا ہے فضا میں تیری گویائی کا

آج کی شب میرے سینے پہ وہ قابل اترا
جس کی گردن پہ دمکتا ہے لہو بھائی کا

میرے دامن میں نہ ہیرے ہیں نہ سونا چاندی
اور بجز اس کے نہیں شوق تنہائی کا

مجھ کو دکھ ہے نہ لے جائیں یہ دنیا والے
میری دنیا ہے خزانہ میری تنہائی کا

عالشہ جنجوعہ، کی ڈائری میں تحریر

محسن نقوی کی غزل

آوارگی میں محسن اس کو بھی ہنر جانا
اقرارِ وفا کرنا پھر اس سے مکر جانا

جب خواب نہیں کوئی کیا زندگی کا کرنا
ہر صبح کو جی اٹھنا ہر شام کو مر جانا

شب بھر کا ٹھکانا تو اک چھت کے سوا کیا ہے
کیا وقت پر گھر آنا کیا دیر سے گھر جانا

سقراط کے پینے سے کیا مجھ پہ عیاں ہوتا
خود زہر پیا میں نے تب اس کا اثر جانا

ایسا نہ ہو دریا میں تم بارِ گراں ٹھہرو
جب لوگ زیادہ ہوں کشتی سے اتر جانا

چاہو تو ٹھہر جاتا، بچا ہو تو گزر جاتا

رُباب راجپوت، کی ڈائری میں تحریر

سعید ہاشمی کی نظم

ساون کی رُتوں میں
شام ڈھلے
جب کچے مکانوں سے اکثر
سوندھی سی خوشبو آتی ہے
اور گاؤں کے عریض صحنوں سے
اُجلا سا دھواں جب اٹھتا ہے
سیٹی ریل کی مدھم سی
جب کانوں سے ٹکراتی ہے
آنچل کو دبائے دانتوں سے
اک موہنی سانولی صورت پر
اک آس کی لو جل جاتی ہے
اک شور سا دل میں اٹھتا ہے
من کے کواڑوں پر جیسے
کوئی دستک دے کر جاتا ہے
جیسے بوڑھے پیڑ پر جا کر
اوّل شب کے حصّے میں
پرندے شور مچاتے ہیں
اور سائے اندھیروں کی سیاہی سے
ڈر کر چُپ ہو جاتے ہیں

حنا کرن، کی ڈائری میں تحریر

شہزاد نیّر کی غزل

جاتی دُھوپ کی اک اک قاش پکڑتا رہتا ہوں
شام ڈھلے تک زرد پہاڑ پہ چڑھتا رہتا ہوں

وہ رنگین کتاب ہے، مجھ پر کھلتی رہتی ہے
کچھ لکھنے کی خاطر اس کو پڑھتا رہتا ہوں

لفظوں کے جنگل سے آگے جسم کی وادی ہے
جتنا آگے بڑھ سکتا ہوں، بڑھتا رہتا ہوں

ماضی کے محمل میں آنسو جڑتا رہتا ہوں

ایک صنم سے دل معبد میں کیسے رونق ہو
نئے نئے اصنام میں دن بھر گھڑتا رہتا ہوں

ایک پل بھی جو اس کے آگے اونچا بول پڑوں
برسوں تک قدموں میں گرتا رہتا ہوں

وہ آئے تو لڑ پڑتی ہے لب سے دل کی بات
وہ جائے تو اپنے آپ سے لڑتا رہتا ہوں

نیّر ان آنکھوں کا مجھ پر کچھ احسان نہیں
خود کھلتا ہوں شاخ پہ خود ہی جھڑتا رہتا ہوں

افشاں سمیع، کی ڈائری میں تحریر

خالد معین کی غزل

رقص کیا کبھی شور مچایا پہلی پہلی بارش میں
میں تھا میرا پاگل پن تھا پہلی پہلی بارش میں

پیہم دستک پر بوندوں کی آ کر اس نے دھیان دیا
کھل گیا دھیرے دھیرے دریچہ پہلی پہلی بارش میں

ایک اکیلا میں ہی گھر میں خوفزدہ سا بیٹھا تھا
ورنہ شہر تو بھیگ رہا تھا پہلی پہلی بارش میں

آنے والے سبز دنوں کی سب شادابی اس سے ہے
آنکھوں نے جو منظر دیکھا پہلی پہلی بارش میں

جانے کیا کیا خواب بُنے تھے پہلے ساون میں میں نے
جانے اس پر کیا کیا لکھا پہلی پہلی بارش میں

شام پڑے سو جانے والا دیپ جلا کر یادوں کے
رات گئے تک جاگ رہا تھا پہلی پہلی بارش میں



فوزیہ ثمر بٹ ـــــ گجرات

یہ حدیں نہ توڑ دینا، میرے دائرے میں رہنا
مجھے اپنے دل میں رکھنا میرے حافظے میں رہنا
میرے ہاتھ کی لکیریں تیرا نام بن کے چمکیں
میری خواہشوں کی خوشبو میرے ذائقے میں رہنا

حنا کرن ـــــ پتوکی

اداسی آسماں ہے دل میرا کتنا اکیلا ہے
پرندہ شام کے پل پر بہت خاموش بیٹھا ہے
مکاں سے کیا مجھے لینا، مکاں تم کو مبارک ہو
مگر یہ گھاس والا ریشمی قالین میرا ہے

گڑیا شاہ ـــــ کبیر والا

وہ سوئے اتفاق آ ملے تھے ہم سے
ہم ناداں سمجھے ہماری دعاؤں میں اثر ہے

ثمینہ شاہ ـــــ ڈلوال

بے کار خیالوں سے لپٹ کر نہیں دیکھا
جو کچھ بھی ہوا ہم نے پلٹ کر نہیں دیکھا
اس ڈر سے کہ کٹ جائیں نہ بینائی کے رشتے
آنکھوں نے تیری راہ سے ہٹ کر نہیں دیکھا

رباب راجپوت ـــــ پھول نگر

مری راحتیں، مری حسرتیں، مرا حادثہ، مری زندگی
مری ہجرتیں، مری قربتیں، مرا سانحہ، مری زندگی
مرے روگ مری ضمانتیں مرے خواب مری امانتیں
مری چاہتیں مری محبتیں مرا بت کدہ مری زندگی

ریحانہ منظور ـــــ لاہور

ایسا کیوں کہ جانے سے صرف ایک انسان کے
ساری زندگانی ہی بے ثبات ہو جائے

فائزہ بھٹی ـــــ پتوکی

نیند نہ آئے تو چراغوں کو بجھا دیا کرو
رات بھر کسی کا جلنا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا

نازیہ جلیل ـــــ گوجر خان

ہم اپنے دل کا پہلے حوصلہ معلوم کریں گے
پھر اس کے بعد تیرا فیصلہ معلوم کریں گے
وہ کتنے روز دل میں بے کلی آباد رکھے گا
رہے گا اور کتنے دن خفا معلوم کریں گے

لاریب انعم ـــــ لاڑکانہ

وابستہ ہو گئی تھیں کچھ امیدیں آپ سے
امیدوں کا چراغ بجھانے کا شکریہ

تبسم بشیر ـــــ ڈنگہ

میرے ہونٹوں پہ نہیں تم نے گلے
یہ تو ہیں عرض محبت کے صلے

انوش ابصار ـــــ قائداعظم یونی

جب کبھی خواب کی امید بندھا کرتی ہے
نیند آنکھوں میں پریشاں پھرا کرتی ہے
یاد رکھنا ہی محبت میں نہیں سب کچھ
بھول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے

مہناز بدر ـــــ حیدرآباد

سر جھکاؤ گے تو پتھر دیوتا ہو جائے گا
اتنا مت چاہو اسے وہ بے وفا ہو جائے گا

لبنیٰ احمد ـــــ لاہور

جو حیراں ہیں تمہارے ضبط پہ کہہ دو قتیل ان سے
جو دامن پر نہیں گرتا وہ آنسو دل پہ گرتا ہے

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ـــــ گلستان جوہر

ہر ایک کے نام پہ نہیں رکتیں صاحب
دھڑکنیں بہت با اصول ہوتی ہیں

آسیہ جاوید ـــــ (بارہ دری) علی پور چٹھہ

وقت یکساں نہیں رہتا کبھی سن لے اے دوست
کبھی خود بھی مدد پڑتے ہیں اوروں کو ملانے والے

سیدہ لوبا سجاد ——— کہروڑ پکا
اس شہرِ بے مثال میں بس ہم کو چھوڑ کر
ہر شخص لاجواب ہر شخص باکمال

شبانہ کوثر ——— راجن پور
دکھ اپنا اگر ہم کو بتانا نہیں آتا
تم کو بھی تو اندازہ لگانا نہیں آتا

عابدہ نثار ——— کراچی
کون کہتا ہے نفرتوں میں درد ہے محسن
کچھ محبتیں بھی بڑی اذیت ناک ہوتی ہیں

فرحین ظفر ——— کراچی
کیا روگ دے گئی یہ نئے موسم کی بارش
مجھے یاد آ رہے ہیں مجھے بھول جانے والے

فضہ یوسف ——— فیصل آباد
ہو اجازت تو مانگ لوں تمہیں رب سے
سنا ہے بارش میں دعا قبول ہوتی ہے

شانہ شہزاد ——— کراچی
سفر میں ہے جو ازل سے یہ وہ بلا ہی نہ ہو
کواڑ کھول کے دیکھو کہیں ہوا ہی نہ ہو
نہ جانے اس سے پرے دشتِ مرگ ہو شاید
پلٹنا چاہیں وہاں سے تو راستہ ہی نہ ہو

نور العین ——— سرگودھا
گزر گئے ہیں بہت دن رفاقتِ شب میں
اک عمر ہو گئی چہرہ وہ چاند سا دیکھے
تیرے سوا بھی کتنے رنگ خوش نظر تھے مگر
جو تجھ کو دیکھ چکا ہو وہ اور کیا دیکھے

نادیہ احمد ——— بہاولپور
ممکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرزِ منافقت
اے دنیا تیرے مزاج کا بندہ نہیں ہوں میں

غزل ارسلان ——— حیدرآباد
مانا کہ اس زمین کو نہ گلزار کر سکے
کچھ خار کم کر گئے گزرے جدھر سے ہم

فردوس فہیم ——— کراچی
انگلیاں میری وفا پر نہ اٹھانا لوگو
جس کو شک ہے وہ مجھ سے نبھا کر دیکھے

ثناء مرزا ——— اسلام آباد
کچھ خاص نہیں بس اتنی سی ہے داستانِ محبت
ہر رات کا آخری خیال، ہر صبح کی پہلی سوچ ہو تم

سعدیہ خان ——— پھول نگر
کتنا مشکل ہے زندگی کا یہ سفر
خدا نے مرنا حرام کیا، لوگوں نے جینا

عشرت جاوید ——— راجن پور
کاش کہ بچپن میں ہی تجھے مانگ لیتے
ہر چیز مل جاتی تھی دو آنسو بہانے سے

فہمیدہ ذیشان ——— سرگودھا
وہ مجھ سے دور ہو کر خوش ہے تو رب سے دعا ہے
مجھے چاہت سے زیادہ اس کی مسکراہٹ پسند ہے

جویریہ عرفان ——— ملتان
مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں، جینے کی تمنا کون کرے
یہ دنیا ہو یا وہ دنیا، اب خواہشِ دنیا کون کرے

سدرہ بتول ——— فاروق آباد
بہت مشکل زمانوں میں بھی ہم اہلِ محبت
وفا پر عشق کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں

حنا کرن ——— پتوکی
رات چپکے سے دسمبر نے یہ سرگوشی کی
پھر سے اک بار رلا دوں تجھے جاتے جاتے

شازیہ ممتاز ——— بھکر
ٹھٹھرتی ہوئی شبِ سیاہ اور وہ بھی طویل تر
محسن ہجر کے ماروں پہ قیامت ہے دسمبر

روبینہ شریف

مسکراتی کرنیں

دھمکی

ہر بیوی اپنے شوہر کو یہ دھمکی ضرور دیتی ہے کہ میں تو بچوں کی وجہ سے رکی ہوئی ہوں ورنہ تمہیں کب کا چھوڑ دیتی۔

شادی کے 25 سال بعد یہ دھمکی سن کر ایک شوہر بولا "دیکھو! سب بچوں کی شادیاں ہو گئی ہیں۔ اب تو اپنا وعدہ پورا کر لو۔"

بیوی! "میں ذرا پوتے کی شادی تو دیکھ لوں۔"

تبسم بشیر حسین......ڈنگہ

ذہانت

استاد نے شاگرد سے پوچھا "چین زیادہ دور ہے یا سورج"

شاگرد نے فوراً جواب دیا "چین"

"استاد حیرت سے بولا۔ وہ کیسے"

شاگرد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"جناب سورج کو تو ہم دیکھ سکتے ہیں لیکن چین ہمیں نظر نہیں آتا۔"

صائمہ مشتاق...... بھاگھٹانوالہ سرگودھا

ایک تیر سے

"ماں نے بیٹے سے کہا۔" یہ لو بیٹا 1500 روپے۔"

"یہ کس لیے مما؟" بیٹے نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بیٹا! تو نے جب سے فیس بک، واٹس ایپ شروع کیا ہے۔ تب سے رات کو چوکیدار نہیں رکھنا پڑا۔" ماں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

مسرت طارق......مظفرہ آباد

راضی بہ رضا

"آپ کی بیوی کی حالت بہت نازک ہے، وہ بمشکل دس پندرہ دن جی سکیں گی۔"

"کوئی بات نہیں! جہاں پچیس برس کاٹ لیے وہاں دس پندرہ دن اور سہی۔" شوہر نے ٹھنڈی سانس لی۔

کنول شاہین قیصر......تلہ گنگ

شکایت

ایک صاحب نے رات کو ایک ہوٹل میں قیام کیا اور صبح منیجر کو بلا کر شکایت کی۔

"یہ آپ کا ہوٹل ہے۔ میرے ساتھ والے کمرے میں رات بھر حیا سوز حرکتیں ہوتی رہیں۔"

"لیکن جناب آپ کو کیسے علم ہوا درمیان میں کوئی دروازہ بھی نہیں کمروں کے دروازے اندر سے بند رہتے ہیں۔" منیجر نے استفسار کیا۔

"ذرا میز پر کرسی رکھیے اور روشن دان سے جھانکیے تو آپ کو پتا چلے گا۔" موصوف نے غصے کہا۔

فوزیہ ثمر بٹ......گجرات

خوف

استاد شاگرد سے ......"کسی بہت بڑے پرندے کا نام بتاؤ؟"

شاگرد......"ہاتھی"۔

استاد 'ہاتھی کون سا پرندہ ہے......؟ اچھا یہ بتاؤ

آپ کے والد کیا کرتے ہیں......؟"
شاگرد...... "استاد جی......! وہ طالبان کے کمانڈر ہیں۔"
استاد نے ڈرتے ہوئے...... ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا ہے کہ "ہاں...... ہاں آج صبح میں نے بھی اپنے چھت پر تین ہاتھی پرندوں کے ساتھ بیٹھے دیکھے۔"
صائمہ سحر...... فیصل آباد

شناخت

"بیگم صاحبہ! جس کار نے ٹکر مار کر آپ کو نیچے گرادیا۔ اس کا نمبر تو آپ نے ضرور دیکھا ہوگا؟" سپاہی نے پوچھا۔
"نہیں میں نے نمبر نہیں دیکھا" بیگم صاحبہ نے سوچ کر جواب دیا "ہاں البتہ اس کار میں ایک اسمارٹ سی عورت بیٹھی ہوئی تھی، جو گلابی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھی اور کپڑا 200 روپے میٹر والا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی تھی، جس میں نقلی ہیرا تھا، بالوں میں سونے کا کلپ تھا۔ جبکہ وہ مصنوعی پوستین کا کوٹ بھی پہنے ہوئے تھی۔"
عفت میر...... لاہور

سنہری موقع

"ارے تم تو اپنی بیوی کے ساتھ شاپنگ کرنے جارہے تھے، یہ اچانک فٹ بال کا میچ دیکھنے کیوں چلے آئے؟"
ایک شخص نے اپنے دوست کو اسٹیڈیم میں آتے ہوئے دیکھ کر کہا۔
"یار...... اصل میں ہم دونوں شاپنگ کے لیے گھر سے نکلے ہی تھے کہ راستے میں میری بیوی کی پرانی سہیلی مل گئی، میں نے سوچا کہ جب تک دونوں دعا سلام کرتی ہیں، کیوں نہ فٹ بال کا میچ ہی دیکھ لیں۔" دوست نے اطمینان سے جواب دیا۔
ثناء شہزاد...... کراچی

کرارا جواب

بیوی سے بےزار شوہر نے اپنی ساس کو میسج بھیجا "آپ کی پروڈکٹ میری ریکوائرمنٹ کے مطابق نہیں، اس کی پرفارمنس صحیح نہیں ہے، میں اسے لوٹا رہا ہوں اور تبدیلی کی ڈیمانڈ کرتا ہوں۔ آپ کی یہ چیز واپس کرنا چاہتا ہوں۔"
اسمارٹ ساس نے ریپلائی کیا۔ "وارنٹی ختم ہوگئی ہے۔ ری پلیسمنٹ یا ریفنڈ کی کوئی پالیسی نہیں، برائے مہربانی پروڈکٹ کی پرفارمنس کو بہتر کرنے کے لیے روز بالوں سے پکڑ کر دھنائی کریں اور ویسے بھی کمپنی اب نیا سامان نہیں بنارہی ہے، شکریہ۔"
اینلا اویس...... پنڈی

خوش قسمت

نوجوان نے لڑکی سے شادی کی درخواست کی، جو اس نے قبول کرلی۔ لڑکے کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، وہ اپنے آپ کو بہت خوش قسمت تصور کررہا تھا اور اس کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ تم ہاں کردوگی، میں تو خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ میری تو شکل بھی ایسی نہیں کہ کوئی لڑکی ایک بار نظر ڈال کر دوبارہ دیکھنا پسند کرے۔"
"ہاں...... میں نے بھی اس بارے میں سوچا تھا۔" لڑکی نے اعتراف کیا۔ "پھر مجھے خیال آیا کہ تمہارا زیادہ وقت تو دفتر میں ہی گزرا کرے گا۔"
مریم اسد...... چیچہ وطنی حیات آباد



کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

نیک عورت

''عورت مکمل خواب دیکھتی ہے...... جنم سے مرن تک ......! وہ جانتی ہے محبت کا چہرہ سدا ایک جیسا نہیں رہتا...... ابھرتا، ڈوبتا، بنتا، بگڑتا رہتا ہے۔ اس منصوبے کی اسے قدم قدم پر سزا ملتی ہے۔ پھر بھی وہ محبت کا ایک الگ سا جہاں لیے بیٹھی ہوتی ہے۔ اس کے لیے وہ تیاگ کرتی ہے۔ مگر گناہ کی وادی میں قدم نہیں رکھتی۔''

(بشریٰ رحمٰن...... ملبا)

صائمہ سحر...... فیصل آباد

کریڈٹ

جب کوئی شخص الجھی ہوئی ڈور کے ڈھیر میں سے اس کا سرا تلاش کر لیتا ہے تو پھر ہر آدمی اس الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے میں مدد دینے لگتا ہے۔ حالانکہ اس وقت مدد کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ڈور سلجھنے کے بعد ہر شخص اس کا کریڈٹ خود لینے کی کوشش کرتا ہے......

(عمیرہ احمد)

تبسم بشیر حسین...... ڈنگہ

بھونکتے کتے

انگریزی میں ایک مثل ہے کہ ''بھونکتے ہوئے کتے کاٹا نہیں کرتے یہ بجا سہی لیکن کون جانتا ہے کہ ایک بھونکتا ہوا کتا کب بھونکنا بند کر دے اور کاٹنا شروع کر دے...... (پطرس بخاری)

(فائزہ بھٹی...... پتوکی)

نیت

جو لوگ ساتھ دینے والے ہوئے ہیں، وہ کبھی کسی حال میں بھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑتے وہ آپ کا ہاتھ تب بھی تھامے رکھتے ہیں جب قسمت آپ کو الگ کرنے کے منصوبے بنا چکی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے اپنی قسمت خود بناتے ہیں اور جہاں لگن سچی ہو وہاں جدائی ایک پل کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ یہ سارا کھیل ہی نیت کا ہے۔

(مصباح مشتاق...... اے دل راز داں)

شازیہ سیوانی...... کھڈیاں خاص

سگریٹ نوشی

مہینوں وہ یہ ذہن نشین کراتے رہے کہ سگریٹ پینے سے گھریلو مسائل پر سوچ بچار کرنے میں مدد ملتی ہے اور جب ہم نے اپنے حالات اور ان کی حجت سے قائل ہو کر سگریٹ شروع کر دی اور اس کے عادی ہو گئے تو انہوں نے چھوڑ دی۔ کہنے لگے بات یہ ہے کہ گھریلو بجٹ کے جن مسائل پر میں سگریٹ پی پی کر غور کیا کرتا تھا، وہ دراصل پیدا ہی کثرت سگریٹ نوشی سے ہوتے تھے۔

(مشتاق احمد یوسفی...... چراغ تلے)

فوزیہ ثمر بٹ، ہانیہ عمران...... گجرات

امید اور خوش گمانی

اگر دو نئے یار بنانے ہی ہیں تو امید اور خوش گمانی سے اچھے یار بھلا کون ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں یار کبھی نئی منزلیں اور نئے آسمان ڈھونڈنے کے لیے آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ یہ دونوں ایسے جن ہوتے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے انسان کے ہاتھ منزلیں اور آسمان رکھ دیتے ہیں کبھی انسان کو تنہا نہیں چھوڑتے۔ مایوسی کی جتنی بھی تیز ہوا ہو یہ کبھی کسی قندیل کو بجھنے نہیں دیتے۔

(محمود ظفر اقبال ہاشمی...... قرطاس اور قندیل)

انوش ابصار...... قائداعظم یونی

طاقت

سنو! جس طاقت کو تم غلط سمجھتے ہو وہ صرف خدا کی طاقت ہے جو ہمیں اور تمہیں طاقت عطا کر کے رحم کرنا سکھاتی ہے۔ طاقت کا صحیح مظاہرہ یہ نہیں کہ تم کمزوروں کو مسل دو بلکہ طاقت کا صحیح مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں اپنے اندر بھرے ہوئے وحشی کو ابھرنے نہیں دیتے۔ جب تک افراد کی داخلی تنظیم، اس نظریے کے تحت نہ ہو گی، بہتر سے بہتر نظام حیات بھی دیرپا نہ ثابت ہو سکے۔

تم آج ایک نظام سے اکتا کر دوسرے نظام کی بنیادیں رکھتے ہو مگر کل وہ بھی ڈھیر ہو جائے گا کیونکہ بنیاد اس پرانی زمین پر رکھ رہے ہو جس کے نیچے آتش فشاں سوتے ہیں۔ پہلے اس آتش فشاں کو ٹھنڈا کرو۔

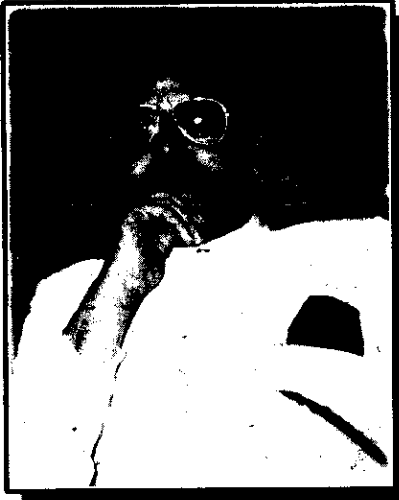
(ابن صفی...... جہنم کا شعلہ)

سدرہ...... فاروق آباد

☆☆

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔





عینی طفیل ...... کراچی

س: اگر یہ صحیح ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کانٹوں پر پھولوں کی صحبت کا اثر نہیں ہوتا؟

ج: دونوں میں ضد چل رہی ہے۔ دلائل اگرچہ زوردار ہیں لیکن نہ پھول کانٹوں کا اثر لینے پر رضامند ہیں اور نہ ہی کانٹے۔

منصوری ...... کمرشل سینٹر

س: آپ اتنے خوب صورت کیسے ہو گئے۔ کہیں یہ سب فیئر اینڈ لولی کا کمال تو نہیں ذوالقرنین جی؟

ج: فیئر اینڈ لولی کا اشتہار دیکھ کر تو کسی سیاہ ترین جلد کے مالک کا بھی دل ایسی کریم استعمال کرنے کو نہیں چاہے گا بی بی!

عالیہ حرا ...... ڈالیہ کراچی

س: تمہیں لکھنا تو آتا نہیں پھر تمہارے ہی لوگ تمہیں نئی نسل کا نمائندہ قلمکار کیوں کہتے ہیں جبکہ میری نظر میں تم میں کوئی ایسی بات نہیں؟

ج: مجھ میں کوئی ایسی بات نہیں، میری تحریر میں شاید ضرور ہے۔

رضیہ حمید ...... شکار پور

س: آسمان پر چمکتی کہکشاں اور دلہن کی جھلملاتی مانگ میں سے آپ کو کون سی چیز پسند ہے؟

ج: دونوں بہت دور ہیں مجھ سے۔

ثمینہ کوثر ...... ملتان

س: نین بھیا! آپ کے ہر ناول کا ہیرو سگریٹ یا سگار ہی کیوں پیتا ہے۔ کچھ اور کیوں نہیں؟

ج: پاکستان میں ان دو چیزوں کے ساتھ صرف چائے پینے کی اجازت ہے۔

فرح دیبا ...... کراچی

س: کہیں الو بولتے تو جگہ ویران ہو جاتی ہے۔ اگر ذوالقرنین بولے تو جگہ کا کیا حال ہوتا ہے؟

ج: احباب کو گمان ہوتا ہے کہ جشن بہاراں کا سماں ہے۔

شہناز اختر ...... ڈلوال

س: آہستہ سے بتا دیں۔ جو ناول آپ کے نام سے آ رہا ہے۔ وہ آپ کس سے لکھوا رہے ہیں؟

ج: ایک ہے مگر نام ہم تمہیں کیوں بتائیں اس کا۔

شبانہ عینی......کراچی

س: ذوقی بھیا! اتنے اہتمام سے تیار ہو کر کیوں بیٹھے ہو، کیا بھابھی کا انتظار ہے؟

ج: بات یہ نہیں بلکہ معاملہ یوں ہے کہ تمہاری بھابھی کو ہمارا انتظار ہے۔

شیریں رحمٰن......کوئٹہ

س: قابل رشک موت تو شہادت ہے۔ یہ بتایئے کہ قابل رشک زندگی کیا ہے؟

ج: جو جہاد کرتے گزرے۔ اپنے نفس کے خلاف۔

کوثر ارشاد......ملتان

س: ذوالقرنین بھیا! اگر آئینہ صورت کے بجائے سیرت دکھاتا تو پھر؟

ج: پھر شاید اعمال کی درستگی پر ہم زیادہ توجہ دیتے۔

س: اگر آپ کا بچپن دوبارہ لوٹ آئے پھر آپ کیا کریں گے؟

ج: اس عمر تک پہنچنے کی جستجو۔

س: مرد ظالم، عورت مظلوم اور بچے؟

ج: کہتے ہیں ان سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔

نسرین کنول......کراچی

س: خانہ شماری سے علم ہوا کہ بے روزگاروں کی فہرست سے ایک نام کم ہو گیا ہے۔ جب تحقیق کی تو پتا چلا کہ وہ بے روزگار آج کل کرن میں نہلے پہ دہلا مارتا ہے؟

ج: شکر ہے خدا کا روزگار تو ہے۔

عاصمہ نازلی......راولپنڈی

س: ذوقی بھیا! سنا ہے چیونٹیاں آپس میں ٹکراتی ہیں تو کوئی پیغام دیتی ہیں اور جب جہاز ٹکراتے ہیں تو؟

ج: پھر انہیں زمین پیغام دیتی ہے۔

نورین عزیز......شکارپور

س: پھول ہوتے تو تیرے در پہ سجا بھی دیتے
زخم لے کے تیری دہلیز پہ جاؤں کیسے؟

ج: چلو آجاؤ، ہم فرسٹ ایڈ بکس منگوا لیتے ہیں۔ آخر انسانیت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

پھر انہیں زمین پیغام دیتی ہے۔

تانیہ تاج......کوئٹہ

س: بھیا! یہ مرد حضرات لڑکیوں کو صحیح طریقہ سے نہیں دیکھ سکتے، کیا ضروری ہے کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں؟

ج: نہیں کوئی خاص ضروری نہیں، بس ویسے دیکھیں جیسے لڑکیاں انہیں دیکھتی ہیں۔

صبا جمیل احمد......کراچی

س: اب تو عینک کی سخت حاجت ہے۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے؟

ج: ایسا کرو، جس چیز کی حاجت ہے اس سے دور رہو اچھا ہے کہ صورت نظر نہیں آئے گی۔

رضیہ سلطانہ بلوچ......حیدرآباد

س: بیوی تو میکے جانے کی دھمکی دیتی ہے لیکن شوہر؟

ج: رات گئے گھر سے باہر جانے کی۔

صبیحہ ارشاد قریشی......کراچی

س: جو شخص ٹھوکر کھا کر بھی نہ سنبھلے، اسے کیا سمجھنا چاہیے؟

ج: ٹھوکر کھانے کا عادی۔

س: دوست کب دھوکا دیتا ہے؟

ج: یہ پوچھیں کب نہیں دیتا۔

تحسین زیدی......کراچی

س: لوگ چاند پر جاتے ہیں، سورج پر کیوں نہیں جاتے؟

ج: ایئر کنڈیشنر پلانٹ خراب پڑا ہے وہاں کا ایک عرصے سے۔

☆☆



تبسم بشیر حسین......ڈنگہ

ٹائٹل یونیک سا تھا۔ اداریہ عید کا مفہوم، بہت خوب۔ سباس گل کی حمد لاجواب تھی اور علیم کی نعت بے مثال۔ ''ہمارے زمانے کی عید'' سب کے جوابات اچھے تھے، سب کے انٹرویو اچھے لگے۔ ناول ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' نگہت جی پلیز! اریکا سے حمزہ کی جان چھڑائے اور یہ تیمور جب خزینہ کو خوش نہیں رکھ سکتا تو شادی کیوں کی؟ قسم سے قسط بہت مختصر ہوتی ہے اور انتظار جان لیوا۔ ''شب نم کی سحر'' باقی دو کی طرح تیسری قسط بھی کچھ متاثر نہ کر سکی، بہت معذرت کے ساتھ کہانی بالکل بھی اچھی نہیں ہے۔ ''اسم یاراں'' مصباح جی بہت بہت شکریہ، انٹری دینے کا مجھے تو لگا تھا کہ فینز بنا کر بھول جائیں گی، لاجواب تحریر تھی۔ ''میں ہاری پیا'' نفیسہ اس دفعہ وہ بات نہیں تھی جو......بس کہانی سو سو تھی۔ ''تم سنگ نیناں لاگے'' قرۃ العین کی کاوش اوسم تھی، خاص کر ذوالکفل کا کردار ویری نائس۔ ''میرے محرما'' ریحانہ کی تحریر رمضان کے حوالے سے کافی اچھی تھی۔ جبکہ سدرہ نے بھی لاجواب لکھا۔ نادیہ کا افسانہ کافی لائٹ لائٹ تھا۔ ''رمضان مہربان'' نادیہ جیسی عورتیں جو ہر وقت کا رونا روتی ہیں، بہت بری لگتی ہیں۔ شکر ہے تحریم کی باتوں سے وہ سنبھلی، ویری گڈ۔ ''عید کا چاند'' بشریٰ نے کافی اچھا سبق دیا تو آخر شاروں صبا کی پسند میں ڈھل گیا۔ ''آسان سی بات'' روکھا پھیکا سا تھا، کرن کتاب تو ماشاءاللہ کافی نکھر گئی ہے۔ بہت بہت شکریہ، نہ صرف لیٹر شامل کیا بلکہ سلسلوں میں بھی جگہ دی، بہت شکریہ۔ ایک چھوٹی سی فرمائش ہے پلیز پوری کر دیجیے گا، پلیز۔ عمران عباس کا انٹرویو لیں اور بینگن اور بھنڈی کو اس ماہ کی سبزی میں شامل کریں۔

☆ پیاری تبسم! کرن کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کی فرمائش عمران عباس کا انٹرویو شاہین رشید تک پہنچادی جائے گی اور ''سبزیوں'' والی فرمائش بھی ان شاءاللہ پوری کر دی جائے گی۔

سدرہ......فاروق آباد

جیسے سب کی عید گزری ہماری بھی بہترین گزری اور اس عید کو بھرپور بنا دیا مصباح علی نے۔ آج تو میں سچ کہوں گی میرے خط لکھنے کی وجہ ہی مصباح علی بنیں۔ ایک عید پر اتنی عیدی، ماشاءاللہ۔ ٹی وی پر شعاع میں اور پھر ہمارے پیارے کرن میں بھی۔ تینوں پلیٹ فارم پر تین موضوع اور تینوں خوب جان دار، کمال۔ یہ آل راؤنڈ ٹائپ لڑکی آپ کے ہاتھ لگی کہاں سے؟ ''اسم یاراں'' ناول پورے کرن کی جان محسوس ہوا حالانکہ عید نمبر میں ایک دکھی تحریر تھی لیکن جس خوب صورتی سے مصباح اس محبت کا قصہ سنا رہی تھیں اس انداز نے کیا لولی اینڈ کیا، لیلیٰ مجنوں جیسا، بہت پسند آیا، ٹاپ کلاس۔ ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' نے اب جو موڑ کاٹا ہے اس سے لگتا ہے کہانی اب چار پانچ اقساط میں نبٹنے والی ہے۔ ''شب نم کی سحر'' میں رخ چوہدری نے تو

گئی ہو۔ چٹ پٹا مگر انتہائی کرکرا۔ ناولٹ بس ٹھیک تھے۔ ارے افسانوں میں تھا مزے کا ہماری نادیہ احمد کا، ہاہاہا۔ سدرۃ المنتہیٰ اور رابعہ افتخار تو ''رمضان مہربان'' میں اپنی ہمدردی بھری نصیحتیں کرتی رہیں، بہت خوب اوورآل پورا کرن عید نمبر پرخوب چمکا۔

☆ پیاری سدرہ! کرن کے عید نمبر کی پسندیدگی کا شکریہ۔

صائمہ سحر......فیصل آباد

آج کرن میں تبصرہ کرنے سے پہلے ڈھیروں گلے، شکوے کروں گی، کیونکہ میں آپ سے بہت ناراض ہوں۔ میں نے کرن کے تمام مستقل سلسلوں کے لیے اپنی تحریر بھیجی مگر کسی سلسلے میں بھی نہیں تھی کیوں؟ آپ کا ہی کہنا ہے کہ ''کرن'' ہمارا اپنا ہے۔

اب آتی ہوں تبصرہ کی طرف! حمد و نعت کے بعد ''ہمارے زمانے کی عید'' پڑھا۔ سب آرٹسٹوں کی بچپن کی اور اب کی عید کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ مگر دکھ بھی ہوا کہ گزرا وقت جتنا اچھا تھا، موجودہ وقت اس کے برعکس ہے۔ اس کے بعد آمنہ طاہر کو پڑھا۔ گو کہ یہ نام میرے لیے نیا تھا مگر ان کو پڑھ کر کہ ان کو جان کر اچھا لگا۔ ''میری بھی سنیے میں'' سید علی حسن نے کچھ زیادہ ہی کھری کھری سنا دیں۔ مجھے ان کی یہ بات بالکل بھی پسند نہیں آئی کہ ''عورت حسین تو ہوسکتی ہے ذہین نہیں''۔ ''مقابل ہے آئینہ'' میں کنول قیصر شاہین کو جان کر اچھا لگا کیونکہ یہ کرن کی مستقل قاری ہیں۔

سب سے پہلے میں مکمل ناول نفیسہ سعید کا ''میں ہاری پیا'' میرے پاس الفاظ نہیں اس ناول کی تعریف کے لیے۔ نفرت، انتقام اور محبت کے جذبات سے گوندھا یہ ناول مجھے تو اپنا اسیر کر گیا۔

نزدیک یہ اس ماہ کا بیسٹ مکمل ناول تھا...... گریٹ نفیسہ جی! بہت اچھا لکھا آپ نے۔ ناولٹ میں ریحانہ آفتاب نے ''میرے محرما'' میں اگر موضوع وہی پرانا اور روایتی سا تھا یعنی وہی سوتیلی ماں، اس کا حسد اور ناروا سلوک...... مگر بیان اس خوب صورتی سے کیا کہ لفظوں کے موتی ایک دوسرے سے جڑتے گئے اور مالا بنتی گئی اور یہی ایک لکھاری کی خوبی ہے۔ موضوع کوئی بھی ہو مگر اپنے لفظوں سے اس میں جان ڈال دے اور اس ناولٹ کی ایک بات سے تو میں سو فیصد متفق ہوئی کہ میکے کا مان ہر عورت کو ہوتا ہے۔ سدرہ حیات کا ناولٹ ''ہم بھی وہی، تم بھی وہی'' اپنے نام کی طرح ہلکا پھلکا۔ اب بات ہوجائے افسانوں کی...... بشریٰ سیال کا افسانہ ''تو میری عید کا چاند'' عید کے چاند جیسا ہی خوب صورت۔ سدرۃ المنتہیٰ کا ''آسان سی بات'' واقعی بہت سی الجھنوں اور مشکلوں کو آسان بنا گیا۔ یہ افسانہ مجھے پسند آیا۔ خیر آپ کی محبت ہے یہ جو اس بار ہمیں کسی اور سلسلے میں جگہ نہیں ملی۔

آخر میں بس اتنا کہوں گی کہ میں نے بہت مان، بہت چاہت اور محبت سے اس بار بھی کرن اور کرن کتاب کے لیے بہت کچھ لکھ کر بھیجا ہے، پلیز مجھے اس بار اس کے ہر سلسلے میں جگہ دے دیجیے گا۔

☆ پیاری صائمہ! آپ کی بھیجی گئیں مستقل سلسلوں کے حوالے سے تحریریں تاخیر سے ملی ہیں ان شاء اللہ لگادی جائیں گی۔ آپ کا خط تو جولائی میں لگایا گیا تھا، آپ بہنوں کا خط اگر 28 تاریخ تک بھی ہمیں موصول ہو تو لگا دیا جائے گا اور مستقل سلسلے کے حوالے سے تحریریں آپ بہنیں جب چاہیں بھجوا دیا کریں۔ باری آنے پر لگادی جائیں

کی۔

انوش ابصار......قائداعظم یونی

رمضان کی تھکاوٹ اور نیندوں کا خمار خوب اتارا۔مصباح کی ''اسم یاراں'' ایک خوب صورت لو اسٹوری دل میں ٹھاہ کرکے تب لگی جب یلماز، شہاب مُنہ پر لگنے سے ساکت ہوگیا۔ واہ عیدی پوری۔اللہ کرے مصباح کا زور قلم اور زیادہ۔دوسرا ناول تھا پیاری نفیسہ سعید کا تو کیا کہنے، اپنے سادہ اسلوب میں بہت کچھ سمجھا گئیں۔ بہت مزے کا ناول تھا۔''غم ہے یا خوشی ہے تُو'' ویل ڈن۔

افسانے سارے مزے کے تھے، بیسٹ سدرۃ المنتہیٰ کا لگا۔

میرا رشتہ کرن سے پکا ہوچکا ہے پوری کوشش ہوتی ہے، ہر ماہ خط لکھوں اب لگانا آپ پر منحصر ہے، کب کب جگہ دیتی ہیں۔

☆ پیاری انوش! آپ تو مستقل قاری بن چکی ہیں، ہر ماہ آپ اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں اور ہر ماہ آپ کو جگہ ملتی ہے کیونکہ کرن آپ بہنوں کا ہی ہے۔

اقراء ممتاز......سرگودھا

اس دفعہ کرن 30 ویں روزے کی شام کو ملا۔ ٹائٹل گرل کی مہندی اور کارڈ بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔''ہمارے زمانے کی عید'' سروے میں سب آرٹسٹ کو پڑھا۔''میری بھی سنیے'' میں سید علی حسن سے ملاقات بس سو سو رہی کیونکہ ان سے پہلے بھی ملاقات ہوچکی ہے۔''مقابل ہے آئینہ'' میں کنول شاہین قیصر کو جانا۔مکمل ناول ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' اب ہوائیں رخ بدل گئی ہیں، تیمور غزنی تم سے امید ہے کہ تم خزینہ کا ساتھ دو گے۔''اسم یاراں'' مصباح علی سید کا نام ہی کافی ہے۔کیا کوئی امجد جیسا باپ بھی ہوسکتا ہے، لالچی۔مسٹر یلماز تم نے منیبہ کے ساتھ اچھا نہیں کیا لیکن وقت کی ہیرا پھیری دیکھو منیبہ کو ہی تمہارا مقدر بنادیا۔''میں ہاری پیا'' کیا فنٹاسٹک اسٹوری تھی۔انسان ٹھوکر کھاکر ہی سنبھلتا ہے۔ اسی طرح راشیل کے ساتھ بھی ہوا، والدین کی کیے کی سزا کسی نہ کسی کو تو بھگتنی پڑتی ہے۔

ناولٹ ''غم ہے یا خوشی ہے تُو'' آخر کار اونٹ کسی کروٹ بیٹھ ہی گیا۔''تم سنگ نیناں لاگے'' ونڈرفل اسٹوری تھی۔ صفورہ! تم کیا سمجھی تھیں کہ تمہارے بھڑکنے سے طوبیٰ اور ذوالکفل ایک نہیں ہوسکیں گے، سارا نے بروقت عقل کا کام کرکے طوبیٰ اور ذوالکفل کا کام آسان کردیا اور غلط فہمی دور کردی۔

''میرے محرما'' اس ماہ کا بہترین ناولٹ تھا۔ ثانیہ تو ماں تھی، اشمل کا خیال نہ آیا دوسری شادی کرتے وقت۔علی زریون نے اشمل کا بہت ساتھ دیا، اشمل ایک معاملے میں تم خوش نصیب ہی ہو کہ تمہیں اتنے پیار کرنے والے ساس سسر ملے۔

''ہم بھی وہی تم بھی وہی'' زونیرا کا ڈائٹ پلان سن کر ہم بھی بے ہوش ہوتے ہوتے بچے۔ لائف کو انجوائے کرنے کے لیے کچھ تو چٹ پٹی چیزیں کھانی چاہئیں۔آپی جی ''مجھے یہ شعر پسند ہے'' میں بھی اپنا پسندیدہ شعر بھیج سکتی ہوں، پھر خود کا لکھا بھیجنا ہوتا ہے۔

☆ پیاری اقرا! ''مجھے یہ شعر پسند ہے'' یا ''یادوں کے دریچے سے'' ان دونوں سلسلوں میں آپ بہنیں اپنی ذاتی نہیں بلکہ مختلف شعراء کے اشعار اور غزلیں، نظمیں جو آپ لوگوں کو پسند ہوں بھیج سکتی ہیں۔

نازیہ جلیل......گوجر خان

خط لکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے کوئی پیاری

کیکی سامنے ہو اور بندہ تبصرہ کر رہا ہو۔ بہر حال عید نمبر بہت مزے کا تھا، سب رائٹرز نے اسے سجانے میں آپ سے پورا تعاون کیا۔ سب سے پہلے تنزیلہ ریاض کو پڑھتی ہوں "غم ہے یا خوشی ہے تُو" زبردست جا رہا ہے۔

اور بھئی بہت افسوس اور معذرت کے ساتھ اگر آپ برا نہ مانیں تو کہہ دوں اس بار کرن کے دونوں سلسلے وار اس قدر ٹھنڈے ہیں کہ بس......

مکمل ناول دونوں ہی ٹاپ کلاس تھے بلکہ انہوں نے قیمت وصول کی۔ مصباح علی تو خیر اب تعریف تبصروں کی محتاج نہیں، ہر موضوع پر گرفت چھوڑتی نہیں۔ پہلے ہی پہر سے ہر قاری پر جال پھینکتی ہیں، پھر کوئی ہل کر دکھائے اور اس بار نفیسہ سعید کا موضوع کہانی بے شک پرانا تھا لیکن خوش اسلوبی بہت تھی۔ ناولٹ بھی اچھے تھے، قرۃ العین سکندر کا "تم سنگ نیناں لاگے" ہلکا پھلکا لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ درمیان سے ذرا گرفت موضوع سے ہٹ گئی تھی لیکن اینڈ پر قلم سنبھال لیا۔ ریحانہ آفتاب کا ایسے جس طرح زبردستی لکھا ہو۔ اس بار دو دو سدرہ اور دونوں نے اپنے قلم کی طاقت لگائی، مزا آ گیا۔

☆ پیاری نازیہ! آپ نے اپنی پسند، ناپسند سے آگاہ کیا شکریہ۔ آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا۔

فاطمہ نور...... بورے والا

السلام علیکم! پیاری پیاری آپی! رمضان کے بعد طبیعت کچھ ایسی بگڑی کہ بستر پر ہی عید گزر گئی۔ مہمان عید ملنے کم میری عیادت کو زیادہ آئے لیکن اللہ کا کرم کہ پھر سے بہتر ہو گئی اور اس دوران اگر کچھ پڑھا تو کرن تھا۔ سب سے پہلے تو مصباح آپی کا "اسم یاراں" پڑھا۔ کیا بات ہے بہت مختلف انداز تحریر تھی آج سے پہلے کبھی ایئر ہوسٹس پر کچھ نہیں لکھا گیا، اس لیے بھی یہ کہانی بہت ہی پسند آئی۔ مصباح کے منفرد انداز بلکہ مصباح آپی نے جیسے رسالوں میں الگ انٹری ماری ویسے ہی ٹی وی پر چھا گئیں، سچ سے طبیعت میں کچھ بہتری "اسم یاراں" سے ہوئی۔ نفیسہ آپا نے بہت پیارا لکھا، ونی کی رسم پر سادہ انداز لیکن الفاظ اور جملوں میں روانی تھی۔ ریحانہ آفتاب کا ناولٹ بھی بہت بہت پسند آیا، ہلکا پھلکا۔ یہ تین رائٹرز میری فیورٹ ہیں، انہیں طبیعت ناسازی کے باوجود پڑھ لیا، باقی ابھی باقی ہے۔ امی بہت سا سلام دے رہی ہیں آپ کو۔

☆ پیاری فاطمہ! اللہ کا شکر ہے کہ آپ طبیعت اب ٹھیک ہے۔ آپ کی والدہ کو وعلیکم السلام۔

☆☆

کچن اور آپ

اس ماہ رابعہ عمران چوہدری کو "کچن اور آپ" میں انعام کا حق دار قرار دیا ہے۔ ادارے کی طرف سے رابعہ عمران کو تین ماہ کے لیے "ماہنامہ کرن" مفت دیا جا رہا ہے۔